آثارِ جعفریہ

مصنف

خان بہادر اولادِ حیدر فوق بلگرامی

مصنف کی دیگر کتب

اسوۃ الرسول ○ سراج المبین ○ ذبیح عظیم ○ آثارِ جعفریہ وغیرہ

مکتبہ کاظمیہ

شاہدرہ ٹاؤن ○ لاہور

فہرست مضامین آثار جعفریہ یعنی سوانح عمری جناب امام جعفر صادق علیہ السلام

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین والہ الیامین خدائے سبحانہ وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُسکے فضل وکرم سے اس مقدس سلسلہ کا چھٹا نمبر بھی بخیر وخوبی تمام ہوگیا۔

میں نے اپنے قدیم نظام تالیف کے مطابق اس کتاب میں بھی سیرت نویسی ہی کی تنہا ضرورتوں سے کام نہیں لیا ہے بلکہ اپنے سلسلہ بیان میں بقید سنین اُن تمام تاریخی واقعات کو بھی درج کردیا ہے جن کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذات ستودہ آیات سے کسی قسم کا تعلق تھا یا کم سے کم وہ واقعات آپ کی حیات میں گزر رہے تھے۔ اسلیے ہماری اس کتاب کی تنہا دیکھنے سے ہر شخص کو جناب صادق آل محمد علیہ السلام کے احوال خیر وبرکت اشتمال کے ساتھ ہی سلاطین امویہ کے زوال وادبار کے پورے حالات اور فرمانروایان عباسیہ کے عروج واقبال کے تمام وکمال احوال بخوبی معلوم ہوسکتے ہیں۔

بنی عباسیوں نے اپنے حصول سلطنت کی کوششوں میں جن عالم فریبیوں سے کام لیا اور رضائے آل محمدؐ کے مجمل اور خوش کُن کلمہ سے محبت اہلبیت علیہم السلام کی آڑ میں اسلامی دنیا کو اپنا مطیع ومنقاد بنایا وہ پوری تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہیں اور معتبر ومستند اسانید سے ثابت کردیا گیا ہے کہ عباسیوں کی تمام کامیابیاں انہی حضرات کے ذاتی اعزاز ووجاہت کی بدولت تھیں۔

ان امور کے علاوہ۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمات بابرکت میں منصور دوانقی کی بے ادبی آپ کے قتل وایذادہی کی ترکیبیں اور آپ کے مدارج ومراتب گھٹانے کی فکریں ایک بار نہیں کئی بار۔ اس کی طرف سے انواع واقسام کے حیلوں کے ساتھ عمل میں لائی گئیں۔ اور جن میں وہ ہمیشہ ناکامیاب رہکر نادم اور پشیمان ہوتا گیا بتصریح تمام قلمبند کردی گئی ہیں۔ جن کو پڑھکر ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ دنیاوی عزت واقتدار خاصان الٰہی کے روحانی عزّ ووقار کا کچھ نہیں کرسکتا۔

سادات بنی حسنؑ کے ساتھ بنی عباسیوں نے جو خلاف عہدی اور بے وفائی کی وہ بھی مفصل طور پر سلسلۂ بیان میں منضبط کردی گئی ہے اور اسی کے ساتھ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی ان معاملات میں قطعی علٰحدگی اور غیر سروکاری تاریخ کے معتبر اسانید اور احادیث کے مستند مسانید سے ثابت کردیگئی ہے برعکس اسکے سادات بنی حسنؑ کو ان امور کے خلاف میں جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے جیسی جیسی نصیحت فرمائی ہے اور جیسا جیسا سمجھایا ہے وہ کافی تفصیل کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے جس سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو سلطنت اسلامی کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی اور آپ بالاہتمام ان امور سے بالکل دست بردار اور محض بے سروکار رہے۔

اس کتاب کے آخر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محاسن اخلاق اور
مکارم عادات کے مبارک واقعات درج کیے گئے ہیں اور اسی کے ضمن میں آپ کی جامعیت اور کمال
علمی پر معتبر شواہد کی رو سے کافی طور پر بحث کیگئی ہے اور آپ کے وہ اقوال وارشاد جو ہدایت عا
اور تعلیم امت کے ضروری اصول پر مبنی تھے۔ تحریر کیے گئے ہیں جن کے بے نظیر اور بے عدیل ہو
اعتراف اسلام کے تمام علماء۔ مفسرین۔ محدثین اور مورخین آج تک برابر کرتے آتے ہیں۔

بہر حال ہماری موجودہ کتاب **آثار جعفریہ** انہی مضامین کو لیے ہوئے اسلامی پبلک
میں پیش کیجاتی ہے۔ اور امید کی جاتی ہے کہ ہماری یہ ناچیز تالیف ہماری قوم و ملت کے
کثیر المنفعت اور مؤلف کے لیے زاد آخرت ثابت ہوگی۔ واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب
العٰلمین والسلام علیٰ سید المرسلین واٰلہ المعصومین المنتجبین

المؤلف

احقر
سید اولاد حیدر فوق بلگرامی
عفا اللہ الحامی

کوآتھ صانہا اللہ عن الآفات
۱۶ / محرم الحرام ۱۳۲۸ھ
روز شنبہ

اُن علماء اور اُنکی کتابوں کے نام جن سے اس کتاب میں مضامین لیے گئے ہیں

نمبر	اسمائے کتاب	اسمائے علماء	نمبر	اسمائے کتاب	اسمائے علماء
۱	کامل ابن اثیر	علامہ ابن اثیر	۱۰	فصل الخطاب	خواجہ محمد پارسا
۲	مراۃ الجنان	امام یافعی	۱۱	ینابیع المودۃ	علامہ سلیمان القندوزی
۳	روضۃ الصفا	خاوندشاہ	۱۲	کاشف الحقائق	مولانا سید مظہر حسن صاحب
۴	زبدۃ الفکر تاریخ بنی امیہ	عباس ابن منصور (قلمی)	۱۳	سیرۃ المامون	شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی
۵	صواعق محرقہ	علامہ ابن حجر	۱۴	سیرۃ النعمان	" " "
۶	وفیات الاعیان	ابن خلکان	۱۵	لسان الواعظین	حاجی محمد علی محدث شیرازی
۷	حواشی جنیدیہ	سید غلام حسین بلگرامی (قلمی)	۱۶	مودت الاسلام	فاضل جونپوری
۸	جلاء العیون	ملا مجلسی علیہ الرحمہ	۱۷	تاریخ الائمہ	سید غلام حیدر خاں بہادر
۹	صافی تفسیر کافی	ملا خلیل قزوینی علیہ الرحمہ			

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین واٰلہ الطیبین الطاہرین

اسم مطہر آپ کا جعفر کنیت ابو عبداللہ اور مشہور ترین لقب صادق ہے آپکی والدہ مطہرہ کا نام اُمِ فروہ بنت قاسم ابن محمد ابن ابی بکر ہے۔ جن کا شمار مدینۂ منورہ کے فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں اور ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں۔

امہٗ امّ فروۃ بنت قاسم ابن محمّد ابن ابوبکر الصدّیق رضی اللہ عنہم والقاسم من الفقہاء السبعۃ۔

جناب اُمِ فروہ کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ خاتون معظمہ بہت بڑی پاک سیرت اور نیک نفس بی بی تھیں۔ نور ایمان سے آراستہ اور صدق و عرفان سے پیراستہ۔ زیور معرفت سے مزین اور انوار حقیقت سے پر نور اور روشن۔ ان کے محامد اوصاف میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام خود فرماتے ہیں [1]

کانت امی ممّن امنت واتقت واحسنت واللہ یحب المحسنین وقال وقالت امی قال ابی یا اُمّ فروۃ انّی لا ادعوا اللہ لمذنبی شیعتنا فی الیوم واللّیلۃ الف مرّۃ لانا نحن فیما ینوبنا من الرزایا نصبر علی ما نعلم من الصّواب وھم یصبرون علیٰ ما یعلمون۔

میری ماں مومنہ پرہیزگار نیکوکار تھیں۔ اور خداوند عالم نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔ میرے پدر بزرگوار اُنکو دوست رکھتے تھے اور فرماتے تھے اے اُمِ فروہ ہمارے شیعوں کو جو مصائب پیش آتے ہیں وہ انکی ثواب سے واقف نہیں۔ لہذا وہ مصائب اُنکو سخت ناگوار معلوم ہوتے ہیں ہم انکی جزا سے خوب واقف

[1] کتاب باقی باب المولد۔ مطبوعۂ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۲ [2] ینابیع المودۃ مطبوعۂ بمبئی ۱۲

ہیں اور اے اُمّ فروہ میں اپنے شیعوں کے لیے شب و روز تین ہزار مرتبہ دعا کرتا ہوں۔
احکام شرعیہ میں کامل دستگاہ رکھتی تھیں ایک بار خانۂ کعبہ میں حج کے مناسکات ادا فرما رہی تھیں۔
اُس وقت کسی خاص مصلحت سے ایک ایسی ردا اوڑھے ہوئے تھیں جس میں آپکی شناخت نہ ہو سکے جب حجراسود
کے پاس پہنچیں تو اُسے لئے ہاتھ سے رسم استیلا ادا فرمایا۔ ایک شخص نے بڑھ کے ٹوکا کہ یہ خلاف سنّت ہے
آپ نے اس کے جواب میں نہایت متانت سے جواب دیا انا الاغنیاء من عما علمک ہمکو تمہارے
علم کی ضرورت نہیں ہے۔
اس خاتون معظمہ کی قابلیت اور جامعیّت کے ثبوت میں جناب امام محمد باقر علیہ السّلام کی صحبت کا
شرف صرف کافی ہے اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ جس مخدرۂ عُلیا کو یہ سعادت حاصل ہو کہ وہ امام محمد باقر علیہ السّلام
کے ایسے مقدّس بزرگوار کی خدمت میں ہردم و ہر لحظہ حاضر رہی ہو اور آپ کی زبان مبارک سے ہر روز
احکام الٰہی اور کلام رسالت پناہی کی تفصیل و تشریح کامل طور سے سُن چکی ہو تو پھر اُس کی تحقیقات اور
معلومات کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ولادت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ۱۷ ربیع الاوّل روز دوشنبہ ۸۳ھ ہجری کو مدینۂ منوّرہ
میں پیدا ہوئے۔ علمائے اہلسنّت نے سنہ ولادت میں اختلاف کیا ہے اور ۸۰ھ کو سنہ
بتلایا ہے۔ مگر اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ آپ کی ولادت عبدالملک ابن مروان کے
ایّام حکومت میں واقع ہوئی۔
یہ زمانہ مروانیوں کے پورے عروج کا تھا۔ چونکہ ہم کو آپ کے حالات کے ساتھ آپکے زمانہ کی رفتار و
کردار بھی دکھلانا نہایت ضروری ہے اس لیے ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو اُس زمانہ کے حالات
دکھلا کر یہ بتلائے دیتے ہیں کہ اس پُرآشوبی کے زمانہ میں خدا پرستی۔ نیک نفسی۔ سلامت روی
اور صلاحیت اُٹھکر عام طور سے چاروں طرف فتنہ و فساد اور ضلالت و ارتداد کے سر بفلک طوفان
اُٹھ رہے تھے۔ اور افسوس! اُس مُلک میں جس میں شریعت کی حکمرانی کا جھوٹا دعوٰے کیا جاتا تھا کیسی
اور کتنی شریعت کے احکام سے لاپروائی اور خلاف ورزی برتی جاتی تھی۔
یزید ابن معاویہ قاتل امام حسین علیہ السّلام کے بعد بلادِ اسلامی کی عنان حکومت اُسکے خاندان سے
نکل کر جس طرح مروان الحکم کے ہاتھ لگی اُسکا حال سب کو معلوم ہے۔ مروان کے مرنے پر عبدالملک
تخت خلافت پر بیٹھا۔ اور بڑی بڑی کشمکش کے بعد انکو اطمینان ہوا۔ خلافت کی رعایت سے خلیفہ تو ضرور ہی
تھے۔ خانۂ کعبہ میں عبداللہ ابن زبیر کو قتل کرکے امام برحق اور یکے از ائمہ اثنا عشری بھی ہو گئے[1]

[1] شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری۔ امام سیوطی تاریخ الخلفا ۱۲

عبدالملک کی سلطنت

سنہ ہجری میں عبدالملک خلیفہ ہوا۔ ادھر وہ تخت پر بیٹھا ادھر اُس کے دست یمین حجاج نے کوہ ابوقبیس پہ منجنیقیں لگا کر خانۂ خدا کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور حرم محترم میں اس قدر آگ اور پتھر برسائے کہ یزید اور مسلم ابن عقبہ کے مظالم بھی اس کے آگے ہوا ہو گئے۔ پھر جس بیرحمی۔ ذلت اور رسوائی سے حضرت صدیقہ کے چہیتے بھانجے اور جناب صدیق کے پیارے نواسے کو قتل کیا اور اُن کے مُردے کو سولی دی وہ تمام تاریخوں میں بالتفصیل درج ہے۔

یہ تو مکہ کی حالت تھی۔ اب ان کے زمانہ میں مدینہ کی کیا کیفیت ہوئی؟ جب عبدالملک کا لشکر مکہ سے ابن زبیر کا خاتمہ کرتا ہوا مدینہ میں آیا تو بلا امتیاز صحابہ۔ تمام صحابہ۔ مہاجرین و انصار اور تابعین ایک ہی طرح کے شکنجۂ مظالم اور شقاوت کے نیچے دبائے گئے۔ اُن میں سے اکثر تو قتل کیے گئے اور اکثر دائم الحبس کی سزا کو پہنچائے گئے۔ جو سخت جان تھے وہ بچ گئے۔ مگر انکو اتنے کوڑے لگائے گئے کہ اگر وہ غریب جان سے نہیں مرے تو زندہ درگور سے بھی کئی درجے بدتر ہو گئے۔ اور مدتوں بستروں پر پڑے خون تھوکا کیے۔ انس ابن مالک صحابی بھی ان مظالم سے مستثنےٰ نہ ہو سکے۔ شرف صحابیت کی رعایت سے نہیں بلکہ کبرسنی اور کہولیت کے لحاظ سے انکی اور انکے ہمراہیوں کی گردنوں پر غلامی کے داغ دیکر چھوڑ دیا۔[1]

مگر اتنے مظالم کی موجودگی میں جو بالکل اُسی کے حکم اور ایما سے عمل میں لائے گئے عبدالملک خلیفۂ برحق بھی ہی اور امام مطلق بھی۔ وہ امیر المومنین بھی ہے اور رسولؐ کا جانشین بھی۔ اِنَّ هٰذَا الشَّیْءٌ عُجَابٌ۔

اب انکی خلافت کی بدعنوانیوں سے قطع نظر کی۔ جس سے ہمارے مدعائے تالیف کو بہت کم علاقہ ہے۔ آج ہم اُنکے ذاتی صفات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو تمام معتبر اور مستند اسلامی تاریخوں میں مندرج ہیں۔

جب عبدالملک خلیفہ ہو گئے تو امرا پرستی کے اصول پر انکے محامد و اوصاف کے اشتہار عام اس سے کہ وہ موضوع اور مصنوع ہی کیوں نہ ہو۔ تمام ممالک محروسہ میں خاص طور پر مشتہر کر دیے گئے۔ اسی ضرورت سے عبدالملک کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مرد صالح۔ دیندار اور پابند شریعت تھا۔ اپنے زمانہ کا بہت بڑا عالم اور فقیہ بھی تھا۔ چنانچہ صاحب روضۃ الصفا بذیل تذکرۂ عبدالملک لکھتے ہیں۔

"عبدالملک مرد عاقل و حازم بود و ادیب و لبیب۔ ابوالزیاد گوید کہ فقہائے مدینہ چہار کس بودند سعید ابن مسیب۔ عروہ ابن زبیر۔ قبیصہ ابن ادیب و عبدالملک ابن مروان۔ و از شعبی نقل می کنند کہ گفت من باہر کسے کہ مباحثہ کردم خود را بروئے راجح یافتم۔ مگر بر عبدالملک ابن مروان"۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خلیفہ صاحب اوصاف بالا سے موصوف تھے اور علم کلام اور فقہ میں مشہور

---

[1] ابن اثیر۔ روضۃ الصفا۔ طبری فارسی ۱۲

ومعروف۔ مگر جب ان حالات کے ساتھ ہم ان کے دوسرے واقعات پر نظر ڈالتے ہیں تو بیماری با...
ہوا خواہان دولت کی مصنوعی جوڑ بندیوں کے سوا اور کچھ ثابت نہیں ہوتیں۔ شریعت اسلامی میں علم...
ہو یا کلام علم اصول ہو یا فروع۔ تمام علوم اور جمیع احکام کا انحصار معرفت خدا کے ادراک پر موقوف...
خیر خواہان دولت نے بیرونی اوصاف سے عوام میں اُنکے بدنما مجسمہ کو کسی نہ کسی طرح زیبا کر دکھلایا...
وہ اُس کے اندرونی مفاسد کا کیا علاج کر سکتے تھے۔ اور اُس کے بگڑے ہوئے اصول کو کیسے بنا سکے...

اُسی روضۃ الصفا میں عبد الملک کی نسبت یہ بھی تحریر ہے کہ

"او نخستیں کسے بود کہ از امر معروف نہی می کرد"[۱]

جو شخص دنیا کو امر معروف سے منع کرے اُس کے علم الفقہ کا کیا ٹھکانا۔ یہی تو خلیفہ وقت تھے اور یہی وصی...
جو معروف کو منکر اور منکر کو معروف بتلاتے تھے۔ اب انکے خشوع وخضوع فی اللہ کی کیفیت بھی ملاحظہ ہو...
ان کا صالح اور دیندار ہونے کا حال بھی معلوم ہو جائیگا۔

سنہ ہجری میں جب ابن زبیر کا خاتمہ ہو چکا تو عبد الملک حجاز میں اپنی سلطنت وحکومت کے اعلان کے...
آئے اور مسجد میں ذیل کا خطبہ پڑھا۔ جس کے مضمون یہ تھے۔

ایہا الناس! میں خلیفہ مستضعف (عثمان) نہیں ہوں اور نہ خلیفہ مداہن (عمر) اور نہ خلیفہ سخیف ا...
(یزید) ہوں۔ ہمارے پاس ہر بات کا علاج تلوار ہے۔ تم لوگ ہم کو تو مہاجرین وانصار کے ایسا کام کرنے...
تکلیف دیتے ہو اور خود ویسے کام نہیں کرتے۔ خدا کی قسم آج کے بعد سے جو کوئی مجھے تقوائے اور پرہیز...
کے لیے کہیگا میں اُس کی گردن اُڑا دونگا۔[۲]

صاحب روضۃ الصفا بھی اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

"بعد از قتل ابن زبیر چوں بمدینہ درآمد۔ بر بالائے منبر رفتہ گفت الا یأمرنی بتقوی
اللہ بعد مقامی ھذا الا ضربت عنقہ"[۳]

عبد الملک کے دل میں جس قدر معرفت الٰہی کا احساس اور خوف خدا کا اثر تھا وہ اُنکے عالمگیری حکم سے ظاہر...
سیرت خلفائے راشدین اور صحابہ انصار ومہاجرین کی تقلید کا بھی جیسا کچھ سلیقہ اور ادعا تھا وہ بھی معلوم ہو گ...
غرور سلطنت نے تخت شاہی پر بیٹھتے ہی ان میں وہ تمکنت پیدا کر دی کہ خدا کے بتائے ہوئے اصول پر چلنے...
اُس کے قہر وعذاب سے ڈرنے کے لیے قطعی انکار کر دیا اور پھر اس زوروں میں کہ اگر کوئی اسلام کا...
ہمدرد داوران کا بچا ہی خواہ بھی اپنی غایت شفقت اور ہمدردی سے خوف خدا اختیار کر...

---

[۱] روضۃ الصفا صفحہ ۱۲۵ [۲] کاشف الحقائق صفحہ ۳۰ [۳] روضۃ الصفا جلد سوم صفحہ ۱۲۵

نوٹ۔ دیکھو انجیل متی میں ہر دوس کے وہ احکام جو اُس نے مسیح علیہ السلام کے مصر سے بارِ دگر
بیت المقدس مراجعت فرمانے کے وقت تمام ملک میں نافذ کیے تھے ۱۲ اولاد حیدر

کے لیے انہیں نصیحت کریگا تو اُس کی دلسوزی کا جواب زبان شمشیر سے دیا جائیگا اور وہ قتل کیا جائیگا۔
کیا اچھی خدا ترسی ہے اور کیسے اچھے اخلاق۔ تاریخ جاننے والے کھُل کھُل کر کہدیں گے کہ یہ امور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ اور ممالک اسلامی کے فرمانروا کے شعار تو معلوم نہیں ہوتے بلکہ یہ روش اور یہ طریقہ امم سابقہ کے سلاطین جبابرہ کا معلوم ہوتا ہے۔ جو نہ خدا کے قائل تھے اور نہ انبیائے مرسلین پر ایمان لائے تھے۔ بلکہ اپنے معاصر انبیاء کی موعظت اور ہدایت کی خبر پاکر عموماً ایسا ہی حکم عام دیا کرتے تھے کہ جو شخص میرے سامنے یا میری مملکت میں خدا کا نام لیگا یا مجھ کو یا میری رعایا کو خدا کی متابعت اور بندگی اختیار کرنے کے لیے اُس کے خوف سے ڈرائیگا وہ قتل کیا جائیگا۔
تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ یزید ابن معاویہ نے جب عبداللہ ابن زبیر کی مہم پر اپنے زمانہ میں اپنا لشکر مسلم ابن عقبہ کی ماتحتی میں بھیجا تو اُسے دیکھکر عبدالملک کہنے لگے کہ خدا کی پناہ۔ یہ لشکر حرم خدا پر جاتا ہے کہ پسر زبیر سے جو ایسا ایسا ہے جنگ کرے۔ مگر اپنے عہد میں انہی کے حکم سے حجاج کے ساتھ لشکر پر لشکر مکہ پر چڑھائے گئے اور وہی ابن زبیر قتل بھی کیے گئے اور سولی بھی چڑھائے گئے مگر عبدالملک کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔
سلطنت کا غرور اور دولت کا نشہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ انسان کو انانیت کے سوا اور کچھ نہیں کھلائی دیتا حقیقت امر یہ ہے کہ عبدالملک نے یہ کلام اُس وقت کہا تھا جس وقت تک یزید کے ایسا ان کو بھی دنیا کی شاہی کا لطف نہیں ملا تھا۔ مگر کچھ آگے چل کر جب یزید کی طرح ان کے مُنہ بھی خون لگ گیا تو یہ بھی اُسکے مقلد ہو گئے۔ یزید کی فوج کشی دیکھکر تو خوف خدا کا احساس ہوا مگر جب اُسی مقام پر اپنی فوجکشی کا وقت پہنچا تو وہ خوف خدا۔ ادب خانۂ حرم اور رعایت خون مسلمین سب رخصت۔ اس سے بڑھکر انکی خودغرضی نفسانیت اور قساوت قلبی کے اور کیا ثبوت ہونگے۔
عمر ابن سعید کے مخفی قتل کیے جانے کا واقعہ بھی عبدالملک کے حسن اخلاق اور وعدہ وفائی کا ایک اعلےٰ نمونہ ہے۔ بعض مورخین نے تو صاف صاف لفظوں میں لکھدیا کہ خلفاء میں سب سے پہلے جس نے غدر اختیار کیا وہ عبدالملک تھا[1]۔ جیسا کہ عمر ابن سعید کے ساتھ ان کے مخاصمانہ سلوک سے پورے طور پر ثابت ہے۔ عمر ابن سعید کی پُردرد داستان کا خلاصہ یہ ہے کہ عمر ابن سعید اراکین شام میں بہت بڑے تجربہ کار اور ذی وجاہت اور صاحب اختیار تھے۔ معاویہ کے وقت سے لیکر ایام موجودہ تک تمام کاروبار مُلکی میں دخیل چلے آتے تھے۔ یزید کے مرنے کے بعد جب سلطنت شام کے ہزاروں امیدوار نکل پڑے تو اُن میں ایک یہ بھی تھے۔ آخرکار ان میں اور مروان کے درمیان یہ صلاح ٹھیری کہ عمر مروان کے کاموں میں کوئی دست اندازی نہ کرے اور مروان کے حصول سلطنت کے بعد عمر ابن سعید کو اپنا

[1] روضۃ الصفا ۱۲

ولیعہد مقرر کردے اور مروان کے بعد عمر ابن سعید خلیفہ ہوں۔ مگر جب مروان کے بعد معاملہ گرگوں
تو عمر نے عبدالملک کے مقابلہ میں تو اپنی پوری مستعدی اور آمادگی دکھلائی۔ آخر میں عبدالملک سے
مصالحہ ہوا اور یہ قرار پایا کہ دونوں شخص استحکام سلطنت کے متعلق ایک دوسرے کے معین و مددگار رہیں
اور پورے تسلط ہونے کے بعد بلاد اسلامیہ کو نصفا نصف بانٹ لیں۔

یہ امر طے ہو گیا۔ فریقین میں صلح ہو گئی۔ اور ایک دوسرے کا رفیق اور معین بن گیا جب عبدالملک کی
سلطنت قوی ہو گئی اور اس کے انتظام میں استحکام آ گیا تو عبدالملک کو ان کے ہٹانے کی فکر دامنگیر
ہوئی۔ آخر عمر ابن سعید کو ایک دن کسی مہم ملکی میں مشورہ لینے کے بہانے سے خلوت میں بلایا اور پابہ زنجیر
کرکے اپنے بھائی عبدالعزیز کے سپرد کیا اور قید کا حکم دیکر نماز میں مشغول ہو گیا۔ کیا اچھی نماز تھی۔

یحییٰ ابن سعید کو جب بھائی کی گرفتاری کی خبر ملی تو وہ اپنی جمعیت کے ساتھ عبدالملک کے دارالامارہ
کے دروازے پر جمع ہو گئے اور اپنے رئیس کو طلب کرنے لگے۔ عبدالملک نے اُن سے کہا کہ میں تمہارے
رئیس کو اندر جاکر بھیجے دیتا ہوں۔ وہ سب انتظار میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ وہاں عبدالملک نے
اندر جاکر عمر ابن سعید کا خاتمہ کر ڈالا۔[1]

عروہ ابن زبیر کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آنے والا تھا۔ مگر کسی نہ کسی طرح اُسکی جان بچ گئی۔ کیفیت
یوں ہے کہ جب عبداللہ ابن زبیر قتل ہو چکے تو عروہ یہ سوچکر کہ حجاج کی مردم آزاری اور خونخواری سے جان
ناممکن ہے اپنے آپ عبدالملک کے پاس حاضر ہو گیا۔ عبدالملک بھی اُس وقت اُس کی مایوسی دیکھ
اُس کے ساتھ کوئی تعرض نہ کر سکا۔ مگر دو چار دن کے بعد حجاج نے عروہ کے فرار ہونیکی خبر پاکر عبدالملک
کو لکھ بھیجا کہ عروہ عبداللہ ابن زبیر کا سب مال و دولت لیکر چلتا ہوا ہے۔ آپ اُسکو ہمارے پاس بھیجدیں
کہ اس سے رقم کثیر جس کو ابن زبیر نے جمع کیا تھا ہاتھ لگے۔ عبدالملک نے حجاج کا یہ تاکیدی خط پاکر
کے گرفتار کیے جانے اور مکہ بھیجدیے جانے کا حکم صادر دیدیا۔ عروہ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ
جان سے ہاتھ دھو کر اُسی وقت عبدالملک کے دربار عام میں پہنچا اور خلیفہ کو مخاطب کرکے برسر عام
بنی مروان ماذل من قتلتموه ولکن ذل من ملکتموه۔ یعنی اے آل مروان جو شخص تمہارے
ہاتھوں سے قتل ہو وہ ہرگز ذلیل وخوار نہیں ہوا بلکہ وہ شخص جس نے اپنا اختیار تمہیں دیدیا اور تمہاری
اطاعت اختیار کی وہ حقیقت میں ہمیشہ کے لیے رسوا بھی ہوا اور شرمسار بھی

عبدالملک نے عروہ کے کلام سُنکر اپنا حکم واپس لے لیا اور اسکی معافی کر دی[2]

اس سے بڑھکر بد عہدی اور کیا ہوگی۔ صاحب روضۃ الصفا تاریخ ذہبی کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ۔
"اول کسیکہ نہی کرد مردم را از تکلم کردن پیش خلفا۔ او بود۔ چہ قبل از ہر کہ خواستے در مجلس خلفا گفتے[3]

---

[1] روضۃ الصفا صفحہ ۱۲۵ [2] روضۃ الصفا صفحہ ۱۱۵ [3] روضۃ الصفا صفحہ ۱۱۹

اُس خودداری اور خودنمائی کے موجد بھی یہی نکلے۔ نہیں تو بقول فاضل مورخ اسلام کے سادہ مزاج خلفا، سے ابتدا اپنے عرض حال کرنے کے لیے عام طور سے ہر شخص بذات خاص مجاز تھا۔ عبد الملک کی تمکنت شاہی بھی اس خودداری اور خودنمائی کی موجد نکلی۔ نہیں تو بقول فاضل مورخ انسے پہلے خلفا، اسلام کے یہ دستور اور شعار نہیں تھے۔ عبد الملک نے یہ حکم عام دیکر مستغیثوں کی آمد و شد اور اُن کے عرض حال کرنے کے دروازے بند کر دیے۔ اس انوکھے حکم سے جو تکلیفیں رعایا کو پہنچی ہونگی وہ میرے بیان کی محتاج نہیں۔

عبد الملک تمام عرب میں حد درجہ کا ممسک۔ تنگدل اور بخیل مشہور تھا اس وجہ سے لوگ اس کو رشح الحجارہ کہتے تھے۔ بعض مورخین نے اسکی کنیت ابو الذبان لکھی ہے۔ اور اسکی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ وہ سخت گندہ دہن تھا۔ اکثر مورخین کا یہ قول ہے کہ جس وقت اسکو سلطنت ملی تو قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔ یہ خبر سُنتے ہی قرآن کو تہ کر کے کہنے لگا۔ تیرے ساتھ یہ میرا آخری عہد تھا۔

مورخ ابو الفدا بھی عبد الملک کے ان حالات کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسکے مُنہ سے بدبو آتی تھی اس واسطے ابو الذبان کہتے تھے۔ اور اسکے بخل کے باعث اسی رشح الحجارہ کہتے تھے۔ یہ شخص بہت استوار عاقل فقیہ۔ دیندار اور عالم تھا۔ جب خلیفہ ہوا دنیا نے سب بُھلا دیا۔ رنگ بدل کر کچھ اور ہی ہو گیا۔

عبد الملک کے یہ ذاتی اور صفاتی حالات تھے جن کو پڑھ کر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ کس فطرت کے آدمی تھے۔ جب ایک انسان کی طبیعت میں اتنے مناقص اور معائب ہوں اور وہ اخلاقی کمزوریوں سے بالکل مجبور اور چلنا چور ہو رہا ہو اُس سے تعلیم الہٰی اور تعمیل فرمان رسالت پناہی کی امید رکھنا جو تمام خلفائے اسلام کا پہلا فرض ہے قطعی نادانی ہے۔ سمجھ لینا چاہیے کہ جب بدقسمتی سے ممالک اسلامی کے فرمانرواکے یہ مسالک قائم ہوں اور اُس کی دینداری اور شرعی پابندی اس درجہ تک پہنچ گئی ہو کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تمیز نہ رکھتا ہو اور وہ اپنی موجودہ سطوت واقتدار کو ایسا لازوال سمجھنے لگا ہو کہ خدائے قادر و توانا کی قوت سے ڈرنے اور خوف کرنے کی کوئی ضرورت نہ سمجھتا ہو تو پھر ایسے فرمانروا کی ماتحتی میں مُلکی رعایا ایمانداری اور شرعی پابندی کی تعلیم کیا حاصل کر سکتی ہے۔ اور اُس کے عہد میں احکام الٰہیہ اور ضروریات شرعیہ کی کیا وقعت اور کیا حالت ہوگی۔

عبد الملک کے زمانہ سلطنت میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا سن سولہ برس کا ہو چکا تھا اس کی تخت نشینی کے دسویں اور بقولے ساتویں برس آپ پیدا ہوئے۔ اگر دسواں برس لیا جائے تو اسکے وقت میں آپ تیرہ برس کے ہو چکے تھے اور ساتواں برس شمار کیا جائے تو آپکا سن سولہ برس کا ثابت ہو

بہرحال ۔ اس میں شک نہیں ہے کہ عبد الملک ہی کے زمانہ میں آپ کی پیدائش بھی واقع ہوئی اور اُسی کے زمانہ میں آپ کے ایام طفولیت اگر بالکل تمام نہیں ہوئے تھے تو قریب الاختتام تو ضرور پہنچ گئے تھے ۔ اور یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ اپنے والد بزرگوار جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں علوم وافرہ ومتکاثرہ کی تعمیل و تکمیل میں مصروف تھے ۔ اور اس نونہال چمنستان رسالت کی جبین نور آگیں سے آثار ہدایت وسعادت و انوار امامت و ولایت الشمس کا لنصف النہار ظاہر و آشکار تھے ؎

از لوح جبین ارجمندی	می تافت ستارہ بلندی

ولید ابن عبد الملک کی سلطنت

ولید ربیع الاول ۸۶ھ میں تخت نشین ہوا اور جمادی الاول ۹۶ھ میں فوت ہوا ۔ نو برس تک سلطنت کرتا رہا ۔ مولوی شبلی صاحب کے سلسلۂ ہیروز آف اسلام "Heroes of Islam" میں ولید کا نام بھی ہے ۔ ان کی بابت امام ذہبی نے صاف صاف لفظوں میں لکھدیا ہے وکان جبّاراً عنیداً ظلوماً غشوماً ۔ جابر تھا ۔ ظالم تھا ۔ مردم آزار تھا اور ستم شعار تھا ۔ صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ کسی بچہ کا نام ولید رکھتے تھے تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس سے کراہت فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ ولید فرعون کا نام تھا ۔ اور علامہ ابن خلکان اور امام سیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ خلیفہ عمر ابن عبد العزیز کہا کرتے تھے کہ ولید شام میں ۔ حجاج عراق میں ۔ عثمان ابن حارہ حجاز میں اور قرہ ابن شریک مصر میں فرما نروا ہیں ۔ خداوندا! جہان ظلم سے بالکل بھر گیا ۔

تاریخ الخلفاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ ولید علم نحو سے بالکل کورا تھا ۔ باپ کی تجویز سے نحویوں کو جمع کرکے ایک علٰحدہ مکان میں نحو پڑھنے کے لیے بٹھلایا گیا ۔ چھ مہینہ تک پڑھتا رہا ۔ مگر نکلا تو پہلے سے بھی زیادہ جاہل تھا ع تربیت نااہل راچوں گردگاں بر گنبد است ۔

مورخ ابو الفدا نے ولید کے غلط عربی بولنے کے متعلق ایک دلچسپ حکایت لکھی ہے جو ذیل میں درج کیجاتی ہے ۔

"ایک اعرابی نے دربار خلافت میں اپنے داماد پر نالش کی ۔ ولید نے پوچھا مَاشَانَکَ ولید کا اصلی مقصد یہ تھا کہ اُس سے پوچھے کہ تیرا کیا حال ہے ۔ مگر چونکہ بہ فتح نون کہا تھا اسلیے اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ "تجھ میں کیا برائی یا عیب ہے ؟"

اعرابی متعجب ہوکر کہنے لگا اعوذ باللہ من الشین میں خدا سے برائی یا عیب سے پناہ مانگتا ہوں سلیمان

ابن عبد الملک نے مرد عرب کو سمجھایا کہ امیر المومنین کہتے ہیں مَا شَانُکَ تیرا کیا حال ہے؟ یہ سُنکر اُسنے جواب دیا کہ میرے ختن (داماد) نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ ولید نے پوچھا مَنْ خَتَنَکَ بفتح نون یعنی کس نے تیرا ختنہ کیا ہے؟ اب تو اُس مرد اعرابی کو بھی امیر صاحب کی عربی دانی پر بیساختہ ہنسی آگئی اور وہ آداب خلافت سے تبسم زیر لب کر کے کہنے لگا کہ ایک حجام نے میرا ختنہ کیا ہے سلیمان غریب نے خلیفہ کی غلط تقریر کو درست کر کے پھر اُس عرب سے پوچھا کہ مَا خِتْنُکَ تیرا داماد کون ہے؟ تب مستغیث نے اپنے مدعا علیہ کی طرف اشارہ کر کے بتلایا کہ یہ شخص میرا داماد ہی۔
اسکے ایسے بہت سے واقعات اسلامی تاریخوں میں پائے جاتے ہیں جو خارج از بحث اور طوالت کا باعث ہونے کے سبب سے قلم انداز کیے جاتے ہیں۔ مگر افسوس ایسے جاہل اور بے مایہ لوگ شریعت کے محافظ۔ خلافت کے زمانروا اور عامۂ امت کے مقتدا اور پیشوا تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اور احکام الٰہی اور شرع رسالت پناہی کے حامی۔ ناصر اور معلم سمجھے جاتے ہیں۔ اور اہل اسلام کی ہدایت عامہ و ارشادِ تامہ ان کی معلومات کے سپرد کی جاتی ہے ؎

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلّا کار طفلاں تمام خواہد شد

ظالم حجاج نے ولید ہی کے ابتدائے ایام سلطنت میں سعید ابن جُبیرؓ سے عظیم المراتب بزرگ کو صفہان سے بلاکر صرف محبت اہلبیت کے قصور پر قتل کیا۔ اور ولید سے کچھ نہ کہا گیا۔ یہ اگر کوئی مصلحت مُلکی نہیں تھی تو خطائے اجتہادی تو ضرور ہوگی۔ ولید نے آخر زمانہ میں اپنے بیٹے یزید کی ولیعہدی کے لیے بڑے زور لگائے مگر چونکہ عبد الملک اپنے زمانہ ہی میں اس امر کا تصفیہ کر گیا تھا کہ میرے بعد ولید اور ولید کے بعد اُس کا بھائی سلیمان تخت نشین ہو اس لیے ولید کی کچھ نہ چلی۔ ولید کی اس مجنونانہ کوششوں سے بنی امیہ میں خانہ جنگی شروع ہو چلی تھی اور انکے ابتدائی عروج کے وقت سے لیکر اس وقت تک ان لوگوں میں یہ نقص پیدا نہیں ہوا تھا۔ اسکی شروع اور ابتدا ولید ہی کے زمانہ میں ہوئی۔ سلیمان کے ولیعہد کر دینے سے اس خانہ جنگی کی اصلاح ہو گئی۔ ورنہ بنی امیہ کے عروج و اقتدار میں بہت بڑی گزند پہنچتی۔
ولید کے زمانہ میں چونکہ بنی امیہ زیادہ تر مُلکی کاروبار اور اپنی موجودہ خانہ جنگی کے فکر و اذکار میں پھنسے رہے اس لیے اُنہوں نے مخالفت اہلبیت میں کوئی نئی ایجاد نہیں کی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ولید کے زمانہ میں اپنے پورے شباب پر پہنچ گئے تھے۔ اور اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر رہکر طالبان حق کو راہ ہدایت دکھلانے اور سالکان راہ ایمان کو احکام شریعت بتلانے کے مناصب و مدارج پر پورے طور سے فائز ہو چکے تھے۔

سلیمان ابن عبد الملک کی سلطنت

جمادی الثانی سنہ ۹۶ ہجری میں تخت نشین ہوا اور ڈھائی برس سلطنت کر کے سنہ ۹۹ ہجری میں مر گیا۔
یہ شخص بڑا کھاؤ اور بسیار پیٹو تھا۔ اس نے ایک بیٹھک میں ستر انار۔ چند برے (بچّہ گوسفند) چھ مرغیاں
ڈیڑھ صاع طائف کی کشمش چٹ کی تھی۔
ابن الحدید معتزلی نے بھی ایسی ہی حکایت اس کے متعلق لکھی ہے جسے دیکھکر حیرت سی ہوتی ہے کہ
یہ آدمی تھا یا جن۔ اُن کا بیان ہے کہ سلیمان ایک مرتبہ بیس برے (بچّہ گوسفند یا آہو) اسّی ڈبل
کے ساتھ کھا گیا۔ اور پھر حسب معمول لوگوں کے ساتھ اپنے وقت پر روزانہ دستور کے مطابق کھانا
بھی کھایا۔
طائف کے ایک باغ میں مقیم تھا۔ ایک بکرا، پانچ مرغیاں اور ستّو کا ایک بڑا پیالہ بھر کر اُسکے سامنے
رکھا گیا۔ یہ بندہ خدا سب چڑھا گیا۔ پھر باورچی سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ آج تو نے کیا پکایا ہے؟ اُسنے
کہا کہ کچھ اوپر اسّی دیگچیاں انواع واقسام کے کھانوں کی تیار ہیں۔ یہ سُنکر سلیمان اُن میں ایک ایک
کو منگانے لگا اور سب میں سے ایک ایک دو دو لقمے لے کر سب کا مزہ چکھنے لگا۔ پھر اس کے بعد
حسب المعمول۔ دستر خوان بچھایا گیا۔ سب کے ساتھ بیٹھکر سلیمان نے اس خواہش اور چاٹ سے پوری
طرح سیر ہو کر کھانا کھایا گویا پہلے کچھ کھایا ہی نہیں تھا۔
مؤرخ ابو الفدا اور ابن الحدید کا قول ہے کہ سلیمان کی موت بھی اسی زیادہ خوری کے باعث ہوئی
وہ اس طرح کہ ایک نصرانی خلافت سے پہلے اس کا دوست تھا۔ ایک روز وہ آیا تو سلیمان اُس سے
کہنے لگا کہ تو ولید کے زمانہ میں ہم کو طرح طرح کے کھانے کھلایا کرتا تھا۔ اب اُس طرح کی مہمانی
اور مہربانی نہیں کرتا۔ کیا باعث ہے؟ وہ مرد نصرانی یہ سُنکر دو بھری ہوئی بڑی بڑی زنبیلیں
ایک میں اُبلے ہوئے انڈے۔ دوسری میں انجیر اُس کے پاس لیکر گیا۔ اور ایک انڈا چھیل کر
اور ایک دانۂ انجیر شامل کر کے دیتا اور سلیمان اُس کو کھا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں بھری ہوئی
زنبیلیں صاف ہو گئیں اور اُن میں چھلکے تک باقی نہ رہے۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے سخت تخمہ ہوا
اور وہ اُسی میں فوت ہوا۔
صاحب روضۃ الصفا نے بھی اس کی زیادہ خوری کی ایک مزیدار نقل تحریر فرمائی ہے۔ لذّت
ناظرین کی غرض سے ذیل میں مندرج کیجاتی ہے۔
سلیمان کے کھانے میں اکثر مُرغ بریاں گرم گرم مطبخ سے لایا جاتا تھا۔ چونکہ وہ اتنا گرم ہوتا تھا کہ اُسکا ہاتھ
سے اُٹھانا دشوار تھا اور سلیمان میں اتنا تحمل کہاں کہ اُس کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کریں۔ یہ اُس

مُرغ بریاں کو اُسی حالت میں اپنی لمبی آستینوں سے تھامکر کھانے لگتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اُنکے کُرتے کی آستینیں ہمیشہ شوربے سے تر اور کثیف رہا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس کی تصدیق اُس واقعہ سے پورے طور پر ہوتی ہے کہ امام عاصی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید کی صحبت میں سلاطین اموی کا ذکر نکلا۔ جب سلیمان کا نمبر پہنچا تو میں نے کہا کہ وہ تو گرما گرم مرغ اپنے کُرتے کی آستینوں سے پکڑ کر کھایا کرتے تھے۔ یہ سُنکر ہارون نے کہا کہ سچ ہے۔ تم بنی امیہ کا ذرّہ ذرّہ حال جانتے ہو۔ واقعی ایسا ہی ہے جیسا تم نے بیان کیا۔ جب میرے پاس ملوک بنی امیہ کے وہ مال اور اسباب جو اہل لشکر غنیمت میں لائے تھے پیش کیے گئے تو اُس میں سلیمان کے کُرتے بھی تھے۔ میں نے اُنکے کُرتے کی آستینوں کو ایسا ہی غلیظ میلی اور آلودہ پایا جیسا تم نے ابھی ابھی کہا۔ چونکہ مجھ کو اس وقت تک حقیقت حال معلوم نہیں تھی اس لیے مجھے تعجب تھا کہ اس کے لباس میں خاصکر آستینوں کے خراب اور غلیظ رہنے کی کیا وجہ ہے مگر اب تم نے اسکی اصل وجہ بتلاکے میری تشفی کر دی۔

یہ کہکر ہارون رشید نے اُن کُرتوں کو منگایا۔ دیکھا تو وہ ویسے ہی تھے جیسے اوپر بیان کیے گئے۔ انکی زیادہ خوری کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ سونے کے وقت بھی انکے سرہانے کھانے سے بھرے ہوئے خوان رکھدیے جاتے تھے۔ رات بھر میں جتنے بار ان کی آنکھ کھُلتی تھی یہ اُس میں سے نکال نکال کر کھالیا کرتے تھے۔ ان کے روزانہ کھانے کا وزن سو رطل عراقی تک بتلایا گیا ہے۔ انکے زمانۂ سلطنت میں اہل عرب نے سوائے کھانا کھانے اور پکانے کے اور کچھ عمل نہیں کیا۔

مؤرخ ابوالفدا انکی نسبت ان تمام واقعات کی تصدیق اپنی تاریخ میں کرتے ہوئے اتنا اضافہ اور فرماتے ہیں کہ سلیمان نے تمام مخنثوں کو جو مدینہ میں رہتے تھے حکم دیا کہ سب کو خصّی کرادو۔ چنانچہ انکے عامل مدینہ ابوبکر ابن عمرالانصاری نے تمام مدینہ کے مخنثوں کو پکڑ کے خصّی کرادیا۔ غرض یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے عرب میں ہیجڑے بنانے کی ایجاد قائم کی اور یہ امر اُسی کی اوّلیت میں آج تک شمار کیا جاتا ہے۔ سلیمان نے ابوہاشم۔ حضرت محمد حنفیہ کے پوتے کو زہر دلواکر شہید کیا جس کی پوری کیفیت ہم عباسیوں کے آغاز احوال میں تفصیل سے درج کریں گے۔

عمر ابن عبدالعزیز کی سلطنت کا زمانہ

سنہ ۹۹ ہجری میں عمر ابن عبدالعزیز تخت نشین ہوا اور سنہ ۱۰۱ ہجری میں فوت ہوا۔ اس کے ایام سلطنت ۲ برس اور پانچ مہینے ہوتے ہیں۔ خدا کے بیشمار مصالح میں جسکا علم سوائے اُسکے کسی اور کو نہیں ہوتا ایک یہ امر بھی تھا کہ اُس قادر مطلق نے بنی امیہ کے بدنام سلسلہ میں اُس نیکنام خلیفہ کو خلق فرمایا جو اپنے ذاتی محاسن کی وجہ سے اپنے تمام اسلاف کا سرمایۂ ناز اور باعث اعزاز ثابت ہوا۔ ہمارے

فاضل معاصر صاحب کاشف الحقائق تحریر فرماتے ہیں۔

عمر ابن عبد العزیز کو الاعور بین العمیان (اندھوں میں کانا راجہ) کہا جاتا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک نظر با وصاف حمیدہ جو عمر میں تھے۔ وہ اس سے زیادہ مدح کا مستحق ہے۔ بلکہ اگر اس میں صرف یہی ایک وصف ہوتا کہ سب و شتم جناب مولانا امیر المومنین علیہ السلام کو جو بنی امیہ نے چار دانگ عالم میں پھیلا رکھے تھے۔ موقوف کرا دیا۔ تو یہی اس کے لیے کافی تھا۔ اس نے اس سے صرف شیعوں ہی کو روز قیامت تک اپنا زیر بار احسان نہیں بنایا بلکہ خود اپنے لیے بھی ایک معقول توشہ راہ عاقبت کا بہم پہنچایا۔ علامہ سید رضی علیہ الرحمہ اپنے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں۔

یا ابن عبد العزیز لو بکت العین	اے پسر عبد العزیز! ہماری آنکھیں بنی امیہ میں سے
فتی من بنی امیۃ لبکیتک	اگر کسی کے لیے گریاں ہوتیں تو البتہ تجھی پر روتیں۔
غیر انی اقول انک طیب	میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ تم پاک و پاکیزہ ہو ہر چند
وان لم تطب ولم تزک بیتک	تمہارا خاندان اصلاً پاکیزگی نہیں رکھتا۔
انت نزہتنا عن السب والقذف	تو نے ہم کو سب و شتم سے خلاصی کی پاک کیا اگر ہم تیرے
لو امکن الجزآء لجزیتک	بدلہ دینے پر قدرت رکھتے تو البتہ تجھے اسکا بدلہ دیتے۔

اس امر کی تحریک کے باعث جو امور ہوئے اُن کو ہم معتبر تاریخوں کے اسناد سے اس کتاب کی پہلی جلد میں خاص عمر ابن عبد العزیز کی زبانی نقل کر چکے ہیں۔ اُنہی امور میں ایک یہ امر بھی امتناع سبّ علی علیہ السلام کا بہت بڑا باعث ہوا جس کو ہم تاریخ میں ابن اثیر کے اسناد سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

عمر ابن عبد العزیز کی تعلیم سے ایک طبیب یہودی۔ جو مشاہیر اطبا میں داخل ہونے کے علاوہ بہت بڑا ذی وجاہت اور ہر دلعزیز تھا ایک دن دربار خلافت میں حاضر ہو کر عمر ابن عبد العزیز کی لڑکی سے عقد کا خواستگار ہوا اور بکمال آزادی خلیفہ سے اس امر نازک کا مستدعی ہوا۔ عمر ابن عبد العزیز نے نہایت متانت سے سب کے سامنے اُس کو جواب دیا کہ یہ پیوند ہمارے تمہارے کیسے ہو سکتا ہے کہ تم یہود ہو اور ہم مسلمان۔ ہماری تمہاری دینی مخالفت اس دنیاوی مواصلت کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ سنکر اُس یہودی نے کہا کہ پھر کیونکر تمہارے پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی لڑکی علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو دی؟ عمر ابن عبد العزیز نے کہا سبحان اللہ! علیؑ تو عظمائے امت محمدیہ سے تھے۔ یہودی بولا۔ تعجب ہے کہ ایسے اعظم ترین ملت پر کیوں لعنت کیجاتی ہے؟ یہ سُنکر عمر تمام حاضرین بنی امیہ سے مخاطب ہوا۔ اور کہنے لگا کہ آپ حضرات اب اسکا جواب دیں۔ سب کے سب سر جھکائے خاموش رہے اور اُسی دن سے عمر ابن عبد العزیز نے اس رسم قبیح کو تمام ممالک سے منسوخ کر دیا۔

ہمارے فاضل محقق روضۃ الصفا کے اسناد سے لکھتے ہیں کہ اسکے علاوہ عمر نے ایک اور بڑا کام یہ کیا

کہ علاقۂ فدک کہ خلافت اوّل میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے خالصہ سے نکل کر خلافت کے مقبوضات میں ملالیا گیا تھا۔ اُس نے اولادِ فاطمہؑ کو واپس کیا۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو اسکا متولی بنایا۔ اس پر بھی بنی امیہ نے یہ شور مچایا کہ اس فعل سے شیخین پر تشنیع کی ہے۔ ایسی ہی باتوں سے ان لوگوں نے ناخوش ہوکر اُسے زہر دیدیا۔

تاریخ ابو الفدا میں بھی انکی وفات کا یہی سبب لکھا ہے۔ انکی عبارت یہ ہے کہ "وہ شخص زہر کھا کر مرا۔ باعث اسکا یہ ہوا کہ بنی امیہ نے یہ خیال کیا کہ اگر یہ شخص مدت دراز تک جیتا رہا تو ہمارے ہاتھوں سے خلافت جاتی رہیگی کیونکہ اس کے بعد اس کا ولیعہد وہی ہوگا جو اسی کے ایسا ہوگا۔ اس لیے ان لوگوں نے کچھ بھی دیر نہ کی اور شربت سم آلود پلاکر آخر کار اُس کو مار ہی ڈالا"

یزید ابن ولید کی سلطنت

عمر ابن عبد العزیز ایسا نائق شخص اپنے بعد یزید کے ایسے ناکارہ کو اپنا ولیعہد بنائے تعجب ہے مگر جب تاریخوں سے اس تاریکی پر روشنی ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ عمر ابن عبد العزیز اس معاملہ میں بالکل بے قصور اور مجبور تھا۔ اُس کی خواہش ہرگز یہ نہیں تھی کہ وہ اُس سلطنت کو جسے اُس نے بڑی کوششوں کے ساتھ بدنامی سے نکالنا چاہا ہے پھر وہ یزید کے ایسے بدکردار اور ناستودہ اطوار شخص کے حوالہ کرے۔ چنانچہ اُس کی اس رائے اور ارادے کا ثبوت شوذب بسطامی کے واقعہ سے پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ جس کو روضۃ الصفا کے ترجمہ سے خلاصہ کرکے ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

شوذب بسطامی خوارج کا رئیس تھا۔ حوالی کوفہ میں اُس نے اسی آدمیوں کی قلیل جماعت کے ساتھ خروج کیا۔ عمر ابن عبد العزیز نے مقابلہ سے طرح دیکر خوارج کو مناظرہ کے ذریعہ سے ہدایت فرمانی چاہی۔ شوذب نے اپنے دو تین اصحاب مخصوصین کو مناظرہ و مباحثہ کی غرض سے عمر ابن عبد العزیز کے پاس بھیجدیا۔ ان میں سے ایک کا نام لشکری تھا۔ غرض ان لوگوں سے اور عمر سے خوب خوب مناظرے اور مباحثے ہوتے رہے۔ عمر ابن عبد العزیز نے ہر طرح انکو زیر کیا اور اُن سب نے ان کے قول کی تصدیق کی۔ مگر سب سے آخر میں لشکری نے عمر ابن عبد العزیز سے یہ سوال کیا کہ آپ ایسے شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو تمام مسلمانوں کا فرمانروا اور پیشوا ہوا ور کاروبار دنیاوی میں پوری عدالت سے کام کرتا ہو مگر اپنے بعد وہ امر خلافت ایک ایسے نالائق شخص کے سپرد کرے جسے وہ خود ظالم ترین مردم خیال کرتا ہو؟ عمر نے جواب دیا کہ بیشک وہ شخص خاطی اور عاصی ہے۔ یہ سُنکر اُس یہودی نے کہا کہ اب آپ ہی انصاف سے بتلادیں کہ آپ اپنے بعد امر امارت یزید ابن ولید کو سپرد کرنیوالے ہیں یا نہیں حالانکہ

آپ کو پورا علم ہے کہ وہ اس امر کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور اُس کا کوئی فعل نیک اور بہتر نہیں ہے
اُس نے یہ کلام سُنکر عمر ابن عبد العزیز رونے لگے اور کہنے لگے مجھے تین روز کی مہلت دو کہ میں اس امر
پر غور کرونگا۔ چنانچہ خوارج نے تین دن تک عمر کے تصفیہ کا انتظار کیا۔ اس معاملہ کی کیفیت بنی امیہ کو
معلوم ہوئی تو ان لوگوں نے یہ سوچ کر کہ شاید عمر ابن عبد العزیز ولیعہدی کا انتظام ہمارے قبیلہ سے
نکالکر کسی دوسرے قبیلہ کے ساتھ نہ کرے عمر کو ایک خادمہ کے ذریعہ سے زہر دلوا دیا جس سے اُن کی
وفات واقع ہوئی۔ اور وہ تین روز معہودہ گزرنے بھی نہ پائے۔

یزید ابن ولید کو ان چالوں سے سلطنت ملی۔ اب ان کے افعال واطوار کی ذیل میں صاحب کاشف الحقائق
امام سیوطی کے اسناد سے لکھتے ہیں۔

یزید ابن ولید نے عمر ابن عبد العزیز کے بعد اُس کے تمام کام اور قانون اور قاعدے بدل ڈالے.
چالیس بوڑھے ریش دراز بنی امیہ نے اس کے سامنے گواہیاں دیں اور حلف اُٹھائے کہ خلفاء کیلیے نہ کوئی حساب
ہے نہ کتاب۔ نہ عذاب ہے نہ عقاب۔ بس پھر کیا تھا۔ یزید کفر وعصیان کے دریا میں کود پڑا۔ پہلے ایک کنیز
مسماۃ سلامۃ النفس منظور نظر ٹھیری اور تمام کاروبار ملکی اُسی کے سپرد ہوئے۔ پھر تھوڑے دنوں کے
بعد حنانہ اس پر حاوی ہو گئی۔ ڈوم ڈھاڑی دور و دراز ملکوں سے بُلوائے گئے۔ ناچ رنگ کی
صحبتیں گرم ہوئیں۔ ابو حمزہ خارجی کہا کرتا تھا اور ٹھیک کہا کرتا تھا کہ یزید نے دہنے ہاتھ پر حنانہ اور
بائیں ہاتھ پر سلامہ کو بٹھایا اور کہا میں پرواز کرتا ہوں۔ اور واقعی وہ اُڑ بھی گیا۔ مگر کہاں اور کس طرف؟
لعنت خدا اور اُس کے عذاب دردناک کی طرف۔

آخر یہی حنانہ یزید کی جان لینے کی باعث ہوئی۔ یزید اُردن کے مقام پر ایک باغ میں گیا۔ حنانہ
ساتھ تھی۔ لطف صحبت میں ایک نئی قسم کی دل لگی سوجھی۔ انگور کے دانے اُس کی طرف پھینکتا
تو وہ مُنہ میں لے لیتی۔ اتفاقاً ایک دانہ اُس کے حلق میں اٹک گیا۔ حنانہ کی سانس بند ہو گئی۔
اور جان نکل گئی۔ یزید پر اس ناگہانی صدمہ سے کوہ غم ٹوٹ پڑا۔ سات روز تک اپنی پیاری محبوبہ
کی لاش آگے رکھے دیکھتا رہا۔ اس عرصہ میں اُس مُردہ لوتھ سے جماع بھی کیا۔ جب امرا اور خواصوں
نے بہت لعنت ملامت کی تب اُس لاش کا پیچھا چھوڑا۔ مگر یہ صدمہ ایسا نہ تھا کہ اُسے پنپنے دیتا۔ چند روز
بتلائے غم والم رہکر خود بھی دار دنیا سے کوچ کر لیا۔

ہر چند یہ ناپاک اور انسانیت سے گزری ہوئی باتیں عوام کالانعام سے بھی بھدّی اور بدنما معلوم ہوتی ہیں
چہ جائیکہ سلاطین کبار اور خواقین نامدار سے۔ جب دیکھا جاتا ہے کہ ان فواحش کے مرتکب وہ لوگ
تھے جو مذہبی پیشوا۔ نیابت اور جانشینی پیغمبر آخر الزمان صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویدار تھے۔ تو
اُسکی خرابی ایک سے ہزار اور اندک سے بسیار ہو جاتی ہے۔

ہشام ابن عبد الملک کی سلطنت

ہشام ابن عبد الملک ۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ اُس وقت اُس کا سن چالیس برس کا ہُوچکا تھا۔ صاحب کشف الحقائق مروّج الذہب مسعودی کے اسناد سے لکھتے ہیں کہ ہشام احول چشم۔ درشت خو۔ تند مزاج۔ جمع اموال کا حریص اور اس قدر کنجوس تھا کہ پھوٹی کوڑی بھی کسی کو نہ دیتا تھا۔ اُس کے عہد میں ابواب خیر وخیرات بالکل بند ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے اسکا زمانہ سخت ترین ایام گنا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ ایک باغ میں گیا۔ اُن لوگوں نے کچھ پھل توڑ کر کھائے۔ پھر کہا کہ خدا اس باغ کے پھلوں میں برکت دے۔ ہشام نے کہا۔ برکت کس بیں دیگا۔ تمام پھل تو تم کھا گئے۔ پھر باغبان کو بلا کر کہا کہ تمام میوہ دار درخت کاٹ کر پھینکدو اور اُنکی جگہ پر زیتون کے درخت لگاؤ کہ کوئی اُسکا پھل نہ کھا سکے عقال ابن شیبہ کہتا ہے کہ ہشام نے مجھے خراسان بھیجا تو وہ قبائے پوستین پہنے ہوئے تھا۔ وہ توجہ سے کہتا تھا کہ خراسان میں جاکر یہ کرنا اور وہ کرنا اور میں ٹکٹکی لگائے اُسکی قبا کو دیکھ رہا تھا۔ پوچھا اس کپڑے کو کیوں دیکھ رہا ہے؟ میں نے کہا یہ وہی لباس ہے کہ آپ خلافت سے پہلے اسکو پہنے ہوئے تھے۔ یا کوئی اور۔ کہا ہاں وہی ہے۔

ایک مرتبہ صاحبزادے کا گھوڑا چونکہ لاغر اور ضعیف ہو گیا تھا۔ اُس نے دوسرا گھوڑا مانگا۔ باوجودیکہ چار ہزار گھوڑے اصطبل میں خاصہ کے موجود تھے مگر بیٹے کو گھوڑا نہ دیا۔

ہشام اور شیخ کوفی کی ملاقات۔ ہشام کی خلافت کا ایسا مشہور ومعروف قصہ ہے جسکو تمام اسلامی مؤرخین نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔ اور حقیقت میں یہ واقعہ قوم بنی امیہ کے عادات واطوار اور اُنکے کردار ورفتار کا کامل اور صحیح فوٹو ہے۔ جس میں ابوسفیان سے لیکر ہشام تک سب کے حالات اور عادات کی مختلف الالوان اور عجیب الشان تصویریں دکھلائی دیتی ہیں۔ ہم اُسکو روضۃ الصفا کے ترجمہ سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ہشام اپنے زمانۂ سلطنت میں بغرض سیر وتفریح ایک جنگل کی طرف جانکلا کہ یکایک اُسکے سامنے سے ایک غبار دکھلائی دیا۔ یہ دیکھکر ہشام نے اپنے ہمراہیوں کو وہیں ٹھیرنے کا حکم دیا اور خود ایک غلام کے ساتھ اُس غبار کی طرف چلا۔ جب وہ قریب پہنچا اور وہ گرد بیٹھ گئی تو اُس نے دیکھا کہ سوداگروں کا ایک قافلہ ہے جو روغن زیت اور دیگر اشیائے تجارتی فروخت کرنے کی غرض سے لیے جارہے ہیں اُس قافلہ میں ایک مرد ضعیف ہے جو اپنی ذاتی وجاہت کی وجہ سے اُس قافلہ کا رئیس معلوم ہوتا ہے ہشام نے اُس سے پوچھا آپ کون ہیں۔ کس قوم اور کس قبیلہ سے ہیں۔ اور کس سرزمین کے رہنے والے

لہ مروّج الذہب۔ ابوالفدا بھی انکے اوصاف میں یہی لکھتے ہیں۔ ترجمہ ابوالفدا مطبوعہ دلّی صفحہ ۴۹۱ — ۱۲

ہیں - پیر مرد نے جواب دیا کہ میں کوفہ کا رہنے والا ہوں - مگر آپ کو میری نسبت اتنی تلاش کی کی
ہے - اگر میں عرب کے کسی نمودار قبیلہ سے ہوں تو اُس کی نموداری آپ کو کوئی فائدہ نہیں دی
اگر میں کسی ذلیل اور بدنام قبیلہ کا آدمی ہوں تو اُسکی ذلت آپ کی مضرت کا باعث نہیں ہوگی
یہ مہمل سوال ایسا ہے جس سے نہ آپکو کوئی فائدہ ہو سکتا ہے نہ مضرت - یہ سُنکر ہشام نے کہا کہ
ہے مجھے معلوم ہوگیا کہ تجھے اپنے اصلی حال بتلانے میں حیا آتی ہے - وہ پیر مرد بولا کہ آپکی
اور کریہ المنظری آپ کی پست نسبی اور دنائت کو ثابت کر رہی ہے جسے میں خوب پہچان گیا - میں
جانتا ہوں کہ خود ستائی امر مستحسن نہیں ہے مگر چونکہ مجھے اس وقت اس کی ضرورت پیش ہوگئی
میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں فلاں قبیلہ سے ہوں اور فلاں فلاں سربرآوردہ اشخاص
عزیز واقارب ہیں - ہشام نے اتنا سا تو جواب دیا کہ میں قبیلۂ قریش کا ایک آدمی ہوں - پیر
کہ قبیلۂ قریش تو ایک بہت بڑا اور وسیع قبیلہ ہے جس میں چھوٹے بڑے ادنے اعلے
لوگ شامل ہیں - اب آپ مہربانی فرماکر یہ بتلادیں کہ قبیلۂ قریش میں آپ کا سلسلہ کس بطن او
سے ملتا ہے - اور اُن کے محامد و اوصاف کیا ہیں - ہشام نے نہایت تمکنت سے کہا کہ میں شا
بنی امیہ سے ہوں اور فی زمانہ بنی امیہ وہ ہیں جن سے شرف بزرگی میں عرب کا کوئی شخص بر
دعوٰے نہیں کرسکتا - اور کوئی متنفس اُن سے انتقام یا مقابلہ کی قدرت نہیں رکھتا - یہ سُن
پیر مرد ٹھٹھے مار کر دیر تک ہنستا رہا - پھر ہنسی کو ضبط کرکے کہنے لگا مرحبا لات یا اخی بنی ا
آپ کیوں اتنی دیر تک اپنی شرافت نسبی کو چھپائے رہے اور مجھ کو بیجا غلط فہمیوں میں ڈالے رہے
آپ نے حقیقت حال صاف صاف لفظ [illegible] شبہے اور مغالطے میرے
سب نکال دیے - اس میں شک نہیں کہ آپکا نسب بہت بڑا نیک - آپکا قبیلہ بہت بڑا پاک - آپکا خا
رفیع اور آپ کا دودمان بہت مشہور و معروف ہے - افسوس آپکو اپنے موجودہ حسب و نسب
اختیار کرنی چاہیے - کیا آپ [illegible] ایام جہالت میں خونخوار تھے اور جب مسلمان
رسالت و دودمان نبوت کے حقوق پر دست تعدی دراز کرنے لگے - و آپ کے اس آئین خا
میں شراب فروش اور میخوار اور اب اُنہی کے اعقاب و یادگار - سلاطین جبار اور ظلمۂ روزگار
قبیلہ نے پیاپے چالیس معرکوں سے راہ فرار اختیار کی ہے اور شکست پر شکست کھائی ہے -
سربرآوردہ اور نامبردہ بہادروں کو مٹا دیا ہے - اور اپنی شرم و حیا کو دھو بیٹھا ہے اور پھر بھی
جرأت نہیں کرسکتے - بیشک وہی قوم ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہے جو مذہبی اصول او
دونوں طریقوں سے مذموم ہوں اور علاوہ بریں اُنکی شجاعت اور دلیری بھی اُنکی بزدلی ا
پورا ثبوت دے رہی ہو - اور ان امور کے ساتھ آپ ہی حضرات وہ بزرگوار ہیں

ارشاد جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل دوزخ ہیں۔ آپکا تمام قبیلہ اپنے ننگ وعار کی وجہ سے دنیا میں کسی کو اپنا مُنہ نہیں دکھلا سکتا اور آپکی تمام قوم اپنی بداطواری اور غلط طبعی کی وجہ سے اپنے سر انوکے خجالت سے نہیں اُٹھا سکتے۔ جنگ بدر میں جو کافروں کی طرف سے علمدار لشکر تھا وہ عتبہ تھا۔ وہ تمہارے ہی قبیلہ کا آدمی تھا۔ اور ہندہ جو تمام دنیاوی عیوب سے بھری ہوئی تھی تمہارے ہی قبیلہ کی عورت تھی۔ صخر ابن حرب یعنی ابوسفیان تمہارے ہی بزرگوں میں تھے جو ایام جہالت میں شراب فروش تھے۔ کچھ تھوڑی ترقی ہو جانے پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیشہ لڑتا رہا۔ اور عاجز ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوا بھی تو کبھی اُسکو اسلام کی طرف سے عقیدت و خلوص کی توفیق نہ ہوئی۔ معاویہ۔ کہ سات بار جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسکے لیے ایسا ایسا کہا۔ آپ کا راس الرئیس پیشوا اور مقتدا تھا۔ اُسنے ابن عم اور وصی جناب مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کی اور زیاد زنازادہ کو اپنے نسب میں ملالیا اور اُسکی منکوحہ ذات القلائد کو طلاق دیکر اپنے نکاح میں لایا۔ جب اُس کے ایام دولت تمام ہونے لگے تو اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد کر گیا۔ جس نے تمام شریعت نبوی کے اصول کو اُکھاڑ پھینکا اور ہر سنت کے مقام پر ایک تازہ بدعت ایجاد کی اور ابن زیاد کو خونریزی پر دلیر اور حریص بنا دیا اور اُسکو شیعیان علی ابن ابیطالب علیہ السلام پر مسلط کیا اور عقبہ بن معیط کو جس کے قریشی ہونے سے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرمایا تھا اپنے نسب میں ملحق کر لیا۔ اور اپنے اقربا کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی بھی اُسے حوالہ کر دی۔ حالانکہ وہ قبیلہ صفوریہ کے یہودیوں سے تھا۔ جن کو بہترین عالم حضرت علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا نے قتل فرمایا۔ اور اُس کے تمام معائب اور شرم وعار آپ حضرات کے ساتھ رہے۔ ایسا مشہور ومعروف اور ممدوح و موصوف شخص آپ ہی کے قبیلہ سے ہے۔ اور آگے سُنیے۔ انکے صاحبزادے ولید ابن عقبہ جب شراب پیکر مسجد کوفہ میں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو دو رکعت کی جگہ چار رکعت نماز پڑھا گئے۔ یہ وہی ہیں جنکے حق میں قرآن مجید میں خدا نے فاسق کا لفظ وارد فرمایا ہے اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَّا يَسْتَوُونَ۔ وہی آپ لوگوں میں ممتاز بین الاقران ہیں۔ عبد الملک جو آپ کے بزرگوں میں تھے جنکی اصحاب مخصوصین میں حجاج سالعین شامل تھا اور وہ تمام خائنین۔ بدکار۔ غدار اشرار آپ ہی کے اعوان وانصار میں اس وقت تک موجود ہیں۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے اولاد پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کیا۔ منجنیقیں لگا کر پتھر اور غلیظ ونجس چیزیں حرم محترم میں پھینکیں۔ غرض میری تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کا تمام خاندان بدکار۔ اُن کا اوّل ناہنجار۔ اُن کا اوسط طرار اور اُن کا آخر مکار کفار۔ آپ کے خاندان کے شریف خمار اور وضیع غدار ہیں۔

صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ پیرمرد کی یہ تقریر سُنکر ہشام کے ہوش وحواس جاتے رہے۔ اور ایسی شرم وعبرت لاحق حال ہوئی کہ وہاں سے فوراً گھوڑے کی باگ پھیر کر چلتا ہوا۔ راستہ میں

اپنے خادم سے پوچھا کہ اس پیر مرد کی تقریر تو نے تو نہیں سُنی ؟ چالاک اور نتیجہ شناس غلام نے کہا کہ پیرو مرشد میں تو اسکی لایعنی تقریر سنکر ایسا ہکا بکا ہوگیا کہ مجھے مطلق خبر نہیں کہ وہ دیوانہ اپنی رو میں کیا کیا بک گیا میں آپ کے قدموں کی قسم ایسا خود فراموش ہو رہا تھا کہ اگر مجھ سے اُس وقت میرا نام بھی پوچھا جاتا تو شاید میں اپنا نام بھی نہ بتلا سکتا۔ اس لیے مجھے اُسکے مُہملات کا مطلق علم نہیں۔ بلکہ درمیان گفتگو میں حضور کے حق نمک اور میری وفاداری اور جاں نثاری کا بار بار یہ تقاضا ہوتا تھا کہ ایک ضرب شمشیر سے اُس کے سر کو قلم کر دوں۔ پیرو مرشد باحقیقت میں میں نے تو آج تک ایسا بوڑھا کافر اور شیخ قبیح کو دیکھا ہی نہیں تھا۔

غلام کی تقریر سُنکر ہشام نے کہا خیریت ہوگئی کہ تو نے ان امور سے اپنی لاعلمی ظاہر کر دی۔ ورنہ میں نے اسی وقت تیری گردن اُتار لی ہوتی۔ اب بھی مزید احتیاط کے اعتبار سے تجھ کو سمجھائے دیتا ہوں کہ اگر اُسکی تقریر سے کچھ بھی تجھے یاد رہا ہو تو اُسے عمداً بھول جا اور خبردار کسی سے اُسکا ذکر نہ کیجیو۔ ورنہ تیری جان مفت جائے گی اور اگر کسی سے بیان نہیں کریگا تو ضرور بچ جائے گا اور ہمیشہ محفوظ رہیگا۔

ہشام وہاں سے آگے بڑھا۔ جب اپنی فوج سے آملا تو حکم دیا کہ فلاں مقام پر اس شکل اور اس وضع کا ایک پیر مرد ہے اُسے گرفتار کر کے میرے پاس حاضر کرو۔ قبل اسکے کہ ہشام کے آدمی اُس کی گرفتاری کے لیے موقع پر پہنچیں اُس پیر مرد نے اپنے علم قیافہ سے پہچان لیا کہ یہ شخص جس سے ابھی ابھی ایسی مخالفانہ تقریر ہو چکی ہے وہ حاکم وقت ضرور تھا۔ اپنے مقام پر پہنچکر وہ میری گرفتاری کا حکم کرے تو کوئی تعجب نہیں۔ یہ خیال کر کے وہ وہاں سے فوراً چلتا ہوا اور ایک غیر متعارف مقام میں پوشیدہ ہوگیا ہشام کے فرستادہ سوار وہاں آئے اور اُسے دیر تک تلاش کرتے رہے۔ مگر کہیں اُس کا نشان نہ ملا تو آخر مایوس ہو کر اپنے مقام کو واپس گئے۔ ہشام کے ہمراہی غلام کا بیان ہے کہ میں نے یہ راز ہشام کی زندگی میں کسی سے بھی نہیں کہا۔ جب وہ مرگیا تو میں نے اس خبر کو علے العموم سب سے ظاہر کر دیا۔

ہشام ہی کے زمان سلطنت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام اپنے پدر بزرگوار جناب امام محمد باقر علیہ السّلام کے ہمراہ مدینہ سے شام میں تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر کی پوری کیفیت ہم اس سے قبل کی کتاب میں لکھ چکے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ہشام نے بعض مخالفوں کی اغوا سے جناب امام محمد باقر علیہ السّلام کو مع امام جعفر صادق علیہ السّلام کے شام میں بُلایا اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں۔ چند روز تک نظر بند رکھا۔ پھر چھوڑ دیا۔ اور مدینہ واپس جانے کی اجازت بھی دی تو تمام منزلوں میں یہ حکم عام دیدیا کہ کوئی شخص آپ کے ہاتھ نہ کوئی سودا بیچے اور نہ آرام و آسائش کے کوئی سامان آپ کے لیے فراہم کرے۔ اور نہ کوئی ان کو اپنا مہمان بنائے۔ غرضکہ یہ مقدس حضرات یہ تمام صعوبتیں

مدائن کی راہ سے کسی نہ کسی طرح مدینہ پہنچے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہشام نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو ۱۱۴ہجری میں زہر دلوا کر شہید کرا دیا۔

ہشام کی ان مخالفتوں کی وجہ بظاہر تو اس کے سوا کچھ اور معلوم نہیں ہوتی کہ اس زمانہ میں شریعت اہلبیت علیہم السلام کی تعلیم و تلقین نہایت زوروں سے جاری تھی اور چاروں طرف سے تمام اہل اسلام مدینہ میں آتے تھے اور ان حضرات کی خدمات سے تعلیم و تدریس کے اعزاز حاصل کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ۔ قاضی ابو یعلی۔ سعید ابن مسیب اور سفیان ثوری۔ ابراہیم ادہم شفیق بلخی وغیرہ کے ایسے ہزاروں کے نام عموماً تمام کتابوں میں درج ہیں جو آستانۂ ہدایت نشانہ سے علوم ظاہری اور باطنی کی تعلیم پا کر تمام دیار و امصار میں مشہور و معروف ہو رہے تھے۔ ہشام کو یہ امر خلاف گزرا اور وہ ان ذوات مقدسہ کی اس شہرت کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکا۔ آخر کار پوشیدہ طور پر زہر دلوا دیا۔

بہر حال۔ ہشام ہی کے زمانۂ سلطنت سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اور شروع ماہ محرم ۱۱۴ہجری سے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے بعد سریر امامت پر رونق افروز ہوئے۔

حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ کی شہادت

ہشام کے زمانہ کا بہت بڑا واقعہ اور اُس کے مظالم کا سخت ترین نمونہ ہے جو ۱۲۱ہجری میں واقع ہوا۔ اُس کی خلاصہ کیفیت یہ ہے۔

جناب زید اُن پُرغیرت اور دلیر بزرگواروں میں سب سے زیادہ پُرجوش تھے جو واقعات کربلا کے دردانگیز واقعات اور قیامت خیز مصائب کو سُن سُن کر حد سے زیادہ متاثر ہو رہے تھے اس میں شک نہیں کہ جناب زید اُسی خاندان والا اور دودمان اعلیٰ کے چشم و چراغ تھے۔ جو حمیت۔ شجاعت اور دلیری کے اعتبار سے تمام اہل عرب کا سرمایۂ ناز اور باعث اعزاز ہو رہا تھا۔ یہ حضرت زید ہی کے جد بزرگوار تھے جنہوں نے باوجود اس کے کہ ساری دنیا یزید کی طرف ہو گئی مگر اپنا ہاتھ اُس کے نجس ہاتھ سے مس ہونے دیا۔ اپنی جان دیدی۔ مگر دین اسلام کو حیات ابدی عنایت فرمائی۔ پھر حضرت زید سے لڑ کر مر جانا کوئی اَنہونی بات تھوڑی سمجھی جا سکتی ہے۔

جناب زید امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزادے مسماۃ حوریہ کے بطن سے تھے جسے مختار نے آپ کی خدمت میں کوفہ سے ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا۔ حضرت زید کی ولادت ۸۰ہجری میں بتلائی جاتی ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کا سن ۷۲ سال کا ثابت ہوتا ہے۔

امام صباغ مالکی اپنی کتاب فصول المہمہ میں بذیل تذکرۂ حضرت زید لکھتے ہیں۔

وکان زید بن علی رضی اللہ عنہ دیّنا شجاعا ناسکا وکان من احسن بنی ہاشم عبادۃ واجلھم سارۃ۔

حضرت زید ابن علی رضی اللہ عنہ مرد متدین شجاع اور غیور تھے اور تمام بنی ہاشم میں باعتبار صورت وسیرت کے زیادہ ترو جیہ تھے۔

اس میں شک نہیں کہ جس طرح بنی امیہ کو سادات سے قطعی تنفر تھا وہ تمام دنیا پر ظاہر ہے۔ غریب سادات اپنی کمزوری اور افلاس کی وجہ سے اُن کے مظالم کا جواب تو دے ہی نہیں سکتے تھے۔ اسی وجہ سے ائمۂ معصومین نے انکی طرف سے قطعی علحدگی پسند فرمائی اور ان کے جملہ امور سے خموشی اور بے تعلقی اختیار فرمائی۔ اور ان تمام امور سے دست بردار ہوکر اپنی مقدس جانوں کے بچ ہی جانے کو ہزار غنیمت سمجھ لیا تھا۔ اور اپنے موجودہ مخالفین کے مقابلہ میں ان ذوات طاہرہ نے سکوت اور راحت کا وہی مسلک اختیار کر لیا تھا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے خدا کی مصلحت اور رسول کی وصیت کے مطابق پچیس چھبیس برس تک اختیار فرمایا تھا۔ جناب امام زین العابدین علیہ السّلام کا تمام زمانہ اسی مسلک پر گزرا۔ امام محمد باقر علیہ السّلام نے بھی مادام الحیات یہی طریقہ اختیار کیا۔ ان کے بعد امام جعفر صادق علیہ السّلام نے بھی اسی کی پابندی لازمی سمجھی۔ مگر حضرت زید نے اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد بنی امیہ کے گزشتہ اور موجودہ مظالم پر زیادہ تحمّل کرنا کسی طرح پسند نہ فرمایا اور اُن سے مقابلہ پر آمادہ ہوئے۔ جناب امام محمد باقر علیہ السّلام نے انہیں ہر چند سمجھایا اور صبر و سکون اختیار کرنے کے لیے کئی مرتبہ موعظت فرمائی مگر یہ اپنے ارادوں سے باز نہ آئے۔ مگر ہاں اتنا تو ضرور ہوا کہ آپ کے زمانۂ حیات تک اُنھوں نے بنی امیہ سے مقابلہ نہیں کیا۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے بھی ان کو آمادۂ پیکار اور سرگرم کارزار پاکر باز رکھنا چاہا۔ اور تمام موجودہ اور آیندہ قرینوں سے سمجھایا مگر یہ نہ مانے۔ اہل عراق کی ظاہری اطاعت اور زبانی متابعت نے زید شہید کو اپنی کامیابی کا پورا یقین دلا رکھا تھا۔ امام ابوحنیفہ کے بیعت اختیار کر لینے نے سونے میں سہاگہ کا کام دیدیا تھا۔ اب اگر جناب زید اپنے ارادوں میں کچھ توقف سے کام لیتے بھی تو اب ایک منٹ کے لیے بھی نہیں ٹھیر سکتے تھے۔

امام ابوحنیفہ کے بیعت کر لینے سے عراق میں حضرت زید کی امامت کا رنگ جمنے لگا اور جب ان لوگوں کی وفاداری اور جان نثاری کا پورا یقین ہو گیا تو حضرت زید بھی مدینہ سے اُٹھ کر کوفہ چلے گئے ہشام کو انکے ارادوں کی خبر ملتی رہتی تھی۔ چنانچہ ایک دن باتوں باتوں میں ہشام نے حضرت زید کو طلب کر کے کہا۔

قال لزید ھشام بن عبد الملک بن مروان یوما بلغنی لکل نزوم الخلافۃ واننہ لاتصلح لھا لانک

ہشام ابن عبد الملک ابن مروان نے ایک دن جناب زید سے کہا کہ تمہیں ہو جو خلافت و امارت

ابن امه فقال زید قد کان اسمٰعیل بن ابراھیم بن امۃ واسحاق بن حرۃ فاخرج اللہ من صلب اسمٰعیل خیر من ولد ادم فقال لہ اذا لا ترانی الا حیث انکرہ فلما خرج عن الدار فقال ما احب الحیٰوۃ الا ذل۔

کا زعم کرتے ہو۔ تم میں امیر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے اور نہ تم اس کے قابل ہو کیونکہ تم لونڈی کے بطن سے ہو۔ زید نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام لونڈی کے پیٹ سے تھے اور جناب اسحاق ع زن حرّہ کے بطن سے مگر باوجود اس کے خدائے سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل ہی کی اولاد سے فخر بنی آدم رسول عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظاہر فرمایا۔ زید کا یہ دنداں شکن جواب سُنکر ہشام اپنے آپ میں نہ رہا اور کہا کہ ہمارے پاس سے اُٹھ جاؤ۔ یہ سُننے ہی زید یہ کہتے ہوئے فورًا وہاں سے اُٹھ آئے کہ اب تو مجھے سوائے میدان جنگ کے اور کہیں نہ دیکھیگا۔ جب دروازے سے باہر نکلے تو فرمایا کہ کوئی ایسا نہیں ہے جو زندہ رہنے کی تمنا رکھکر ذلیل وخوار نہ ہوا ہو۔

اکثر مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ زید اُسی وقت کوفہ کی طرف روانہ ہوئے جب انکے کوفہ چلے جانیکی خبر ہشام کو تحقیق ہوگئی تو اُس نے اہل عراق کے نام یہ حکم عام لکھ بھیجا۔

وکتب ھشام الی عراق العرب ان امنع اھل الکوفۃ من حضور مجلس زید بن علی فان لہ لسان اقطع من حدۃ السیف واشد من شباۃ الاسنہ وابلغ من السحر والکھانۃ ومن شر النفثٰت فی العقد۔

اہل عراق کو ہشام نے لکھا کہ وہ زید ابن علیؑ کی طرف سے ہوشیار رہیں۔ اُن کی مجلس میں کسی کو نہ جانے دیں۔ کیونکہ زید کی زبان تلوار کی دھار اور نیزے کی نوک سے بھی تیز تر ہے۔ ان کی لسانی اور چرب زبانی جادو کا اثر رکھتی ہے۔

مگر باوجودیکہ سلطنت کی طرف سے ایسے شدید امتناعی احکام جاری کیے گئے۔ تاہم چالیس ہزار اہل عراق نے جناب زید کی بیعت اختیار کرلی۔ اس مرجع عام کی وجہ زیادہ تر امام ابوحنیفہ تھے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب تحفۂ اثنا عشریہ میں رقمطراز ہیں۔

"امام اعظم ابوحنیفہ کوفی نیز بہ صحتِ امامت حضرت زید ابن علیؑ قائل بود واورا دراین امر تصویب می نمود"

امام محمد ابن طلحۃ الشافعی اپنی کتاب عمدۃ المطالب میں ان مطالب کو ذیل کی عبارت کے ساتھ آراستہ کرتے ہیں۔

ابا حنیفۃ بایعہ وکان قد افتی الناس بالخروج معہ وکتب الیہ

ابوحنیفہ نے بھی حضرت زید کی بیعت اختیار کی تھی اور لوگوں کو اُنکے ساتھ خروج کرنیکے فتوے دیتے تھے اور حضرت زید

ابو حنیفۃ امّا بعد فانی جھزت الیک اربعۃ آلاف دراھم ولم یکن عندی غیر ھا ولولا امانات للناس للحقت بک۔

کو اس مضمون کا خط بھی لکھا تھا کہ ہم آ[...] چار ہزار روپیہ روانہ کرتے ہیں۔ اسکے سوا او[...] پاس کچھ نہیں ہے۔ اگر لوگوں کی امانتیں ہم[...] نہ ہوتیں تو ہم بھی آپ سے آکر ملجاتے۔

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ اتنا کچھ کرنے پر بھی امام صاحب عین موقع کے وقت گ[...] آپ کی علحدگی اور کنارہ کشی کو دیکھکر اہل عراق بھی آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ حضرت زید ک[...] جُدا ہونے لگے۔ امام ابوحنیفہ کیوں جُدا ہوئے۔ اسکی خلاصہ کیفیت یہ ہے۔

حضرات بنی امیۃ کو اپنی گون گانٹھنے اور ڈھب نکالنے کی جیسی کچھ ترکیبیں معلوم تھیں وہ ا[...] مخصوص چالوں مین جیسے کچھ مشّاق ہو رہے تھے وہ ساری دنیا کو معلوم ہے۔ ہشام نے اما[...] کے گانٹھنے کے لیے اس وقت اپنی قدیم زنبیل عیاری میں سے ایک آدھ لٹکے نکال ہی لیے [...] سے وہ امام صاحب پر پورا اثر دکھلا گئے۔

ہشام نے جب دیکھ لیا کہ امام صاحب کے ملائے بغیر اہل عراق کی یورش دھیمی نہیں ہوتی اور[...] کی پُرجوشی ٹھنڈی نہیں ہوتی تو اُس نے امام صاحب کو توڑ کر اپنے دربار میں بُلایا اور مراحم خسروا[...] شاہانہ سے سرفراز و ممتاز فرمایا یہاں تک کہ ائمۃ المسلمین کا امام اعظم بنایا جیسا کہ خواجہ محمد[...] کتاب فصل الخطاب کا فارسی ترجمہ صاف بتلا رہا ہے۔

می گویند کہ زید شہید مردے متدین و عالم بود واوّل او در کوفہ درس میگفت وہیچکس از بنی انسان ب[...] در روئے زمین عالم تر نبود۔ سلاطین عرب را بجائے خلیفہ می گویند۔ امّا امامے بایست کہ تہدید راہ را[...] تبلیغ احکام پیغمبر صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم از امر و نواہی بنماید۔ دراں عہد ہشام ابن عبد الملک [...] بادشاہے بود وامر امامت و علم خبر در قبیلۂ فاطمہ سلام اللہ علیہا کہ از آل علی علیہ السّلام بدیگر[...] نبودہ۔ پس ابوحنیفۂ کوفی را کہ یکے از شاگردان زید بود۔ ہشام او را طلب نمود۔ و یک دستار بر[...] و امام لشکر خود گردانید و امام اعظم لقبش ساخت و فتوٰے موقوف برام وے شد۔ و اوّل ہشا[...] از وے فتوٰے طلبید۔ ابوحنیفۂ کوفی بشرم دستار امامت حکم برطغیان زید امر فرمود کہ زید طا[...] صورت حکمت چنین بودہ۔ وھو لا یصلح الرّیاست وجب القتال لہ۔ پس از حکم ا[...] و قتال ہشام زید بقتل رسید۔

جب ہشام نے اہل عراق کے سرگروہ اور رئیس الطائفہ حضرت امام ابوحنیفۂ کوفی کو اپنے قبضہ می[...] جناب زید کی تنبیہ کے لیے اپنی فوج بھیجی۔ امام صاحب کے نکلتے ہی اہل عراق کی تمام جمعیت جو اُس[...] حضرت زید کی رکاب میں موجود تھی۔ تِتَّر بِتَّر ہو گئی۔ آخر کار جناب زید کو رفضتمونی ک[...]

جو اس وقت امام صاحب کے مقلدین احمد کی پگڑی اُتار کر محمود کے سر دھر دیتے ہیں۔
نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زید ابن علیؑ کے ساتھ کل جمع اٹھاسی آدمی رہ گئے جن میں تینتیس تو انکے خاص عزیز و اقارب تھے اور پچپن اعوان و انصار۔ ہشام کی فرستادہ فوج کی تعداد بعض مؤرخین چالیس ہزار اور بعض اٹھاسی ہزار بتلاتے ہیں مگر قول اوّل زیادہ قرینِ صحت ہے۔ چالیس ہزار یا اٹھاسی ہزار کے مقابلہ میں اٹھاسی نفر کی کیا بساط اور پھر ان سے کامیابی یا فتح و فیروزی کی امیدیں تو معلوم ہیں۔ مگر جناب زید کی خاندانی شجاعت اور ہمت غنیم کے مقابلہ سے عین وقت پر منہ پھیر دینے کی عار کو کبھی گوارا نہ کر سکی۔ اور اپنے معدودے چند ہمراہی جاں نثاروں کے ساتھ غنیم سے مقابلہ کرنے اور مر مٹنے کو اپنی شجاعت اور دلیری کے اصلی اور حقیقی جوہر سمجھی۔
ابن اثیر اور روضۃ الصفا کے معتبر اسناد کے مطابق تین روز تک لڑائی جاری رہی۔ سمجھ میں نہیں آتا کیسے۔ اس سے جناب زید اور اُن کے جاں نثاروں کی پاداری اور جگرداری کے پورے ثبوت ملتے ہیں۔ کہ ان کی قلیل جماعت غنیم کی اتنی بڑی کثیر جماعت کو تین دن تک اپنے استیصال پر قابو نہ دے سکی ایسے استقلال و ثبات کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔
بہر حال، روز مقابلہ تو ہوتا ہی تھا۔ اور جناب زید کے ہمراہی مارے تو جاتے ہی تھے۔ تیسرے روز کُل دس آدمی باقی رہ گئے۔ اب جناب زید بنفس نفیس معرکہ آرائے قتال ہوئے اور اسلام کے معتبر مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ صبح سے دوپہر تک حرب و ضرب میں مصروف رہے اور باوجود اس کے کہ آپ کے ساتھ نوجوان اور ناکتخدا۔ سات بیٹے۔ قبل اس کے آنکھوں کے سامنے دم توڑ چکے تھے مگر اس پُرہمت اور غیر تمند بوڑھے باپ نے اس شکستہ حالی اور پیرانہ سالی کی عین حالتوں میں بھی۔ تمام دنیا کو خاندان ہاشم کی اصلی شجاعت و ہمت کے بے مثال اور بے نظیر جوہر دکھلا کر یہ ثابت کر دیا کہ اپنی بات پر مر مٹنے والے اور جان دیدینے والے ایسے ہوتے ہیں۔ جناب زیدؑ اہل شام کے بہت سے نمونداروں کو مار گرایا اور کشتوں کے پشتے لگا دیے مگر بحکم اذا جاء اجلھم لا یستقدمون الساعۃ ولا یستاخرون۔ وعدہ کم نہ زیادہ۔ کسی شامی کا تیر ان کی پیشانی پر ایسا بیٹھا کہ پھر اُس نے ان کو اُٹھنے نہ دیا۔

ان کے باقیماندہ خیر خواہ انہیں میدان کارزار سے اُٹھا کر ایک شیعہ کے گھر لے آئے مگر قبل اس کے کہ جرّاح آئے پیک قضا آپہنچا اور کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کا آخری شربت پلا کر دار فنا سے انکو ملک بقا کی طرف لے گیا۔ یہ واقعہ ۲۰، صفر ۱۲۰ ہجری میں در پیش ہوا۔
خونخواری اور مردم آزاری تو بنی امیہ کے عادات و اخلاق سے ہے جو انہیں انکی جدۂ ماجدہ ہندہ بنت عتبہ سے وراثت میں ملا ہے۔ ہشام نے زید مظلوم کی لاش اُن کے مدفن سے نکال کر

جو خاصکر اپنی ظلم و شقاوت سے محفوظ رہنے کے لیے ایک مقام مستور میں بناکر اسپر پانی جاری کر دیا
تھا۔ جیسی جیسی تکلیفیں اس جسم کو پہنچائیں اور اپنی ظاہر نما انسانیت کی شکل میں حیوانیت کی پوری شان
دکھلائیں وہ عموماً تمام تاریخوں میں تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ میرے بیان کی ہرگز محتاج نہیں۔
خواجہ محمد پارسا کی کتاب فصل الخطاب کے فارسی ترجمہ میں یہ عبارت درج ہے۔

"اُس غریب اور ناپرسان لاش کو جب مدفن سے نکالا تو کثرت زخم سے مرد کے تن پر رکھنے کی
جگہ باقی نہیں تھی سات مقاموں پر نیزہ خطی کی انیاں پیوست تھیں۔ سولہ مقاموں پر تلواروں
کے گہرے گہرے زخم لگے تھے۔ تیروں کے چھوٹے بڑے زخم تمام بدن پر نمایاں تھے۔
تمام جسم غربال کی مثال بنا ہوا تھا۔ مگر افسوس بنی امیہ کی خونخوار طبیعت اس غریب لاش
کی گئی گزری حالت کو بھی دیکھکر اپنے انتقام کی آگ پر اسلام کی ہمدردی۔ عرب
ہونے کی حمیّت۔ صلۂ رحم کی رعایت کا پانی نہ ڈال سکی۔ لاش کا سر جدا کیا گیا اور ہشام
کے پاس تحفہ بھیجا گیا۔ اور وہ دار الحکومت کے بیرونی دروازے پر عبرت خلائق کے
قصد سے لٹکا یا گیا۔ وہ چار برس تک اُسی مقام پر آویزاں رہا۔ سر کی سرگزشت یہ
تھی۔ لاش کی حالت اور افسوس کے قابل ہے۔ یوسف نے دروازہ کوفہ پر اُس جسم
بے حس کو سولی دی۔ پھر سولی سے اُتار کر در کوفہ پر آویزاں کر دیا اور وہ اُسی طرح
ہشام کے خاتمۂ سلطنت تک لٹکتا رہا۔ اور کامل چار برس تک ہزاروں ارضی و سماوی
آفتوں کا نشانہ بنتا رہا۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو حضرت زید کے شہید کیے جانے کی خبر معلوم ہوئی تو آپ بے اختیار
ہو کر رونے لگے اور فرمانے لگے رحمہ اللہ عمّی۔ رحمہ اللہ عمّی۔

بہر حال۔ ہشام کا زمانہ سادات کے لیے مصیبت کا زمانہ تھا جس میں ان بزرگواروں کو ہزاروں بلاؤں
سے سامنا کرنا ہوا اور طرح طرح کی مصیبتیں اُٹھانی ہوئیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ یہ حسن تخییل
پیش آیا اُس کی پوری کیفیت ہم پانچویں کتاب میں بالتفصیل درج کر چکے ہیں۔

مروج الذہب میں مسطور ہے کہ ہشام احول چشم۔ درشت خو۔ تند مزاج۔ جمع اموال کا حریص اور
اس قدر کنجوس تھا کہ پھوٹی کوڑی بھی کسی کو نہ دیتا تھا۔ چنانچہ اس کے زمانہ میں سب خیر خیرات کے
دروازے بند ہو گئے تھے۔ مگر ہشام کی یہ حفاظت اموال۔ جزرسی اور کفایت شعاری اُس کے کچھ
کام نہ آسکی اور اُس کو اپنے اندوختہ سرمایہ سے کوئی فائدہ اور حظ نہ اُٹھا۔ اور کوئی لطف نہیں ملا
بلکہ بخلاف اس کے اُس کی ناداری اور بے سروسامانی عبرۃً للناظرین ثابت ہوئی۔ چنانچہ مؤرخ ابوالفدا
تحریر فرماتے ہیں کہ ہشام ۱۰ صفر ۱۲۵ ہجری میں فوت ہوا اُس کو درد حلق کا عارضہ لاحق ہوا تھا

عمر اُس کی پچپن برس کی تھی۔ جب ہشام مرگیا تو لوگوں نے تیتڑا پانی کا گرم کرنے کے لیے جس غسل میت دیا جائے مانگا۔ عیاض ولید کے منشی نے تیتڑا نہ دیا کیونکہ اُس نے ہشام کے مرتے ہی تمام مال و اسباب کو ولید کی ملکیت میں داخل کر دیا تھا اور اُن پر مُہر کر دی تھی۔ آخر مجبور ہو کر ہمسایہ سے اُس کے واسطے پانی گرم کرنے کا ظرف لائے تو اُسکی منگنی کے برتن سے اس کے غسل کا پانی تیار ہوا۔ ابو الفدا صفحہ ۴۹۴۔

ولید ابن یزید ابن عبد الملک کی سلطنت

ہشام کے مرنے کے بعد ولید ربیع الاولے ۱۲۵ھ ہجری میں تخت نشین ہوا اور ایک برس تین مہینے حکومت کرکے ۲۵ جمادی الثانی ۱۲۶ھ ہجری میں قتل کیا گیا۔ اس کے ذکر میں امام جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں۔

الولید ابن یزید الخلیفة الفاسق تسلم الامر بعد فوت ھشام فی ربیع الآخر سنة ۱۲۵ھ فکان فاسقا شریبا للخمر منتھکا لحرمات اللہ اراد الحج لیشرب فوق ظھر الکعبة فمقتہ الناس لفسقہ فخرجوا علیہ فقتل جمادی الآخر سنة ۱۲۶ھ۔	ولید ابن یزید خلیفۂ بدکار۔ ہشام کے مرنے کے بعد ربیع الآخر ۱۲۵ھ ہجری میں خلیفہ ہوا۔ وہ فاسق شرابخوار اور حرمات خدا کا ہتک کرنے والا تھا۔ اُس نے حج کا ارادہ کیا تو یہ قصد کیا کہ خانۂ کعبہ کی چھت پر بیٹھکر شراب نوشی کیجائے۔ اس فسق و فجور کے باعث سے سب لوگ اس کے دشمن ہو گئے اور سب نے اس پر خروج کیا۔ جمادی الآخر ۱۲۶ھ ہجری میں اسکو قتل کر ڈالا۔

اس کے اس ناہنجار ارادہ اور تعیش کی نسبت صاحب روضة الصفا تحریر کرتے ہیں۔

"۱۱۶ھ ہجری میں ہشام نے انکو امیر حج مقرر کرکے مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں بھیجا۔ ولید بہادر خیریت سے حج کرنے اور کرانے تشریف لے چلے تو اس ساز و سامان سے کہ شکاری کُتے صف کے صف ساتھ۔ صندوقوں اور پنجروں میں بھر بھر کر اونٹوں پر لادے گئے۔ ہزاروں قسم کی لاتعداد شرابیں ہمراہ لی گئیں اور ایک نہایت پرتکلف خیمہ مختلف الاقسام اشیائے آرائش سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا۔ مے کشی اور جرعہ نوشی کی پُرجوشیوں میں خلافت کے نوجوان اور البیلے ولیعہد کو یہ اُمنگ آئی کہ یہ خوشنما اور پُرتکلف خیمہ سقف کعبہ پر نصب کیا جائے اور اُس کے نیچے صحبت شراب گرم کیجائے۔ مگر کعبہ پہنچتے پہنچتے اصحاب کہن سال نے بہت کچھ سمجھایا کہ ایسی حرکتیں خلافت کی ہتک حرمت اور آپ کی رسوائی اور ذلت کا باعث ہونگی۔ خیریت ہوئی کہ مان گئے اور خانۂ کعبہ بے حرمتی سے محفوظ رہ گیا۔

ان کی شراب خواری کی کثرت یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ مشہور ہے کہ ولید نے ایک حوض پُر از شراب
تیار کرایا تھا اور بحالت سرور اُس میں گر پڑتا تھا اور اس قدر شراب پیتا تھا کہ حوض کے کناروں میں شراب
کی کمی کا اثر پورے طور سے ظاہر ہوتا تھا۔

یہ تو شراب خواری کی حالت تھی۔ اب اور مناہی شرعیۃ کے ارتکاب کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ ہمارے فاضل
محقق صاحب کشف الحقائق لکھتے ہیں۔

ولید نے شراب خمر وارتکاب غنا وغیرہ منہیات شرعیۃ کے علاوہ اپنے باپ کی ازواج تک سے زنا
کیا اور اپنے حقیقی بھائی کو بھی اغلام سے نہ چھوڑا۔ سلیمان ابن یزید اس کے بھائی نے جب
بُریدہ سر دیکھا تو فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اُس شخص کا سر ہے جو نہایت بیباک تھا میرے
ساتھ اغلام کرنا چاہتا تھا۔ خلیفۂ زمان اور یہ شان۔ شرم! شرم!!!

صرف بھائی صاحب سے لواطہ ہی پر بس نہیں کیگئی۔ اگر زیادہ تحقیق سے کام لیا جائے تو ثابت
ہو جائیگا کہ ذات شریف صاحبزادی کے وصال سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔ معاذ اللہ۔
تاریخ کامل ابن اثیر جلد ششم میں مرقوم ہے کہ ایک بار خود بدولت محل سے برآمد ہوئے۔ دیکھا
ایک خادمہ ان کی ایک صاحبزادی کو لیے صحن خانہ میں بیٹھی ہے۔ اس بدبخت کی نگاہ میں اُس
وہ لڑکی اچھی معلوم ہوئی۔ اس کے نفس حیوانی میں ایک سخت ہیجان فوراً پیدا ہو گیا جسے وہ کسی
تحمل نہ کر سکا۔ ایک بار جھپٹ کر اُس لڑکی کو گود میں اُٹھا لیا۔ غریب دایہ سر پیٹ پیٹ کر چلاتی رہی
یہ آپ ہی کی لڑکی ہے اور ابھی حدِ بلوغ تک بھی نہیں پہنچی۔ آپ کیا غضب ڈھا رہے ہیں۔ مگر
کمبخت پر جو جن سوار تھا اُس نے اُس کو ایک نہ سُننے دی۔ اور اس نالائق نے ایک گوشہ میں لے
اپنی اُس لڑکی کی بکارت کا ازالہ کر ہی دیا۔ نعوذ باللہ من ہذہ الخشوات الفاحشات۔ یہ وہ واقعات
جن کے لکھنے۔ دیکھنے اور سُننے سے انسان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ معاذ اللہ یہ
ناہنجار اور اسلام کا خلیفہ۔ یہ کردار اور مسلمانوں کا پیشوا۔

ہمارے وہی محقق آگے لکھتے ہیں کہ حیوٰۃ الحیوان دمیری میں منقول ہے کہ ولید نے ایک کنیز
بحالتِ مستی ہمبستری کی۔ اتنے میں موذن نے اذان دی اور اذان دیکر خلیفۂ عصر کو اطلاع دی
کہ جماعت تیار ہے۔ امامت جماعت کے لیے آپ کا انتظار ہے۔ ولید نے قسم شرعی کھاکر کہا
وقت یہی کنیز مسلمانوں کی امامت کریگی۔ چنانچہ یہی کنیز مردانہ بھیس بدل کر مسجد میں گئی اور
حالت نشہ وجنابت میں نماز پڑھائی۔ معاذ اللہ۔

مسلمانوں پر بنی امیۃ کے پورے تسلط ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ ا
سلطان وقت کے تنہا خوف سے ایسے نجس اور مخمور امام کی اقتدا قبول کرلی اور سانس تک

حالانکہ نجس اور مخمور ہونے کی جگہ اگر وہ بہت بیٹی پاک و پاکیزہ اور بہت بڑی عالمہ اور فاضلہ بھی ہوتی تو کیا۔ محض اُس کا عورت ہونا اُس کی امامت کے باطل اور ناجائز ہونے کے لیے کافی تھا مگر اُمتِ مرحومہ کی گردن تو مدت سے اموی فرمانرواؤں کے تخت سلطنت کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ وہ غریب سر انکار ہلاتے تو کیونکر اور زبانِ شکایت کھولتے یا کچھ مُنہ سے بولتے تو کیسے؟

کعبہ کی ہتک حرمت کا قصد۔ بھائی صاحب سے لواطہ کا ارادہ۔ صاحبزادی سے زنا کا ارتکاب تو دیکھ چُکے۔ اب قرآن مجید کے ساتھ بے ادبی کی حالت بھی ملاحظہ ہو۔

تاریخ کامل۔ ابو الفدا اور مسعودی ذہبی میں مرقوم ہے کہ ایک بار ولید نے قرآن مجید کھولا تو یہ آیۃ وانی ہدایہ نظر پڑا واستفتحوا وخاب کل جبار عنید کھولا اُن لوگوں نے اور ہر ایک ظالم عنادپیشہ خاسر ہوا۔ معاذ اللہ! یہ آیت دیکھتے ہی قرآن کو پٹک دیا۔ اسپر بھی بس نہیں کی اُسکو زمین سے اُٹھایا اور دیوار میں کھول کر لٹکا دیا اور اُس پر اس قدر تیر مارے کہ وہ ورق کا ورق تمام چھلنی ہو گیا۔ تیر مار چُکے تو یہ شعر پڑھے۔

اتوعد کل جبار عنید	تو ہر ایک جبار عنید کو ڈراتا ہے
وھا انا جبار عنید	لے دیکھ میں جبار عنید ہوں
اذا ما جئت ربک یوم حشر	جب بروز قیامت خدا کے سامنے جائیو
فقل یا رب مزقنی ولید	تو کہدیجیو کہ مجھے ولید نے پارہ پارہ کر دیا ہے

یہ قرآن کے ساتھ ارادت تھی۔ اب جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی انکی عقیدت ملاحظہ ہو۔ ولید نے یہ دو شعر جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت نظم کیے تھے۔

یلعب بالخلافۃ ھاشمی	جناب محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فلا وحی اتاہ ولا کتاب	خلافت اور بادشاہی سے کھیل کیا۔ نہ کوئی وحی اُن پر
فقل للہ یمنعنی طعامی	نازل ہوئی اور نہ کوئی کتاب آئی۔ پس خدا سے کہدو کہ
وقل للہ یمنعنی شرابی	اگر اُس میں کچھ قدرت ہے تو میرا کھانا پینا تو بند کر دے۔

ان اشعار سے صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پر ولید کی تعریض نہیں ثابت ہوتی۔ بلکہ آخر کے شعر سے تو خدا کے وجود اور اُسکی قدرت سے صاف صاف انکار ظاہر ہو رہا ہے۔ تو جب خدا سے اختلاف۔ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انحراف ثابت ہے تو پھر زنا۔ لواطہ وغیرہ وغیرہ منہیات شرعیہ پر اگر اصرار رہے تو کوئی بحث نہیں۔ جب دین ہی ثابت نہیں تو پھر عمل کیا۔

ہمارے فاضل محقق۔ ان کی حرکات پر اپنی یوں رائے تحریر فرماتے ہیں۔

ان امور سے بڑھکر اور کیا کفر و زندقہ ہوگا۔ مگر علامہ ذہبی سا اُستاد جو حدیث اور تعصب کا پتلا ہے
لکھتا ہے کہ ولید کا کفر و زندقہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ جو کچھ اس کے متعلق مشہور ہے وہ صرف
خمر و لواطہ ہے سبحان اللہ۔ گویا شرب خمر و لواطہ اس فاضل کے عندیہ میں خلفاء کے وا
حلال و مباح ہے۔

اس تحریر کو پڑھ کر ناظرین سمجھ لیں گے کہ امر پرستی کے قریب میں آکر ناداں مسلمانوں نے شریعت
اصلی اور جائز پیشواؤں اور مقتداؤں سے تغافل اور بے پروائی ظاہر کی اور ایسے لوگوں کو
ثروت و اقتدار کے ظاہری اعتبار کی وجہ سے اختیار کیا۔ جن کے اخلاق کی برائیاں اپنی قوم
لوگوں کے لیے تو خیر دوسری قوموں کے واسطے بھی بہت بڑی خندہ زنی اور اعتراض کا با
ہوتی ہیں اور اُنکے یہ اخلاقی اور روحانی معائب دیکھکر جن کو وہ ایک مدّت مدید تک اپنا مقتدا
پیشوا تسلیم کر چکے ہیں۔ ایسی پشیمانی اور انفعال لاحق حال ہوتا ہے کہ پھر اُن سے کچھ کرتے د
نہیں بنتا۔ بہر حال۔ یہ تو ولید کے اخلاقی معائب تھے۔ اب ملکی اور انتظامی منا
ملاحظہ ہوں۔

واضح ہو کہ معاویہ کے زمانۂ امارت سے بنی امیہ کی امارت میں استقلال و استحکام آیا اور اُس
سے لیکر اس وقت تک اُن کے اقبال کا ستارہ عروج پر تھا۔ اُن کے تشدّد اور مظالم کے سکّے
کے دلوں پر بیٹھے تھے مگر ولید ابن یزید کے قدم سلطنت پر آتے ہی اُنکی ملکی اور مالی قوتوں میں
ادبار اضمحلال کے آثار کامل طور پر نمایاں ہو گئے۔ اُن میں خانہ جنگی اور تفریق اور دیگر قسم کی مخت
اندرونی مخالفتیں پیدا ہو گئیں اور ان تمام شکایتوں کے باعث یہی تھے۔ ان کی اخلاقی کمزو
اپنے اعزہ اور اقربا کو جو اس وقت سلطنت امویہ کے قوی اور نمودار اراکین تھے راضی نہ رکھ
اور وہ ان کے ساتھ رفق و مدارا کے سلوک قائم نہ رکھ سکا بلکہ برعکس اس کے ان کے سا
بدسلوکیاں۔ تشدائد اور سخت مظالم برتے گئے جو معمولی سے معمولی اور ادنےٰ سے ادنےٰ آدمیو
کے ساتھ بھی روا رکھے جانے کی امید نہیں کیجا سکتی تھی۔ ولید کی شامت اعمال نے بنی امیہ
اقبال کو نیچا کر دیا۔ ان کی ظالمانہ حرکات نے انکے اعزہ اور اقربا کے طبقہ میں عام ناراضی او
پیدا کر دی۔ ان میں فرقہ بندی ہو گئی اور ملکی رعایا کچھ تو انکے مظالم سے ناراض ہوکر اور کچھ طمع
کی وجہ سے ان سے بالکل برگشتہ ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سال ہی بھر میں سب نے مل کر انکو قتل کر
اور یزید ابن ولید کو ایک جگہ تخت حکومت پر بٹھلا دیا۔

عمائد بنی امیہ سے ولید کی بدسلوکیاں یہ ہیں۔ ہمارے لائق معاصر صاحب کشف الحقائق نے
سلسلہ امویہ کا خاتم السلاطین سمجھ کر اس سلسلہ کو بالتمامہ تمام کر دیا ہے۔ اور باقیماندہ تین سلاطین

حقیقت میں برائے نام تھے۔ نہیں لکھا ہے۔ مگر چونکہ ہم اپنے موجودہ مدعائے تالیف کے لیے۔ اُن تمام سلاطین کے احوال وافعال کے لکھنے کا قصد کیا ہی عام اس سے کہ وہ بنی امیہ ہوں یا بنی عباس جو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانۂ حیات میں گزرے ہیں اس وجہ سے ضروری اور مناسب سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں کی بدافعالی اور زبوں اعمالی کے حالات آپ کے محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق کے ساتھ پڑھ کر ہمارے ناظرین کو بہت سے مفید نتیجوں کے نکالنے کا کامل موقع ملجائیگا۔ اور اس امر کا بھی اندازہ ہو جائیگا کہ یہ فرمانروایان ملکی جو اس وقت امت اسلام کے پیشوا اور کافۃ الانام کے مقتدا کہلاتے تھے۔ روحانی اور اخلاقی محامد و محاسن سے کس حد اور کس درجہ تک آراستہ و پیراستہ تھے۔ اور بخلاف ان کے آپ (امام جعفر صادق علیہ السلام) کی مقدس ذات میں ان محامد و اوصاف کے کتنے ذخیرے تھے۔ ان حضرات سے شریعت اسلامیہ نے جو اس کے اصلی محافظ اور حقیقی حامی تھے۔ کتنا فروغ پایا۔ اور اس کے اجرا و نشر میں ان حضرات نے کتنی کوشش فرمائی اور عام مسلمانوں نے آپ کے احکام وارشاد سے کس قدر فائدہ اُٹھایا۔ یہ واقعات اس کتاب کے علٰحدہ باب میں لکھے جائیں گے اس مقام پر اپنے مدعائے تالیف کی ضرورت سے اُنکی اخلاقی کمزوریوں کے صرف دو واقعات ذیل میں لکھے دیتے ہیں جن سے اُنکے مناقص و معائب کا پورے طور پر اندازہ ہو سکتا ہے۔

یزید کے قتل ہونیکے اسباب میں اوّل سبب تو صاحب روضۃ الصفا اُس کے وہی فسق و فجور اور اور بے دینی لکھتے ہیں اور دوسری وجہ جو اُس کے قتل پر عام مسلمانوں کی مستعدی کا باعث ہوئی وہ یہ تھی کہ ہشام سابق خلیفہ کے بڑے صاحبزادے نے سلیمان سے ناراض ہو کر اُسکو سر دربار کوڑے لگوائے۔ اُس ہمین پور خلافت اور نازپروردۂ نعمت کے لیے سنو کوڑوں کے مارے جانے کی ذلت کیا کم تھی۔ مگر ولید نے اس پر بس نہیں کی بلکہ مرے پر سنو درّے۔ اِن کا سر ان کی ڈاڑھی اور ان کی موچھیں مُنڈا کر تمام شہر میں پھروایا۔ اور تشہیر عامیانہ کرا کے شہر عمان کے محبس میں بھیجدیا انکی مدت خلافت تک سلیمان مقیّد رہا۔

سلیمان کے بعد خلفائے سابقین ہشام اور ولید ابن عبد الملک کی تمام اولاد و احفاد کے ساتھ بھی ایسے ہی مظالم کیے گئے۔ سب کے سب پابزنجیر کیے گئے اور مختلف مقامات کے قیدخانوں میں سپرد کیے گئے ان کا قصور یہ تھا کہ وہ ان کے ناہنجار کردار کو دیکھکر ان کو کفر و زندقہ سے منسوب کرتے تھے اور سلیمان ابن ہشام کے ساتھ بدسلوکی انکی ناراضی کا زیادہ تر باعث ہوئی تھی۔ اس لیے ولید کو پورا خوف تھا کہ رعایا ان کے زیر فرمان ہو کر ملک میں بغاوت اور غدر و فساد پیدا کرے۔

بہرحال۔ قریب کے اندیشے اور گھر کے دغدغے تو یوں مٹائے گئے اب دور کے کھٹکے اور بیرونی وسوسوں کے مٹائے جانے کی فکریں ہونے لگیں۔ ان میں سب سے پہلے تو ولید کی نظر جس پر پڑی وہ عبداللہ قشیری

والی عراقین تھا۔ یہ وہ شخص تھا کہ جو خلفائے ماضیہ کے وقت سے لیکر اس وقت تک بنی امیہ کی سلطنت کا پورا ناصر معین بلکہ ساعد یمین سمجھا جاتا تھا۔ ولید چونکہ ہمیشہ اس کی طرف سے خوف میں رہتا تھا اس لیے اس کے کامل استیصال کو ضروری سمجھا اور یوسف ابن عمر کو اُس پر مسلط کیا جسنے نہایت بُرے طور سے اس کو مار ڈالا۔ سلیمان کے بعد ولید کا یہ دوسرا ظلم تھا۔ جو عمائد اور ارکین کے ساتھ کیا گیا۔ اس امر نے عام رضامندی میں ایک غیر متحمل پر جوشی پیدا کر دی جس کو پھر کوئی مسلمان ایک منٹ کے لیے بھی نہ برداشت کر سکا اور سب سے پہلے ارکین سلطنت نے خلیفۂ وقت پر خروج کرنے کے لیے کمر باندھی۔ سب کے سب ملکر یزید ابن ولید ابن عبد الملک کے پاس آئے اور اُس سے قبولِ خلافت کی استدعا کی۔ یزید نے اپنے بھائی عباس سے صلاح لی۔ پہلے اُس نے منع کیا۔ پھر لوگوں نے عباس کو سمجھا لیا۔ یزید نے خلافت قبول کر لی۔ پھر کیا تھا۔ دم کے دم میں فوج بھی تیار تھی اور سپاہی بھی لیس۔ یزید نے فوج کی کمان عمر ابن عبداللہ ابن عبد العزیز کو عنایت کی۔ اتفاق وقت سے دمشق میں طاعون تھا۔ ولید خوف طاعون سے بیرون شہر خیمہ زن تھا۔ اس لیے شہر پر یزید کا قبضہ بلا مزاحمت ہو گیا۔ ولید کو خبر ہوئی تو اُس نے اپنے ہمراہیوں سے مشورہ کیا۔ یزید قاتل جناب امام حسین علیہ السلام کے بیٹے خالد نے صلاح دی کہ شہر حمص کی طرف چل کر وہاں کے قلعہ میں قیام کیا جائے اس سے بہتر مقابلہ کی دوسری جگہ نہیں ہے۔ مگر اور ذی ہمت اور غیور جاں نثاروں نے اس صلاح کو شجاعت خسروانہ کے خلاف سمجھا اور ولید کو کھلے میدان میں وہیں مقابلہ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ الغرض فریقین میں مقابلہ ہوا۔ ولید کی بد اقبالی کے دن آ گئے تھے۔ اُس کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر اپنے محل میں جا چھپا۔ کواڑ بند کر لیے۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر ولید نے یزید کے سردار فوج عینیہ شکشکی کو جو اُس کے قتل کا بیڑا اُٹھائے تھا اپنے قدیم الطاف و اشفاق بہت کچھ یاد دلائے۔ مگر اُس نے کچھ نہ سُنی۔ آخر ولید نے یہ خیال کر کے کہ قوم بنی امیہ میرے موجودہ منظر کو عثمان کے مقتل سے مشابہ اور مساوی سمجھ کر میرے قتل سے کراہت کرے اور میری جان بچ جائے قرآن کھول کر پڑھنا شروع کیا مگر ان کے ایام سلطنت کے ساتھ ان کی زندگی کے دن بھی تمام ہو چکے تھے۔ وہ ان کی آخر وقت کی چالوں کو کچھ بھی خیال میں نہ لائے اور آخر کار اُس کو پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ اور اُسکا سر کاٹ کر یزید کے پاس لے آئے۔ یزید نے اپنے چچازاد بھائی کا سر لیکر شکر کا سجدہ ادا کیا اور اُس کو شہر میں تشہیر کرنے کا حکم دیا۔ مگر پھر بعض وجوہات سے اپنے اس حکم کو واپس لیا۔

یہ تھے ولید کے حالات اور اُس کے ناہنجار رفتار و کردار کی آخری یادداشت۔ کہ کر دو کہ نیافت۔ ہمارے ناظرین نے دیکھ لیا کہ ولید کے مظالم نے اپنے کسی اقربا اور اعزہ سے قرابتمندی اور عزیزداری کے حقوق قائم نہ رکھے اُن کو ذلیل سے ذلیل کیا اور رسوا سے رسوا۔ کیا اسلام کے مقتدا اور پیشوا ایسا رحم سے

فرائض ایسے ہی ادا کرتے تھے۔

یزید ابن ولید ابن عبدالملک کی سلطنت

ولید کے وقت ہی میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا لوگوں نے یزید کی بیعت اختیار کر لی تھی اس لیے ولید کے قتل ہوتے یزید کامل طور پر خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ اور خطبہ و سکہ اس کے نام سے جاری ہوا یہ خلیفہ فطرتاً نہایت بخیل اور تنگدل تھا۔ اور عرب کی ملکی تاریخوں نے اسے ناقص کا خطاب دیا ہے اور اسکی وجہ تسمیہ یہ بتلاتے ہیں کہ ولید نے اپنے زمانۂ سلطنت میں اہلِ لشکر کی تنخواہوں میں جو اضافے کیے تھے وہ یزید نے یک قلم بند کر دیے۔ اس وجہ سے لوگوں نے اسکو ناقص کا لقب دیا۔ مگر سب سے پہلے جس شخص نے اسکو اس لقب سے پکارا وہ مروان ابن محمد ابن مروان ہے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ولید ہی کے وقت سے بنی امیہ کی بداقبالی کا زمانہ شروع ہو گیا تھا اور اُن میں خانہ جنگیاں اور باہمی خصومتیں روز بروز بڑھتی جاتی تھیں۔ یزید کی شش ماہا حکومت کا مختصر زمانہ بھی اس سے خالی نہ رہا۔ اسکے خلیفہ ہوتے ہی سلیمان عثمان کا قیدخانہ توڑ کر نکل بھاگا اور اپنے اعوان و انصار کو جمع کر کے یزید کے سر پر چڑھ آیا۔ اہلِ حمص نے بھی سخت غدر مچایا اور مملکت فارس میں عموماً اور خراسان کے علاقہ سے لیکر مرو تک خصوصاً وہ انقلاب پیدا ہوا جس نے بنی امیہ کے تمام کاروبار اور ثروت و اقتدار کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ جس کی تفصیل عنقریب ہمارے سلسلۂ بیان میں پائی جائے گی۔

یزید اسی کشمکش میں بیمار پڑکر مر گیا اور اپنے بعد ابراہیم ابن ولید اور اُسکے بعد عبدالعزیز ابن حجاج ابن عبدالملک کو مسلسل خلیفہ بنا گیا۔ یہ ایجاد بھی نرالی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ تین پشت تک تو سلطنت کو اپنے سلسلہ میں قائم اور مستحکم کر دیا جائے۔ مگر یزید نے اپنے حسابوں تو یہ سب کچھ کر لیا۔ اُس کو نظامِ قدرت کی کیا خبر تھی اور وہ کیا جانتا تھا کہ مالک الملک حقیقی کے دربار سے اُسکی خاندانی سلطنت کے لیے اب کیا ہونے والا ہے جیسا کہ عنقریب ظہور میں آیا۔

ابراہیم ابن ولید ابن عبدالملک کی سلطنت

یزید کے بعد یہ خلیفہ تو ہوئے مگر تاریخ ابوالفدا۔ ابن اثیر اور روضۃ الصفا کے مطابق ملک میں ان کی خلافت کامل طور پر تسلیم نہیں کی گئی۔ ابوالفدا لکھتے ہیں کہ کبھی تو لوگ انہیں خلیفہ کہتے تھے اور کبھی بجے از اُمرا شمار کرتے تھے۔ بہرحال یہی کیفیت تھی کہ تھوڑے دنوں کے بعد مروان ابن محمد مروان نے اس پر اسّی ہزار کی جمعیت سے چڑھائی کر دی۔ ابراہیم نے اُس کے مقابلہ میں اگرچہ ایک لاکھ

بیس ہزار فوج سے کام لیا۔ مگر شکست کھائی اور ابراہیم اپنے معدودے چند ہمراہیوں کے ساتھ دمشق میں جاکر چھپ رہا۔ اور اپنے غیظ و غضب کی شدت میں حکم اور عثمان پسران ولید کو قتل کر ڈالا۔ کیونکہ مروان نے انہی دونوں کے نام پر اہل اسلام سے بیعت لی تھی اس لوٹ میں سلیمان ابن ہشام کی بن پڑی جو ابراہیم کے مقربان مخصوص میں سے تھا۔ اسنے خزانۂ شاہی پر خوب ہاتھ صاف کیے اور گھر کا راستہ لیا۔ ابراہیم بھی تخت حکومت چھوڑ کر روپوش ہوگیا۔

مروان ابن محمد ابن مروان الحمار کی سلطنت

مروان، جسے اسلامی دنیا الحمار کہتی ہے ۱۲۷ھ ہجری میں تخت نشین ہوا۔ مروان نے ابراہیم اور عبدالعزیز ابن حجاج کو پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ لیکن بعض مورخین کا یہ قول ہے کہ انکو امان دیکر شہر حران میں نظر بند رکھا مروان کی سلطنت اگرچہ پانچ برس تک باقی رہی مگر ان پانچ برس میں ایک دن بھی اُسے چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ دن ہوا تو تردد میں بسر ہوا۔ رات ہوئی تو پریشانی میں تمام ہوئی۔
تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی سلیمان ابن ہشام نے چڑھائی کر دی اور شکست دینے پر بھی مروان کو سلیمان سے دوبار مقابلہ کرنا ہوا۔ ابھی اس سے فرصت نہیں ہوئی تھی۔ عبد اللہ ابن معاویہ ابن عبداللہ ابن جعفر کے معاملات پیش ہوئے۔ ان سے مقابلہ ومقاتلہ بھی ہوا۔ اگرچہ عبداللہ ابن عمر مروان کے عامل نے عبداللہ ابن معاویہ کو کوفہ سے نکال دیا۔ مگر تاہم عبداللہ ابن معاویہ نے فارس، عراق عجم ومغان اور قومس تک کے لوگوں کو اپنا مطیع ومنقاد بناکر ان صوبوں پر اپنی حکومت قائم کرلی ۱۲۹ھ میں سلیمان کی تحریک سے ضحاک خارجی نے چڑھائی کر دی۔ اس سے فراغت نہیں ہوئی تھی کہ ابی حمزہ یمنی المخاطب بہ طالب الحق نے مضافات یمن میں سخت بغاوت پھیلادی۔
ان متواتر اور مسلسل دشواریوں کے علاوہ دعوت بنی عباس کی مصیبت عظیم تھی جو روز بروز قوت پکڑتی جاتی تھی اور اُنکے انتظام میں استقلال اور استحکام آتا جاتا تھا یہاں تک کہ ۱۳۲ھ ہجری میں یہ دعویدار سلطنت ہوکر مروان سے مقابلہ کے لیے علانیہ کھڑے ہو گئے۔

بنی عباسیوں کی ابتدائی کوششیں حصول خلافت کے لیے

چونکہ ہمارے مدعائے تالیف کو بنی عباسیوں سے بھی اُتنا ہی تعلق ہے جتنا بنی امیہ سے اس لیے ہم انکے حالات کو ابتدا سے لیکر اپنی ضرورت کی انتہا تک لکھیں گے۔
واضح ہو کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی وفات کے بعد سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نوعی سکونت

ترک کرکے طائف میں کاشتکاری کے ذریعہ سے قیام فرما ہوئے تھے۔ ان کے صاحبزادے علی ابن عبداللہ کا زمانہ بھی اور ہاشمیوں کی طرح خموشی میں گزرا۔ ان کے بڑے صاحبزادے محمد ابن علی نے سنہ ہجری میں ملوک بنی امیہ سے انتزاع سلطنت کا خیال پیدا کیا۔ ان کو یہ خیال کیسے پیدا ہوا۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ کتاب مقاتل الطالبین میں ابوالفرج اصفہانی تحریر فرماتے ہیں کہ عمر ابن امیرالمومنین علی علیہ السلام کے پوتے عیسے ابن عبداللہ ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ مقام ابوا میں۔ جو مدینہ سے قریب واقع ہے۔ اکابر و عمائد بنی ہاشم مثل عبداللہ ابن الحسن المثنیٰ الملقب بہ عبداللہ محض اور اُنکے دونوں صاحبزادے محمد اور ابراہیم ابن محمد ابن عبداللہ ابن عباسؓ اور اُن کے بھائی ابوجعفر منصور ابن محمد اور ابراہیم اور اُن کے چچا صالح ابن علی اور محمد ابن عبداللہ ابن عمر ابن عثمان وغیرہ بہت سے لوگ جمع ہوئے۔ یہ زمانہ عمر ابن عبدالعزیز کی خلافت کا تھا۔ اس مجمع میں صالح نے اُٹھ کر تقریر کی اور حاضرین کے سامنے یہ بیان کیا کہ :۔

یہ وہ زمانہ آگیا ہے کہ اہل زمانہ کی تمام آنکھیں ہماری رفتار کی طرف لگی ہوئی ہیں اور اپنے اپنے مقام پر ہر شخص اس امر کا متمنی ہو رہا ہے کہ وہ ہماری اقتدا کو تسلیم کرے۔ ایسی حالت میں ہمارے لیے مناسب ہے کہ ہم اپنے موجودہ مجمع میں باتفاق خود ہا ایک ایسے شخص کو منتخب کریں جو بذات خاص اس صفت سے موصوف اور اس منصب کے لائق ہو۔ ہم سب مل کر اُسی کی بیعت کریں اور آپس میں یہ عہد میثاق مستحکم کریں کہ ہم اُس کی بیعت اور اطاعت سے کسی وقت انحراف نہ کریں۔ حتیٰ یفتح اللہ و ھو خیر الفاتحین۔

صالح کی یہ تقریر سُنکر عبداللہ محض اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ایہا الناس! تم جانتے ہو کہ میرا فرزند محمد الملقب بہ نفس زکیہ اس امت کا مہدی ہے اور ہر طرح منصب امارت و امامت کے لیئے شایان و سزاوار ہے۔ آپ حضرات اُنھیں اور اُسی کی بیعت فرمائیں۔

یہ سُنکر سب سے پہلے ابوجعفر منصور (جو عباسیوں کا دوسرا بادشاہ اور نفس زکیہ کا قاتل ہوا) اُٹھا اور بکمال خلوص و عقیدت عبداللہ محض کی تائید کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں کہ اُمت اسلامیہ کے لوگ سوائے اس جوان یعنی محمد نفس زکیہ کی امارت کے اور کسی کی امارت و امامت کے ساتھ راضی و خوشنود نہ ہونگے۔

ابوجعفر کی تقریر نے اُس مجمع پر ایسی تاثیر کی کہ تمام لوگوں نے اس امر پر اتفاق کیا اور محمد ابن عبداللہ الملقب بہ نفس زکیہ کے ساتھ بیعت ہوگئی۔

مجلس شوریٰ میں جناب امام جعفر صادقؑ کی طلبی

عیسےٰ ابن عبداللہ جواس واقعہ کے ناقل ہیں بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ محض نے اسکے بعد میرے با
عبداللہ کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بھیجکر یہ پیغام دیا کہ ہم لوگ ایک امر خاص کے
اس مقام پر جمع ہوئے ہیں جس میں آپ کی مشورت بھی نہایت ضروری ہے اس لیے آپ بہت
تشریف لائیں۔ جب یہ پیام پہنچا تو آپ تشریف لائے۔ عبداللہ محض نے ساری روئیداد بیان ک
آپنے اُن کی پوری تقریر سُن کر جواب دیا کہ عبداللہ! تمہارا بیٹا مہدی نہیں ہے۔ ابھی مہدیؑ آ
کا زمانہ بہت دور ہے۔ اگر تم لوگ ظلمہ وقت سے تنگ آکر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ارا
سے فی سبیل اللہ خروج بالسیف کرنا چاہتے ہو تو بزرگ و رئیس قوم تو تم ہو۔ تم کو چھوڑ کر تمہار
بیٹے کی بیعت کیونکر ہوسکتی ہے۔

عبداللہ کو آپ کا یہ کلام ناگوار گزرا۔ اُنھوں نے ترشرو ہوکر جواب دیا کہ آپ اپنے ابن عم کے مقابلہ می
حسد کرتے ہیں۔ امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں نے اس امر کو کسی خصوصیت سے نہیں کہا ہے۔ بلک
محض خلوص و محبت کے قصد سے۔ یہ فرما کر آپ نے محمد ابن علی ابن عبداللہ کے شانے پر (جو بعد
السفاح اور عباسیوں کا پہلا بادشاہ مشہور ہوا) ہاتھ مارا اور اشارہ فرمایا کہ یہ خلیفہ ہوگا اور اس
بھائی اور اسی کی اولاد میں خلافت و امارت پہنچیگی۔ ہاں آپ کے یہ دونوں فرزند (محمد اور ابرا
اسی کے ہاتھ سے قتل ہونگے۔

عبدالعزیز کا بیان ہے کہ مجھ کو بھی تاوقتیکہ میں نے محمد اور ابراہیم دونوں کے قتل کو اپنی آنکھوں
نہ دیکھ لیا آپ کے کلام کا وثوق نہ ہوتا تھا۔ اور اس کی نسبت ہمیشہ یہی سمجھتا تھا کہ آپنے جو کچھ ار
فرمایا ہے وہ حسد و نفسانیت پر مبنی ہے۔

بہرحال۔ جب امام جعفر صادق علیہ السلام وہاں سے اُٹھے تو اور لوگ بھی اُٹھ گئے۔ اور حضرات تو ا
اپنے مقاموں پر تشریف لے گئے مگر عبدالصمد اور ابوجعفر منصور امام علیہ السلام کے ساتھ ساتھ آ
اور دولتسرا میں پہنچکر عرض کی کہ آپ نے آل عباسؓ کی خلافت کے لئے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ
ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں بالکل صحیح اور راست راست بے کم و کاست ہے۔ اور جیسا میں نے بیان کر
ہے انشاء اللہ تعالےٰ ویسا ہی ظہور میں آئیگا۔

علامہ ابوالفرج اصفہانی اس کے آگے ابوجعفر منصور کا یہ قول خود اُس کی زبانی نقل کرتے ہیں
کہ منصور کا قول ہے کہ میں اس خوشخبری کی پوری تصدیق سُنکر آپ کی خدمت سے رخصت ہو
اور گھر آیا اور اُسی وقت سے اپنے تمام معاملات میں حزم و احتیاط اور دیکھ بھال شروع کر دی او

اُسی وقت سے قول امام علیہ السّلام پر اعتماد کر کے اپنے آپ کو بلاد اسلامیہ کا خلیفہ اور فرمانروا سمجھنے لگا۔

محمّد ابن علی کا شام جانا

سنہ ۱۰۰ہجری میں محمد ابن علی اپنے معدودے چند ہمراہیوں کے ساتھ مدینہ سے شام میں پہنچے انکا اس سادگی کے ساتھ دمشق کی طرف جانا ایسا خفیہ تھا کہ کسی کو معلوم ہوا اور کسی کو نہیں۔ بہر حال یہ ملک شام میں پہنچکر علاقہ بلقاد کے موضع سراۃ میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ شام میں جس غرض سے پہنچے تھے وہ یہ تھی کہ ان دنوں حضرت محمد حنفیہ کے پوتے ابو ہاشم سلیمان ابن عبدالملک کے بہت بڑے معتمد علیہ تھے سلیمان انکی باتوں کو بہت مانتا تھا اور انکی بڑی قدر کرتا تھا۔ ابو ہاشم کا زمانہ ملک شام میں نہایت عروج پر تھا۔ محمد ابن علی نے یہ سوچا تھا کہ ابو ہاشم کے ذریعہ سے اُن کے اغراض میں بہت کچھ مدد ملیگی۔ مگر اتفاق وقت سے انکے پہنچنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد ابو ہاشم کی رحلت ہو گئی ان کی غریب جان اس طرح لی گئی کہ بنی امیہ انکی فہم و فراست اور عقل و کیاست کا پورے طور سے موازنہ اور انکے اقبال و دولت کا معائنہ کر کے اپنے حسد و نفسانیت کو ضبط نہ کر سکے اور سلیمان ابن عبدالملک کے کان انکی طرف سے اچھی طرح بھرے گئے۔ آخر کار بصلاح خود یہ رائے قرار پائی کہ ابو ہاشم کو زہر دیا جائے۔ چنانچہ ان کو دودھ میں زہر دیا گیا۔ ابو ہاشم نے زہر کا اثر فوراً محسوس کیا اور سوچے کہ اگر یہاں میری موت آئی تو میری مٹی خراب ہو گئی۔

غرض یہ وہاں سے اُٹھے اور محمد ابن علی کے پاس موضع سراۃ میں چلے آئے مگر دمشق سے یہاں پہنچتے پہنچتے زہر کا اثر پورا ہو چکا تھا اور ان کی حالت بھی خراب ہو گئی تھی۔ اس لئے انہوں نے محمد ابن علی کو اپنے استحضار کی عین حالت میں بُلایا اور کہا کہ بھائی! صادق آل محمدؐ علیہ السّلام کی زبانی مجھ کو معلوم ہو چکا ہے کہ بنی امیہ کی سلطنت کا زوال قریب ہے اور یہ سلطنت تمہاری اور تمہاری اولاد کا حصہ ہے تمہارے دل میں جو ارادہ ہے اُس سے دست بردار نہ ہونا۔ یہ کہکر ابو ہاشم نے رحلت فرمائی۔ رحمۃ اللہ علیہ واسعۃً۔

ملک فارس میں بنی عبّاسیوں کی دعوت

ابو ہاشم کا یہ قول محمد ابن علی کی ہدایت کے لئے کافی ہو گیا۔ اُسی وقت سے وہ اپنی کامیابی پر پورے طور سے متیقن ہو کر اُسکی مناسب تدبیروں میں مصروف ہوئے۔ بنی عبّاس کے عروج کی ابتدا یہی ہے۔ ابو ہاشم کے مرتے ہی اس کے ہمراہیوں نے محمد ابن علی کی بیعت اختیار کر لی۔ کتنے آدمی ایکبار محمد کے مطیع ہو گئے تو محمد نے اپنی کوششوں کی رفتار کو آہستہ آہستہ تیز کرنا شروع کیا۔ محمد نے سب سے

پہلے ابوعکرمہ سراج کے ہمراہ دہ آدمی خراسان کی طرف روانہ کیے کہ وہ اہل خراسان کو انکی بیعت راضی کرائیں۔ اسی وقت سے خراسان میں بنی عباسیوں کی خفیہ دعوت شروع ہوئی۔ پھر رفتہ رفتہ ان ہی آدمیوں سی بارہ آدمی مقرر ہوئے جو دُعاۃ یا نقبا کے لقب سے مشہور تھے۔ پھر ان بارہ نقیبوں کے نائب مقرر ہوئے اور وہ لوگ اسی طرح سے رفتہ رفتہ خراسان سے لیکر مرو تک تمام پھیل گئے۔ ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ جو شخص انکی دعوت کو قبول کرتا تھا یہ اُس شخص ایک نوشتہ دستخطی لے لیتے تھے۔ اور اُس اقرار نامہ محمد ابن علی کے پاس بھیجدیتے تھے بنی عباسیوں کی یہ خفیہ کارروائیاں ہشام کے زمان سلطنت میں سے شروع ہوکر ۱۲۶ھ ہجری ولید ابن یزید کے وقت تک قائم رہیں۔

جب بنی عباسیوں کو آہستہ آہستہ کامیابی کی امید ہوچلی تو محمد ابن علی نے سلیمان ابن کثیر اور قحطبہ ابن شبیب کو ایران کی طرف اپنی دعوت ستانی کی غرض سے بھیجا۔ اوران کے بعد پھر اور ستر آدمی دستور العمل لکھ لکھ کر یکے بعد دیگرے بھیجدیے گئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد محمد ابن علی نے ستراۃ فرمایا۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے ابراہیم اُن کے قائم مقام ہوئے۔

سلاطین بنی امیہ سے چھیڑ چھاڑ

۱۲۰ھ ہجری میں جناب زید شہید علیہ الرحمۃ والرضوان ہشام کے مظالم کا نشانہ ہوچکے اور اُنکے ۱۲۱ھ ہجری میں اُن کے صاحبزادے یحیٰے ابن زید رحمۃ اللہ علیہ بھی بحکم ولید علاقۂ جرجان میں کیے گئے تو اُسی وقت سے سلطنت کو ان دعویداروں کا خیال پیدا ہوگیا۔ ادھر ان دونوں کے مارے جانے سے بنی عباسیوں کو بھی پورا نفع اُٹھا۔ جناب زید رضی کے قتل ہونے سے اہل بسر کروگی ابوسلمہ ان کی طرف مائل ہونے لگے۔ اُدھر حضرت یحیٰے کے مارے جانے سے جرجان اُس کے تمام علاقہ میں بنی عباس کی دعوت تسلیم کرلی گئی۔

بنی عباسیونکا عاقلانہ سکوت

بنی امیہ کی بڑھی ہوئی قوتوں کے سامنے بنی عباس نے جس آہستگی اور خاموشی سے کام لیا اُنکی ترقی اور کامیابی کا آخر میں اصلی باعث ثابت ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عباسیوں نے بھی بنی کے خلاف ملکی رعایا کی تسخیر قلوب کے لیے وہی نسخہ تجویز کیا جو ان سے پہلے اکثر نباض زمانہ حضرات تھے۔ مگر اُن کو اس میں کامیابی نہ ہوئی اور ان کو ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض اپنے متابعین کے زبانی قول و قرار پر اور کچھ اپنی ذاتی ہمت و دلیری پر اعتبار کرکے قبل از سلطنت کے ایسے قوی حریف سے مقابلہ کردیا۔ اور اس سے بہت پہلے کہ اُن میں

زبردست غنیم کے مقابلہ کی قوت اور صلاحیت آئی ہو یا نہیں اپنی موجودہ جمعیت کو لیکر میدان جنگ
میں نکل آئے اور انہی اعوان وانصار پر اعتماد کلی رکھے رہے ۔ جو جانی کوششوں سے زیادہ زبانی
وعدوں کا اظہار کرتے تھے ۔ اِس لیے اُن کو اپنے حصول مدعا میں کامیابی نہیں ہوئی ۔

بخلاف ان کے عباسیوں نے اپنے مدعا کے اظہار اور اپنے ارادوں کے اعلان کو نہایت سختیوں سے روکا
اور ضبط کیا اور جس وقت تک کہ اُن میں سلطنت کے ایسے قوی حریف سے مقابلہ کی پوری قوت نہ پیدا ہوئی
اُنہوں نے اپنے مقام سے جنبش نہیں کی ۔

مختار سے لیکر حضرت زید شہید تک جن جن حضرات نے حصول مقاصد میں ہزیمتیں اُٹھائیں اور ناکامیاب
رہے اُن کی یہی دو وجہیں ثابت ہوتی ہیں ۔ ایک تو اُن کی قبل از وقت صف آرائی اور تیغ آزمائی ۔ اور
دوسرے اُن کے اعوان وانصار کی عہد شکنی اور بیوفائی ۔

عباسیوں کے تجربہ کی آنکھوں نے سب سے پہلے اس نقص پر غور کیا اور اپنے معاملات میں اس نقص سے
بچنے کے لیے بڑی احتیاط کی ۔ اسی لیے اُن کے ابتدائی امور میں کوئی خلل نہیں پڑا اور وہ اپنی خواہشوں میں
کامیاب ہوئے ۔

نصرت اہلبیت کے وعدوں کے ساتھ دعوت بنی عباس

مگر باوجود اتنے حزم واحتیاط کے عباسیوں نے بھی اپنے حصول مقاصد کے لیے تسخیر قلوب اور عام رضامندی
حاصل کرنے کے باعث سے نصرت اہلبیت علیہم السلام کے محض زبانی وعدوں کو اپنا شعار بنایا اور آخر کار اس
طریقہ میں پھر بزرگان سلف کی تقلید اختیار کی اور وہی حقوق آل محمدؐ اور نصرت اہلبیتؑ کی ظاہری اور
نمائشی نقش ونگار کے ساتھ اپنے شاہد مدعا کو جلوہ آرا کیا اور اپنے حصول مقاصد کی تدبیروں کو اس آڑ
میں دکھلایا جس کلمہ کے ساتھ اُنہوں نے اپنی دعوت کا اعلان شروع کیا اور جس لفظ سے بلاد اسلامیہ کے
لوگوں کو دعوت دی گئی وہ **رضائے آل محمدؐ** کا مجمل خطاب تھا ۔ کیونکہ جب عباسی نقیبوں سے دعوت کی
وجہ پوچھی جاتی تھی وہ یہی کہتے تھے کہ "رضائے آل محمدؐ" ۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے بھی اپنے حصول مقاصد کے لیے (گو وہ زبانی کیوں نہ ہو) حضرات
اہلبیت علیہم السلام اور آل محمد سلام اللہ علیہم ہی کو اپنا ذریعہ اور وسیلہ بنایا ہے اور اُمت اسلامیہ کے دلوں
میں انکی دعوت نے جو عام رسائی اور تاثیر پیدا کی وہ انہی مقدس حضرات کے خلوص وبرکت اور حقیقت کی بدولت
تھی کیونکہ ظلمۂ وقت کے ہاتھوں جو مظالم گزرے تھے یا جو جو حق تلفیاں ظاہر ہوئی تھیں وہ انہی بزرگواروں کی جان
ومال تک محدود ومنحصر تھیں ۔ اُنسے بنی عباس کو کوئی واسطہ اور کوئی سروکار نہیں تھا ۔ ان پر جو مصائب اور
ایذائیں گزر چکے تھے یا گزر رہے تھے اُنکو دیکھ دیکھ کر اہل زمانہ نے ظالم اور مظلوم کی پورے طور پر تمیز کرلی تھی اور

اُس کا کامل اثر وہ محسوس کر رہے تھے۔ اس لیے جب بنی عبّاس نیا اور کوئی ان حضرات کی نصرت او
کی غرض اُن کے سامنے پیش کرتا تھا تو فوراً اُن تمام مصائب و شدائد کا اثر اُن کے دلوں میں زندہ ہو
اور فوراً وہ قبول کر لیتے تھے۔

خراسان میں آل جعفر کا عروج

بنی عباس ایران میں کیسے پہنچے؟

یہ حضرات ایران میں کیسے پہنچے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ محمد ابن علی نے ابو عکرمہ سراج کو ستّے
کی طرف بھیجا تھا۔ انکی دعوت کا سلسلہ تو اُسی وقت سے شروع ہو چلا تھا مگر اُن کی تحریک اس وقت تک
شمار میں لائے جانے کے قابل نہیں تھی۔ انکے خراسان جانے کی کیفیت یہ ہوئی کہ جب عبد اللہ ابن معو
عبد اللہ ابن جعفر کی حکومت کا رنگ۔ فارس۔ عراق عجم سے لیکر قومس تک جم گیا جیسا کہ اوپر لکھا گ
تو قریب قریب تمام بنی عبّاس عبد اللہ ابن معٰویہ ابن عبد اللہ کی خدمت میں جا پہنچے اور اُسی وقت سے
لوگوں کی آمد و رفت جاری رہی۔ عبد اللہ ابن معٰویہ ابن عبد اللہ ابن جعفر نے ان لوگوں کی خاطر اور د
کی اور ان لوگوں کو لشکر میں ممتاز عہدے عطا کیے۔

ترقی پاکر بنی عبّاس نے آل جعفر سے کیا کیا؟

بُرا ہو اس خود غرضی اور طمع کا۔ جب آل جعفر کے عروج و اقبال کا ستارہ زوال کے قریب پہنچا تو افسو
حضرات نے اپنے ایسے محسن کی ذرا بھی استمداد و اعانت نہ کی بلکہ ان کے زوال اور کامل استیصا
اپنی ترقی اور اقبال کا اصلی باعث سمجھ کر خوش ہو بیٹھے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ:۔
۱۲۹ھ ہجری میں آل جعفر کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھکر سلاطین بنی امیّہ کو انکی تباہی و بربادی کا
تو انہوں نے عامر ابن ضبارہ اور معن ابن زائدہ کو انکی مہم پر تعینات کیا۔ ان دونوں نے آل جعفر پ
طرف سے حملہ کر دیا۔ عبد اللہ کی فوج فوراً پسپا ہو گئی اور عبد اللہ کو معدودے چند ہمراہیوں کے ساتھ
جنگ میں چھوڑ کر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلم خراسان اور اُسکے مضافات میں عباسیو
دعوت کر رہا تھا اور اُسکی قوت بھی روز بروز ترقی پر تھی۔ عبد اللہ ابن معٰویہ اور اُنکے بھائی حسن نے
خیال سے کہ مسلم رضائے آل محمدؐ کی دعوت کر رہا ہے۔ وہ ہماری استمداد ضرور کریگا۔ اس کے پاس جا
قصد کیا۔ ابو مسلم اُن دنوں مرو میں تھا۔ جب یہ لوگ ہرات کے شہر میں پہنچے تو مالک ابن ہیثم خزا
انکو روکا اور ابو مسلم کو انکے آنے کی اطلاع لکھ بھیجی۔

قبل اس کے کہ ابومسلم کے پاس سے اسکی رپورٹ کا کوئی جواب آئے مالک نے ایک دفعہ عبداللہ سے پوچھا کہ آپ کے والد کا خلاف عادت اہلبیت علیہم السلام سُنو یہ کیوں نام رکھا گیا۔ آل محمدؐ یا اہلبیت کے تو نام ایسے نہیں ہوتے۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ آل محمدؐ سے نہیں ہو عبداللہ نے اس کے جواب میں کہا کہ میرے والد کا نام معاویہ اس وجہ سے رکھا گیا کہ میرے جدّ بزرگوار عبداللہ ابن جعفر طیار علیہ السلام معاویہ ابن ابوسفیان کے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ میرے والد کی ولادت کا مژدہ انہیں پہنچایا گیا۔ یہ سُنکر معاویہ نے میرے دادا سے کہا کہ میں تین سو دینار آپکو صرف اس غرض سے دیتا ہوں کہ آپ اپنے اس لڑکے کا نام میرے نام پر رکھیں۔ میرے جدّ بزرگوار نے مصلحت وقت پر خیال کرکے اُسکے التماس کو قبول فرمالیا اور میرے والد کا نام معاویہ رکھا۔

یہ سُنکر مالک نے کہا سبحان اللہ! اُنہوں نے تھوڑی سی رقم رشوت میں لیکر ایسا بُرا نام اپنے لڑکے کا رکھدیا۔ تم لوگوں کا جو دعوےٰ ہے۔ اُس میں میرے نزدیک تمہارا کوئی حق معلوم نہیں ہوتا۔

بہرحال۔ یہ قصّہ تو یہاں کا تھا۔ اب اُدھر کی سُنیئے۔ جب مالک کا قاصد ابومسلم کے پاس پہنچا تو اُسنے تمام احوال دریافت کرکے یہ خیال کیا کہ دو بادشاہ در یک اقلیم نہ گنجند۔ عبداللہ کے ایسے مساوی قوت والے کو چھوڑ دینا اپنے حصول مدعا کے لیے باعث مضرت ضرور ہو گا۔ اسنے مالک کو لکھ بھیجا کہ عبداللہ کو مع اُنکے ہمراہیوں کے قتل کر ڈالو۔ جب ابومسلم کا یہ حکم مالک کو پہنچا تو اُس نے عبداللہ کو اُن کے ہمراہیوں کے ساتھ قتل کر ڈالا۔ ان حضرات کے مزار اس وقت تک ہرات میں **مقابر سادات** کے نام سے مشہور ہیں۔

ابومسلم جو ان سادات کا قاتل تھا اور بنی عباس کی دولت و ثروت کا مدعی۔ کچھ بھی ان وطن آوارہ سادات کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرسکا۔ طمع دنیا۔ خود غرضی کا مرض ایسا ہی لاعلاج مرض ہوتا ہے جو دوست۔ دشمن اپنے اور بیگانے کی امتیازی قوتوں کو انسان کے قلب سے صلب کرلیتا ہے۔

بہرحال۔ یہ تو معلوم ہوچکا ہے کہ عراق فارس سے قومس ہمک کا علاقہ آل جعفر کے زیر اثر آچکا تھا۔ عبداللہ ابن معاویہ کے قتل ہوتے ہی سرحد ایران سے لیکر عراق عجم تک یہ تمام علاقہ کا علاقہ اور ملک کا ملک بغیر کسی خلش کے ابومسلم کے قبضہ میں آگیا اور نصر بن سیّار جو بنی امیہ کی طرف سے والی خراسان تھا ابومسلم کے ہاتھ سے ہزیمت اُٹھاکر بھاگ گیا۔ اور خراسان کا علاقہ بھی اسکی حکومت میں آگیا۔

ابومسلم مروزی کون تھا؟

ابومسلم کے نسب میں بہت اختلاف ہے۔ کوئی کچھ لکھتا ہے کوئی کچھ۔ روضۃ الصفا کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی امیہ نے۔ بنی عباس کے چڑانے اور غصّہ میں لانے کے لیے مسلم اور اُس کے باپ

شلیط کو اولاد عباس میں شامل کیا تھا اور اُس کے سلسلہ کو یوں ملایا تھا کہ ابو مسلم کی ماں حضرت
عبداللہ ابن عباسؓ کی کنیز تھی۔ عبداللہ ابن عباسؓ نے ایک بار اُسے اپنی صحبت کے شرف سے مشرف کیا
پھر آزاد کرکے اُس کا عقد ایک غلام کے ساتھ کر دیا اور اُسی کے صلب سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا
رکھا گیا۔ شلیط جب جوان ہوا تو اتفاق وقت سے ولید ابن عبدالملک کے مخصوصین میں شامل ہوگیا
آل مروان اور بنی عباس میں ہمیشہ سے چشمک چلی جاتی تھی اس لیے ایک بار ولید نے شلیط کو سکھا
ابن عباسؓ کی وراثت پر دعوےٰ کرا دیا۔ قاضی کے پاس مرافعہ پیش ہوا۔ قاضی کی کیا مجال کہ ول
کسی فیصلہ پر جرأت کر سکے۔ اِدھر اُدھر کے سازشی گواہ سُناکر شلیط کو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا
قرار دیدیا۔ ولید نے عدالت سے ڈگری حاصل کرکے علی ابن عبداللہ کو شلیط کے ترکہ
لیے بہت تنگ کیا۔

ابو مسلم شلیط کا بیٹا تھا۔ شلیط مدۃ العمر بنی امیہ کا حامی اور ہوا خواہ بنا رہا۔ بخلاف اسکے ابو
بنی عباسیوں کا ساتھ دیا۔ ولید نے شلیط کو پہلے اصفہان کا پھر کوفہ کا عامل مقرر کر دیا تھا۔ ابو
پیدائش سنہ ہجری میں ہوئی اور اُسنے کوفہ میں نشو و نما پائی۔ جب ابو مسلم سن شعور پر پہنچا تو بنی
ستارہ رو بہ ادبار تھا اور عباسیوں کی دعوت کی چھیڑ چھاڑ اِدھر شروع تھی۔ ابو مسلم نے ابراہیم ابن
ابن عباس کا ساتھ دیا اور بنی امیہ کے حقوق سابقہ کا کوئی خیال نہیں کیا۔ ابراہیم کی خدمت میں آ
قبل اس کا نام ابراہیم تھا اور کنیت ابو اسحاق۔ ابراہیم نے اپنے نام سے توارد واقع ہونے کی وجہ
نام عبدالرحمٰن اور کنیت ابو مسلم رکھی۔ عمر ابن اسمٰعیل کی لڑکی سے جس کی کنیت ابو النجم تھی ابو
کر دیا۔ اور پھر اُس کو خراسان کی طرف بھیجا۔ جہاں پہنچکر اس سے وہ وہ کارہائے نمایاں ظاہر
آج تک تاریخوں میں یادگار ہیں اور اُن میں سے کچھ اور بھی بیان کیے گئے ہیں۔

بنی عباس کی کامیابیوں کے عمدہ ذریعے

ایران میں آل جعفر کی استیصال اور بردباری سے ابو مسلم کو حصول کامیابی کا پورا موقع مل گ
عرب میں بنی امیہ کی خانہ جنگی اور یزید ابن ولید اور سلیمان ابن ہشام کی باہمی مخالفت نے بہت کچھ
اور بنی عباس اس نعمت غیر مترقبہ سے متمتع ہوکر اپنی کامیابی اور حصول مقاصد پر پورے طور س
اور سنہ ۱۲۹ ہجری سے عراق عجم۔ خراسان اور قومس۔ اس تمام ملک میں سلاطین بنی امیہ کے نام خ
موکر ابراہیم ابن محمد کا نام داخل کر دیا گیا۔

اس سے پہلے لکھا گیا ہے کہ نصر ابن سیار جو بنی امیہ کی طرف سے ممالک ایران کا عامل تھا۔ مرو
سے شکست کھا کر بھاگا۔ اس نے رے میں پہنچکر مروان حمار موجودہ خلیفۂ وقت کو پوری کیفیت ل

لو اولاد عباس میں شامل کیا تھا اور اُس کے سلسلہ کو یوں ملایا تھا کہ ابومسلم کی ماں حضرت
ابن عباسؓ کی کنیز تھی۔ عبداللہ ابن عباسؓ نے ایک بار اُسے اپنی صحبت کے شرف سے مشرف بھی فرمایا
دکرکے اُس کا عقد ایک غلام کے ساتھ کردیا اور اُسی کے صلب سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام شلیط
شلیط جب جوان ہوا تو اتفاق وقت سے ولید ابن عبدالملک کے مخصوصین میں شامل ہوگیا۔ چو
وان اور بنی عباس میں ہمیشہ سے چشمک چلی جاتی تھی اس لیے ایک بار ولید نے شلیط کو سکھلا کر عبد
اس رضؓ کی وراثت پر دعوے کرادیا۔ قاضی کے پاس مرافعہ پیش ہوا۔ قاضی کی کیا مجال کہ ولید کے
سلہ پر جرأت کرسکے۔ اِدھر اُدھر کے سازشی گواہ سُنکر شلیط کو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا صلبی فرز
دیا۔ ولید نے عدالت سے ڈگری حاصل کرکے علی ابن عبداللہ کو شلیط کے ترکہ دینے
ت تنگ کیا۔

شلیط کا بیٹا تھا۔ شلیط مدۃ العمر بنی امیہ کا حامی اور ہواخواہ بنا رہا۔ بخلاف اسکے ابومسلم نے ہم
سیوں کا ساتھ دیا۔ ولید نے شلیط کو پہلے اصفہان کا پھر کوفہ کا عامل مقرر کردیا تھا۔ ابومسلم کی
سنہ ۱۰۰ ہجری میں ہوئی اور اُسنے کوفہ میں نشو و نما پائی۔ جب ابومسلم سن شعور پر پہنچا تو بنی امیہ کا
بہ ادبار تھا اور عباسیوں کی دعوت کی چھیڑ چھاڑ اِدھر شروع تھی۔ ابومسلم نے ابراہیم ابن محمد ابن ع
ں کا ساتھ دیا اور بنی امیہ کے حقوق سابقہ کا کوئی خیال نہیں کیا۔ ابراہیم کی خدمت میں آنے سے
کا نام ابراہیم تھا اور کنیت ابواسحاق۔ ابراہیم نے اپنے نام سے توارد واقع ہونے کی وجہ سے اس
رحمن اور کنیت ابومسلم رکھی۔ عمر ابن اسمٰعیل کی لڑکی سے جس کی کنیت ابوالنجم تھی ابومسلم کا نکا
پھر اُس کو خراسان کی طرف بھیجدیا۔ جہاں پہنچکر اس سے وہ وہ کارہائے نمایاں ظاہر ہوئے
تاریخوں میں یادگار ہیں اور اُن میں سے کچھ اور بھی بیان کیے گئے ہیں۔

بنی عباس کی کامیابیوں کے عمدہ ذریعے

ں آل جعفر کی استیصال اور بُردباری سے ابومسلم کو حصول کامیابی کا پورا موقع مل گیا۔ امرا
بنی امیہ کی خانہ جنگی اور یزید ابن ولید اور سلیمان ابن ہشام کی باہمی مخالفت نے بہت کچھ نفع پہنچا
س اس نعمت غیر مترقبہ سے متمتع ہوکر اپنی کامیابی اور حصول مقاصد پر پورے طور سے فائز ہو
ری سے عراق عجم۔ خراسان اور قومس۔ اس تمام ملک میں سلاطین بنی امیہ کے نام خطبہ سے خا
ابن محمد کا نام داخل کردیا گیا۔

پہلے لکھا گیا ہے کہ نصر ابن سیار جو بنی امیہ کی طرف سے ممالک ایران کا عامل تھا۔ مرو میں ابومسل
کھا کر بھاگا۔ اس نے رَے میں پہنچکر مروان حمار موجودہ خلیفۂ وقت کو پوری کیفیت لکھ بھیجی

اُس میں یہ بھی لکھدیا کہ یہ

مروان حمار یہ خط پڑھ
ابراہیم ابن محمد کے پاس
مروان نے وہ خط پڑھا
ملک خراسان چھوڑ کر بھا
معلوم کرکے قاصد سے ک
مروان نے کہا کہ میں ا
تجھ کو دے وہ مجھ کو لا کر
کرلیا۔ مروان نے [illegible]
قاصد وہاں سے روانہ
لکھا کہ تم کو چاہیے کہ [illegible]
[illegible] احتیاطات [illegible]
پورے طور پر کرو۔

مروان اور ابراہیم

کو جو موضع حمیمہ من مضافات
موقع پر پہنچکر ان لوگوں کو گر
اُس کے سامنے لائے گئے
سے کام تمام کردیا۔ اور یہ بھی
کسی قسم کی خط و کتابت
ابراہیم سخت نادم اور پشیمان

مروان نے ابراہیم کو قید
[illegible]

اُس میں یہ بھی لکھدیا کہ یہ فتنہ قریب ہے کہ حدودِ شام تک پہنچکر خلافت کی تباہی و بربادی کا باعث ٹھیرے۔

مروان نے ابومسلم کا خط پکڑ لیا

مروان حمار یہ خط پڑھ ہی رہا تھا کہ اُس کے مخصوصین ابومسلم کے اُس قاصد کو پکڑ لائے جو ابومسلم کا تہنیت نامہ ابراہیم ابن محمد کے پاس لیے جاتا تھا۔ مروان نے ابومسلم کے قاصد سے پوچھا کہ وہ خط دے۔ اُس نے دیدیا۔ مروان نے وہ خط پڑھا تو اُس میں لکھا تھا کہ نصر ابن سیار نے میرے ہاتھ سے شکست فاش اُٹھائی۔ وہ ملک خراسان چھوڑ کر بھاگ نکلا اور وہ تمامی ملک میرے قبض و تصرف میں آگیا ہے۔ مروان نے یہ حال معلوم کر کے قاصد سے کہا کہ ابومسلم نے تجھ کو اس خط پہنچانے کی کیا اجرت ہے؟ قاصد نے وہ رقم بتلائی۔ مروان نے کہا کہ میں اس سے دونی جمع تجھ کو اس شرط پر دیتا ہوں کہ تو یہ خط ابراہیم کے پاس لیجا اور جو جواب تجھ کو دے وہ مجھ کو لا کر پھر دکھلادے۔ مگر اُس کو یہ معلوم نہ ہونے پائے۔ قاصد نے ان تمام باتوں کو قبول کرلیا۔ مروان نے کچھ رقم بیعانہ کے طور پر اُسے دیدی۔

قاصد وہاں سے روانہ ہوا اور ابراہیم کے پاس پہنچا۔ ابراہیم نے ابومسلم کا خط پڑھا اور اُس کے جواب میں لکھا کہ تم کو چاہیے کہ ہماری دولت و اقبال کے حصول میں کوشش ہائے بلیغ عمل میں لاؤ اور اُن امور کو نہایت حزم و احتیاط سے مدِ نظر رکھو۔ اور ہمارے مخالفین کا استیصال جس حیلہ اور جس تدبیر سے مناسب ہو پورے طور پر کرو۔

مروان اور ابراہیم یہ خط لیکر ابراہیم نے قاصد کو حوالہ کیا اور وہ حسب الوعدہ یہ خط لیکر مروان کے پاس آیا۔ مروان نے خط پڑھ کر عامل جابلقا کو لکھا کہ ابراہیم اور اُن کے اعوان و انصار کو جو موضع حمیمہ من مضافات شہر جابلقا میں قیام پذیر ہیں گرفتار کر کے میرے پاس بھیجدے۔ عامل جابلقا نے دفعۃً موقع پر پہنچکر ان لوگوں کو گرفتار کیا اور مروان کے پاس بھیجدیا۔ مروان اُن دنوں حران میں تھا۔ ابراہیم جب اُس کے سامنے لائے گئے تو اُس نے نا ملائم الفاظ اور سخت کلامی کا اظہار کیا جس کا جواب ابراہیم نے بھی درشتی سے کلا بکلہ دیا۔ اور یہ بھی کہا کہ میں ابومسلم کے قضیہ سے واقف نہیں ہوں۔ اور میرے اُس کے درمیان کسی قسم کی خط و کتابت نہیں ہے۔ اتنا سُننا تھا کہ مروان نے وہ خط اور قاصد ابراہیم کے سامنے کردیے۔ ابراہیم سخت نادم اور پشیمان ہو کر خاموش ہو رہے۔

ابراہیم کی گرفتاری اور اُنکا قتل

مروان نے ابراہیم کو قید کر دیا۔ قید خانہ میں بنی ہاشم اور بنی امیہ دونوں گروہ کے چند آدمی پہلے سے گرفتار تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جن پر خلیفہ کو خروج کرنے کا شبہہ تھا۔ [illegible]

ات کو کچھ لوگ قید خانہ میں گئے اور تھوڑی دیر اندر رہ کر پھر باہر نکل آئے۔ صبح کو جو میں محبس کے
یا۔ میں نے تینوں آدمیوں کو مُردہ پایا۔ ان لوگوں کے ساتھ دو غلام بھی قید کیے گئے۔ ان سے
حالات پوچھے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ رات کو آئے اور عبداللہ و عباس کے مُنہ پر تکیہ رکھکر بیٹھ گئے
کے دم رُک گئے اور وہ دم کے دم میں پھڑک پھڑک کر رہ گئے۔ یہ تو ہمراہیان ابراہیم کے مارے جانے
یفیت تھی۔ ابراہیم کے قتل کیے جانے کی یہ صورت ہوئی کہ ابراہیم کو ایک حوض پُرآب میں دیر تک
ئے رہے اور اُن کو اُس میں سے نکلنے نہ دیا۔ یہاں تک کہ اُن کی آمد و شد نفس بھی منقطع ہوگئی۔
سیے کہ ابراہیم کی گرفتاری کے بعد سفاح۔ منصور۔ اسمٰعیل۔ ابو داؤد۔ صالح اور عبدالصمد وغیرہم ہُر
م حضرات بھاگ کر ابوسلمہ کے پاس کوفہ چلے آئے

ابوسلمہ اور بنی فاطمہ سے قبول خلافت کی درخواست

سلمہ حلال۔ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے عراق میں عموماً وزیر آل محمد کے لقب سے آج تک یاد کیا
ہے۔ وہ شخص ہے جس نے عراق سے بنی امیہ کے تمام اقتدار و آثار کو اُکھاڑ پھینکا۔ جب بنی عباس علاقہ
ام سے پریشان ہو کر کوفہ آئے تو ابوسلمہ نے ان لوگوں کو اپنے گھر میں پوشیدہ رکھا اور ابومسلم کو انکی
ستان لکھ بھیجی۔

اسان کی فوج نے کوفہ ... کر بنی امیہ کو شکست دی

ابومسلم نے ابوسلمہ کا خط پڑھتے ہی خراسان کی تمام فوج کو قحطبہ اور حسن
کی ماتحتی میں دیکر کوفہ کی طرف روانہ کیا۔ جب خراسانیوں کا لشکر کوفہ
میں پہنچ گیا تو بنی امیہ کی فوج سے مقابلہ ہوا اور بہت بڑی خونریزی واقع
ہوئی۔ قحطبہ تو مارا گیا مگر حسن نے اپنے بگڑے ہوئے لشکر کو سنبھالا
یا اور بنی امیہ کی فوج پر اس شدت سے حملہ کیا کہ وہ تحمل نہ کرسکی اور میدان سے بھاگ گئی خراسانیو
ئے مروانیوں کو مار مار کر کشتوں کے پشتے لگا دیے۔

ابوسلمہ کا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں قبول خلافت کے لیے خط لکھنا اور آپکا قطعی انکار

وانیوں کو کامل شکست دیکر حسن ابوسلمہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابوسلمہ حسن کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم
سے پیش آیا۔ مسند پر اپنے پہلو میں بٹھایا۔ حسن نے ابوسلمہ کو ابومسلم کا خط دکھایا جس میں خراسان کی تما
ج کو ابوسلمہ کی اطاعت اور متابعت کی تاکیدیں لکھی ہوئی تھیں۔ ابوسلمہ یہ خط لیکر کوفہ کی مسجد جامع میں آ
ور تمام لوگوں کو ابومسلم کا خط سُنایا۔ تمام لوگوں نے اُس کی اطاعت اختیار کی اور اُس کو

اقتدا کو تسلیم کیا
کہ کوئی شخص المبد
اس تجویز کو بنظ
کے لیے استدعا ک
تیسرا عمر ابن علی
ابوسلمہ نے خطو
میں پیش کیا جائے
فرمائیں تو عبداللہ
راضی نہوں تو ع
بہر حال۔ ابوسلم
امام جعفر صادق
تھے۔ سامنے فتـ
چراغ کی لَو دکھا
ہو کر عبداللہ محض

عبـ

عبداللہ وہ خـ
ارشاد فرمایا کہ
پر اعتبار نہیں کـ
دوسری روایـ
وہ خط لیے جنا
لیے استدعا کر
سائی ہو چکا
کیا جواب لکھـ
نہ آؤ اور اُس
عبداللہ محض
عمر اشرف

ا کوتسلیم کیا۔ چونکہ ابراہیم ابن محمد کا آخری نتیجہ اُس وقت تک معلوم نہیں تھا اسلیے ابوسلمہ نے یہ خیال کیا
ئی شخص اہلبیت طاہرین میں سے مستقل خلیفہ قرار دیکر دمشق دارالخلافت امویہ پر حملہ کا سامان کیا جائے۔
تجویز کو مدِنظر رکھ کر اُس نے تین نامے تین بزرگواروں کے نام لکھے اور ان تینوں خطوں میں قبول خلافت
لیے استدعا کی۔ ان میں سے پہلا خط جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام۔ دوسرا عبداللہ محض کے نام
را عمر ابن علی ابن حسین المعروف بہ عمر الاشرف کے نام لکھا۔

سلمہ نے خطوط دیتے وقت قاصد کو تاکید کر دی کہ سب سے پہلے خط جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت
پیش کیا جائے۔ اگر وہ میری استدعا قبول فرمائیں تو بقیہ دونوں خط چاک کر دیئے جائیں اور اگر آپ انکار
یں تو عبداللہ محض کے پاس خط دیا جائے۔ اور وہ قبول کرلیں تو عمر الاشرف کا خط پھاڑ دیا جائے۔ اگر وہ بھی
ی نہوں تو عمر الاشرف کو خط پہنچایا جائے۔ جواب وہ جودیں وہ میرے پاس لے آیا جائے۔

ال۔ ابوسلمہ کا قاصد کوفہ سے مدینہ میں پہنچا۔ رات کا وقت تھا قاصد حسب الہدایت سب سے پہلے جناب
جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نماز مغرب سے فارغ ہوکر تعقیبات میں مصروف
سامنے فتیلہ سوز روشن تھا۔ قاصد نے ابوسلمہ کا خط پیش کیا۔ آپ نے اُس خط کو اسی طرح بغیر کھولے
ی لَو دکھا کر جلا دیا۔ اور قاصد سے ارشاد کیا کہ اس کا جواب یہی ہے۔ قاصد آپ کی خدمت سے رخصت
بداللہ محض کے پاس پہنچا اور اُنکو اُن کا خط دیا۔

عبداللہ محض اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی باہمی گفت گو

للہ وہ خط لیے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بغرض مشورہ آئے آپ نے اُن سے
فرمایا کہ اہل خراسان شیعہ ہمارے نہیں ہیں اور ہم اُن میں سے کسی کو نہیں پہچانتے اور ابوسلمہ کے قول
ر نہیں کرتے۔

روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ محض یہ خط پا کر نہایت مسرور ہوئے اور از روئے مفاخرت
لیے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ابوسلمہ مجھ سے قبول خلافت کے
دعا کرتا ہے آپ کی کیا رائے ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے وہ مجھ سے اس امر کے لئے
چکا ہے۔ یہ سُنکر عبداللہ کی پُرجوشی دھیمی پڑی تو نرم آواز سے پوچھنے لگے کہ پھر آپ نے اُسے
ب لکھا؟ امامؑ نے فرمایا کہ میں نے اس کو بغیر دیکھے چراغ میں جلا ڈالا ہرگز ہرگز تم اُسکی سازش میں
اس کے پاس نہ جاؤ۔ خلافت اب ہمارے قابل نہیں ہے۔

محض کے بعد وہ قاصد حسب الہدایت

نہیں دے سکتا۔ روضۃ الصفا جلد سوم۔

اس واقعہ کو امام یافعی نے بھی اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ اُنکی عبارت یہ ہے۔

وکتب ابو سلمۃ الخلال کان من دعاۃ الناس الی موالاۃ اہلبیت وابو مسلم المروزی تابعا الی ثلثۃ نفرھم جعفر الصادق علیہ السلام وعمر الاشرف وعبد اللہ المحض ابن حسن المثنی رضی اللہ عنہم فبداء الرسول جعفر الصادق رضی اللہ عنہ ودخل علیہ لیلا وبلغ کلامہ فقال للرسول قرء الکتاب ثم قل الجواب فقال لخادمہ قرب السراج فاحرقہ وقال للرسول قد رایت الجواب فذھب الرسول الی عبد اللہ المحض فقرء الکتاب مال الی خلافۃ ابنیہ محمد الملقب بالنفس الزکیۃ وابراھیم ودعا جعفر الصادق علیہ السلام واستشارہ فقال لہ جعفر علیہ السلام قد علم اللہ انی لا اذخر النصح من احد من المسلمین فکیف اذخرہ عنک یا عمی فلا تمنین نفسک فان ھذہ الدولۃ تتم لبنی عباس فوقع کما قال واما عمر الاشرف فکان غلاما۔

ابوسلمہ حلال جو اہلبیت علیہم السلام کے لیے لوگوں کو دعوت کرتا تھا اور ابو مسلم جو ابوسلمہ کا تابع تھا دونے تین آدمیوں کے نام خط لکھا۔ ایک جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام۔ دوسرا عبد اللہ محض کے پاس۔ تیسرا عمر الاشرف کو۔ قاصد نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے ابتدا کی اور سب سے پہلے آپ کی خدمت میں رات کے وقت حاضر ہوا۔ خط دیا اور جواب مانگا آپنے خادم کو حکم دیا کہ شمع سامنے لائے جب شمع سامنے آئی تو آپ نے وہ خط جلا دیا اور قاصد سے فرمایا کہ اسکا...... یہی جواب ہے قاصد بھی وہاں سے اُٹھ کر عبد اللہ محض کے پاس آیا۔ خط دیا اُنہوں نے خط پڑھا۔ اور اپنے بیٹوں محمد الملقب بہ نفس زکیہ اور ابراہیم کے لیے خلافت کے خواہشمند ہوئے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس امر خاص میں آپ سے مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے چچا خدائے تبارک وتعالےٰ نے مجھے حکم محکم فرمایا ہے کہ میں کسی مرد مسلمان کی نصیحت سے دریغ نہ کروں توپھر ایسی حالت میں آپ کی نصیحت سے کیسے باز رہ سکتا ہوں۔ پس آپ اپنے نفس میں اس امر کی تمنا نہ کریں کیونکہ یہ امارت بنی عباس کے لیے مخصوص ہو چکی ہے۔ چنانچہ جیسا آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی واقع ہوا۔ عمر الاشرف مدینہ میں نہیں تھے۔

چنانچہ امام یافعی تحریر کرتے ہیں۔

وارسل ابو مسلم المروزی صاحب الدولۃ الی جعفر الصادق علیہ السلام قال انی دعوا الناس الی موالات اھل البیت فان رغبت فیہ فانا ابایعک فاجابہ ما انت من رجالی ولا الزمان زمانی ثم جاء ابو مسلم بالکوفۃ وبایع السفاح۔

ابو مسلم مروزی نے ایک شخص آدمی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا

پیغام دیا کہ اگر آپ خلافت کو قبول کریں تو میں آپ کی بیعت کرنے پر راضی ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ تم
میرے شیعوں میں سے نہیں ہو۔ اور نہ یہ زمانہ میری خلافت کا زمانہ ہے۔ پس ابو مسلم کوفہ گیا اور السفاح
سے بیعت کر کے منصب امارت و خلافت کو اُس کے سپرد کیا۔ اراکین خلافت و منتظمین سلطنت کا قبول
خلافت کے لیے اصرار پر اصرار اور حضرت امام حق ناطق امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف سے انکار پر
انکار تو تحریر بالا سے الشمس کا لنصف النہار ظاہر و آشکار ہو گیا۔ خوارج و نواصب دوست حضرات
آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ خدا کی طرف سے مقرر کیے ہوئے امام کی شان۔ اُسکے استغنا اور توکل کی یہ
صورت ہوتی ہے۔ اگرچہ اُس کی ظاہری حالتوں سے غایت درجہ کا افلاس اور عسرت ظاہر ہوتی ہو
مگر اُس کی طبیعت تیز۔ ہمتیں عالی۔ حوصلے وسیع۔ دست کرم کشادہ۔ پائے استقلال محکم ہوتے ہیں۔
وہ پورا پورا ع نہ توں میں دل بھی چشم بھی اور ہمتیں بھی سیر۔ کا مصداق ہوتا ہے۔ دنیا اور دنیا
کی امارت پسند دولت و اقتدار اور ثروت نا پائدار کی ہزاروں دلربا اور دلکش تصویریں۔ ایک نہیں۔
بار بار اُن کی خدمت میں پیش کریں تو کیا۔ اُن کی التفات کی نگاہیں۔ اُنکی توجہ کی نظریں کبھی جھوٹوں بھی
اُس طرف مائل نہیں ہوتیں۔

دنیا کے پولیٹکل مذاق رکھنے والے حضرات ان موقعوں کو مغتنمات سے گنتے ہیں اور بڑے نصیبوں سے
ایسے دن دنیا کو ہاتھ لگتے ہیں۔ یہی پُر آشوبی کا زمانہ اور طوائف الملوکی کے ایام ایسے مستحکم ذریعے ہوتے ہیں
جو شاہی خاندانوں کو اُنکے موروثی تخت سلطنت سے اُتار کر معمولی سے معمولی اور محض مجہول الاحوال آدمی
کو تخت و تاج کا وارث بنا دیتے ہیں۔ ایسی مثالیں دنیا کے کارناموں میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔
تاریخی کتابوں کے ناظرین ابو سلمہ اور ابو مسلم کے وہ اختیار اور اقتدار جو اُس زمانہ میں اُنہیں حاصل
تھے ایک طرف ملاحظہ فرمائیں پھر اُنکے ایسے اختیار یافتہ حضرات کے قبول خلافت کے ملتجیانہ اصرار کو
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے قطعی انکار کے ساتھ موازنہ کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ جناب امام
جعفر صادق علیہ السلام نے اُس تخت سلطنت کو ایک بار نہیں کئی بار ٹھوکر مار دی ہے جسکے آگے دنیا
کے بڑے بڑے مشہور اور مقتدر امرا و سلاطین اپنے اپنے فرق نیاز خم کرتے تھے۔

تاریخ سے صحیح مذاق رکھنے والے حضرات امام جعفر صادق علیہ السلام کے سوا کیا کسی دوسرے آدمی کا نام
مثال میں پیش کر سکتے ہیں جسنے اپنے زمانہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرح ابو سلمہ اور ابو مسلم
جیسے معزز اور مقتدر لوگوں کی درخواستوں کو یک قلم مسترد فرما دیا ہو اور اُنکی التجا اور استدعا پر کوئی اعتنا
نہ کی ہو۔ دولت دنیا کے متمنی حضرات آپکے ایسے انکار کو خلاف تدبیر سمجھیں گے مگر اُنکو سمجھ لینا چاہیے کہ اصل
تدبیر وہی ہے جو مدبر اللیل والنہار کے احکام کے مطابق ہو۔ اور جو تدبیر اُسکے خلاف حکم ہو وہ اصل تدبیر
نہیں بلکہ حرص اور طمع نفسانی۔ مگر اسکے ساتھ ہی ہم کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ ایسا انکار ...

ور ایسی احتیاط سوائے خاصان خدا اور مقربان بارگاہ رب العلا کے اور کسی دوسرے
نیا کی عام طبیعتیں جب تک تائیدات و توفیقات الٰہی سے مؤید نہ ہولیں ایسی استغنا تمام
ادر نہیں ہوسکتیں اور یہی اوصاف و محامد مخصوصہ ایسے ہیں جن سے امام منصوص من اللہ
الناس کی تمیز اور فرق ما بہ الامتیاز پورے طور پر ہوسکتا ہے۔

ام جعفر صادق علیہ السلام اور عبداللہ محض کے واقعات موجود ہیں۔ اگرچہ عبد اللہ بھی
والا کی یادگار رہیں جس اسلاف طاہرہ کے امام جعفر صادق علیہ السلام مایۂ افتخار رہیں۔
ں حضرات میں فرق تھا تو یہی کہ وہ مؤید اور منصوص من اللہ نہیں تھے۔ اور یہ مامور
ن اللہ تھے۔ اس لیے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے قبول خلافت سے
کے خلاف۔ عبد اللہ نے اُس پر اپنی طرف سے میلان خاطر اور دلی رغبت دکھلائی۔
ت سے جو دکھلانا مقصود تھا وہ یہی ہے کہ جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے ایسے
اقع کو جس میں آپ تمام بلاد اسلامیہ کے فرمانروا تسلیم کیے جاتے تھے اپنے کمال استغنا
لا اور اُس کی طرف کوئی اعتنا نہ فرمائی۔ اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ آپ اپنے موجودہ منصب
ب جلیلہ کے آگے دنیاوی ثروت و اقتدار کو محض ہیچ اور بے بنیاد سمجھتے۔ اور اُس کی
رماتے تھے۔ حضرت واہب العطایا کے عطیہ امامت کے مقابلہ میں ابومسلم کی تفویض
یز نہ سمجھے۔ اس امارت اور سلطنت کے متعلق جو ہونیوالا تھا آپکو اُسکا پورا علم خدا کی طرف
تھا اور وہ روز روشن کی طرح آپکی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اسی وجہ سے آپنے ایک دن
کے مقابلہ میں محمد ابن عبد اللہ الملقب بہ نفس زکیہ سے جو حصول خلافت کی کوششوں
سے مصروف تھے کھُل کھُل کر کہدیا تھا کہ یہ امر بنی ہاشم میں سے کسی کے لیے واقع نہیں ہوگا
د عباس رضی کا حصّہ ہے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں۔

لقب بالنفس الزکیۃ ابن عبداللہ المحض فی اواخر دولت بنی امیۃ اراد
ں واخیہ وارسل الیٰ جعفر لبایعھا فامتنع تالھم انہ یحسدھا فقال
کم نصیحۃ للمسلمین فکیف اکتم نصیحتکم واللہ لیست الخلافۃ لی ولا
حب لقباء الاصفر ولیعلبن بھا صبیانھم وغلمانھم وکان المنصور العباس
ہ قباء اصفر فکان ما قال جعفر الصادق رضی اللہ عنہ۔

لنفس الزکیہ ابن عبد اللہ المحض نے سلطنت بنی امیہ کے آخر ایام میں یہ ارادہ کیا
مد ہمارے بھائی کی بیعت اختیار کریں۔ اس لیے اُنہوں نے جناب امام جعفر صادق
ا خدمت میں بھی اپنی بیعت کرنے کے پیغام بھیجے۔ آپنے انکار فرمایا اور محمد نے حاضر خدمت

ہو کر عرض کی کہ آپ ۔ بو
جب میں تمام اہل اسلام
ہوا ۔ خدا کی قسم امر خلا
لڑکے اس کے جوان اُس
ایس ہیا حضرت امام جعف
اس واقعہ سے ثابت
معلوم تھا اس لیے آپ
سے منع فرمایا ۔ یہاں تک
سے اُن بزرگوار نے و
اور اپنے ارادوں پر اصرا
ارشاد فرمائی تھیں ۔ تمام

بہر حال ۔ اتنا لکھ کر ہم
ابو سلمہ ابھی کوفہ میں اپنے
آیا تھا کہ ابراہیم کی وفات
وانتظار لاحق حال ہوا
یکایک متابعان ابومسلم
ہاتھ پر بیعت کرلی اور دو

بنی حسن ک

یہ تو معلوم ہوچکا ہے کہ
بنی امیہ آپس کی خانہ جنگی
پوشیدہ دعوت خراسان
ورا سکے اطراف میں
کیا تھا تو اُسی امر کے لیے
غرض ان تمام قرینوں سے

ہاکر عرض کی کہ آپ بوجہ حسد کے ہماری بیعت نہیں کرتے آپ نے اُنکے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ابن عم
جب میں تمام اہل اسلام کو اپنے نصیحت سے دریغ نہیں کرسکتا تو پھر تم سے کیونکر اپنی نصیحت دریغ کرسکتا
ہوں۔ خدا کی قسم امر خلافت نہ تمہارے لیے ہے نہ ہمارے لیے بلکہ اس زرد قبا والے کا حصہ ہے۔ اسکے
بعد اس کے جوان اس سے کھیلیں گے۔ منصور عباسی اُس صحبت میں حاضر تھا اور زرد قبا پہنے ہوئے تھا
پس جیسا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا۔
اس واقعہ سے ثابت ہوگیا کہ جو کچھ اس امر خلافت و امارت کے متعلق ہونیوالا تھا وہ قبل ہی سے آپکو
معلوم تھا اس لیے آپ نے اُس سے انکار کیا۔ اور عبد اللہ محض وغیرہ کو بھی اس کے اختیار کرنے
سے منع فرمایا۔ یہاں تک کہ اُن کو اُنکے تمام مصائب و شدائد کے صحیح صحیح حال جو اس فتنہ و فساد کی وجہ
سے اُن پر گزرنے والے تھے اُنکو بتلا دیے اور اُنکی سچی تصویریں اُنکو دکھلا دیں۔ مگر وہ نہ مانے
اور اپنے ارادوں پر اصرار کرتے رہے۔ آخر وہ تمام باتیں ایک ایک کرکے اُسی طرح ظاہر ہوئیں جیسی کہ آپ نے
ارشاد فرمائی تھیں۔ تمام واقعات عنقریب ہمارے سلسلۂ بیان میں آتے ہیں۔

عبد اللہ ابن محمد السفاح کی سلطنت

بہرحال۔ اتنا لکھ کر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ
ابوسلمہ ابھی کوفہ میں اپنے مدینہ والے خطوں کے جوابوں کا انتظار کر رہا تھا۔ اور قاصد مدینہ ہنوز واپس نہیں
آیا تھا کہ ابراہیم کی وفات کی خبر کوفہ میں تحقیق طور پہ معلوم ہوگئی۔ عباسیوں کو اس خبر سے سخت انتشار
و اضطرار لاحق حال ہوا۔ ابوسلمہ ابھی تک امر خلافت میں مشتبہ تھا اور جواب مدینہ کا انتظار کر رہا تھا کہ
بعض متابعان ابومسلم اور ہواخواہان بنی عباس نے بلا اجازت و مشورت ابی سلمہ عبد اللہ السفاح کے
ہاتھ پر بیعت کرلی اور دفعۃً اُسکو امت اسلامیہ کا خلیفہ اور فرمانروا تسلیم کرلیا۔ روضۃ الصفا جلد ۳۔

بنی حسن کے مقابلہ میں بنی عباس کی مدبرانہ چالیں

معلوم ہوچکا ہے کہ بنی عباس کی طرح بنو حسن بھی دعویدار خلافت تھے اور وہ بھی ایسے وقت میں جب
بنی امیہ آپس کی خانہ جنگیوں میں اُلجھے ہوئے تھے اپنی امارت کی فکریں کر رہے تھے اگر اولاد عباس کی
دعوت خراسان اور اُس کے مضافات میں ہو رہی تھی تو آل حسن کی خفیہ بیعت بھی خاص مدینہ
اور اسکے اطراف میں لیجا رہی تھی۔ اگر ابوسلمہ اور ابومسلم خلافت و امارت کے لیے بنی عباس کو نامزد
کرتا تو اُسی امر کے لیے انکے پاس بھی خط لکھے تھے اور استدعا کی تھی۔
ان تمام قرینوں سے دونوں گروہ کے لوگ برابر کے دعویدار تھے اور جانبین سے حصول مقاصد کیلیے

کوششیں ہو رہی تھیں۔ مگر نہیں معلوم پھر کیا ہوا کہ ساری دنیا نے اولاد عباسؓ کی بیعت کر لی اور بنی حسن برابر کے حریف اور پہلو کے رقیب منہ دیکھتے ہی کے دیکھتے رہ گئے اور چون نہ کر سکے۔ جب ہم اس سکوت اور خاموشی پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ یہ سکوت تسلیمی تھا اور آپس کے مشورے اور صلاح سے اختیار کیا گیا تھا۔

کیفیت یہ ہے کہ جب عباسیوں کو معلوم ہوا کہ ابو سلمہ اور ابو مسلم نے بنی عباسیوں کی جگہ بنی فاطمہؑ کو نامزد کیا ہے۔ اُن کو خط لکھے ہیں اور بلایا ہے تو اُن میں سخت انتشار پیدا ہوا۔ عبداللہ سفاح نے جو اُن میں نہایت ہوشیار اور بیدار مغز تھا۔ سوچا کہ بنی فاطمہؑ کے ملائے بغیر کام نہیں چلتا۔ ان بزرگواروں میں اُس کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف سے پورا اطمینان تھا کہ آپ اس کی طرف کبھی توجہ نہیں فرمائیں گے۔ عمر الاشرف کی نسبت بھی اُسے یقین تھا کہ وہ اپنے گوشۂ عزلت سے باہر نہ نکلیں گے۔ اسکو جو کچھ اندیشہ تھا وہ عبداللہ محض اور اُن کے صاحبزادے حسن الملقب بہ نفس زکیہ اور ابراہیم کی طرف سے عبداللہ سفاح پر کیا منحصر ہے تمام بنی عباس اور بنی ہاشم پر ظاہر تھا کہ یہ حضرات امر امارت کے لیے بلیغ کوششیں کر رہے ہیں۔ ان وجہوں سے ان کا ملا لینا از حد مفید اور ضروری سمجھا گیا۔ سفاح نے اپنے چھوٹے بھائی منصور کے مشورے سے اُن کے پاس آدمی بھیجکر بہت سے وعدے وعید کر کے ان لوگوں کو کم سے کم اتنا تو ضرور راضی کر لیا کہ سفاح کی بیعت کوفہ میں ہو گئی۔ اور یہ اپنے مقام پر خاموش بیٹھے رہے اور اپنی امارت کا اعلان مدینہ میں نہ کر سکے۔

تمام اہل اسلام نے انکے سکوت کو انکی عین رضامندی سمجھ کر بنی عباسیوں کی بیعت میں لبیک کہا اور کوئی عذر نہیں کیا۔ یہی وجہ تھی کہ بنی عباس کی امارت اس آسانی اور اطمینان سے کوفہ میں تسلیم کر لی گئی اور وہ بغیر کسی عذر کے ممالک اسلامیہ کا فرمانروا تسلیم کر لیا گیا۔ مگر آگے چلکر بنی عباس اپنے وعدے کو وفا نہ کر سکے اور اپنی شرط پر قائم نہ رہے۔ جس کی وجہ سے منصور کے زمانۂ سلطنت میں محمد نفس زکیہ اور ابراہیم نے خروج بالسیف کیا جس کی تفصیل عنقریب ہمارے سلسلۂ بیان سے ظاہر ہو گی۔

ابو سلمہ کی بداقبالی

عبداللہ السفاح کی کوفہ میں بیعت ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۲ھ ہجری میں کیگئی۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ابو العباس کی بیعت ابو سلمہ کی لاعلمی میں واقع ہوئی کیونکہ ابو سلمہ قاصد مدینہ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا اور اسکی خواہش تھی کہ اگر بنو فاطمہؑ اس منصب کو قبول فرمائیں تو اُنکو بنو عباس پر ضرور ترجیح دی جائے۔ عابد بنی عباس مثل سفاح اور منصور وغیرہ اسکے مرکوز خاطر کو سمجھ چکے تھے اس لیے اُنہوں نے حسن ابن قحطبہ

ان لوگوں کو اپنے حصول مقاصد میں اپنا ہمداستان و ہمزبان بنالیا۔ دونوں مقاموں کی فوج اور انکے
سردار باتفاق خود ہا انکی خلافت پر راضی ہوگئے تو ان لوگوں نے ابوسلمہ کے آنے نہ آنے کا انتظار بھی
نہیں کیا اور بیعت ہو جانے اور خلافت مل جانے کی عجلت نے اتنی تاخیر کو غیر ضروری سمجھ کر اُس کے آنے کی
انتظار کی اجازت نہ دی۔ جلدی سے اس کی بیعت ہو گئی۔
جب سفاح کی تخت نشینی کی خبر ابوسلمہ کو ملی تو وہ تن تنہا نئے خلیفہ کے سلام کے لیے حاضر ہوا۔ اُس وقت
تمام لشکر کے رؤساء و امراء آستان خلافت پر جمع تھے۔ بہرحال۔ جب ابوسلمہ دربار خلافت کے باب عالی پر
پہنچا تو دربانوں نے اندر جانے سے منع کیا۔
اس سے بڑھکر دنیا کے نیرنگ اور کیا ہونگے۔ اس سے چند روز پہلے ابوسلمہ کی ثروت و اقتدار اور قوت
و اختیار کی کیا صورت تھی۔ عراق کا تمام لشکر اُسکے زیر فرمان تھا حسن ابن قحطبہ کی فرستادہ خراسانی فوج
بھی اسی کی مطیع تھی۔ تمام آل عباس مروان کے خوف سے اسی کے دامن عاطفت میں پناہ گزیں ہوئے
تھے اور اُسی کے مراحم و اشفاق کو اپنے حصول مقاصد کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ آج دم کے دم میں
اسکے عزت و اقتدار کی کایا پلٹ ہو کر اُسکی ذلت اور ادبار کی یہ حالت ہوئی کہ وہ اپنے مقام سے اپنے
فرمانرواکی خدمت میں بیک بینی و دو گوش تنہا جا رہا ہے جس کو بروایت روضۃ الصفا آج چالیس روز سے
اپنے گھر میں چھپائے ہوئے تھا آج اُسکے ساتھ نہ رفیقوں کا ہجوم ہے اور نہ ندیموں کا جھرمٹ۔ وہ ہے
اور اُس کی تلوار۔ دروازے پر پہنچتا ہے تو معمولی درجہ کے دربان اُسکو اندر جانے سے منع کرتے ہیں اور پاس
جانے نہیں دیتے۔ حالانکہ یہ دربان وہی لوگ ہیں جن کو اسی نے قلیل اور معمولی تنخواہوں پر نوکر رکھا ہے۔
غرض کیا۔ کل اقبال تھا تو سب کچھ تھا اور آج ادبار ہے تو کچھ بھی نہیں۔ دنیا کا عروج و زوال دریا کے جزر و مد کی
مثال ہے کہ طرفۃ العین میں کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔
بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ ابوالجہم کا حکم اُس کی اس ذلت کا باعث ہوا تھا اور اُسکی کیفیت یہ ہے کہ ابوالجہم
لشکر عراق میں ایک مشہور و معروف سردار تھا۔ اور فی الحال بنی عباس کا بہت بڑا خیر خواہ۔ ابوسلمہ کے آنے کی
خبر پاکر باب عالی سے باہر آیا اور دربانوں سے کہنے لگا کہ تم لوگ اس وقت سے خلیفۂ عصر (السفاح) کے ملازم
ہو۔ پس اُسی کے حکم کے مطیع و منقاد بنے رہو اور کسی شخص کو عام اس سے کہ وہ کسی مرتبہ اور منصب کا ہو اُسکی
اجازت کے بغیر اندر نہ آنے دو۔ یہی وجہ تھی کہ دربانوں نے ابوسلمہ کو اندر جانے سے منع کر دیا۔ اور جانے کی
اجازت بھی دی تو تنہا اس لیے ابوسلمہ کے مخصوصین دروازے پر روک دیے گئے۔ اور ابوسلمہ تن تنہا خلیفۂ عصر
کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ ابوسلمہ بھی بہت بڑا تجربہ کار اور ہوشیار مُدبّر تھا۔ موقع وقت اور مصلحت زمانہ
کو فوراً پہچان گیا اور اپنی جان و مال کے استحفاظ کو اپنے تمام امور سے مقدم سمجھ کر اُن کارروائیوں پر کچھ تعرض

دار تھا تقریباً اُس کی تہنیت کے جواب میں کہنے لگا علی دغم انفلت (تمہاری ناک رگڑے جانے کے)
ابو حمید کے اس طعن کا اشارہ ابو سلمہ کے اُن مراسلات کی طرف تھا جو اُس نے بنی عباس کے خلاف
محمد کے ساتھ جاری کی تھی۔ السفاح نے ابو حمید کی اس تعریض کو خلاف مصلحت سمجھا اور اُس سے
ابو سلمہ کے ساتھ اس قسم کی تعریض مناسب نہیں ہے کیونکہ اس کے بہت سے حقوق ہمارے
ہیں۔

ابو سلمہ سے سفاح نے کہا کہ آپ اس وقت اپنے دولت خانہ پر تشریف لیجائیں اور کل صبح کو مردم کوفہ
مسجد جامع میں تجدید بیعت کرنیکے لیے بارہ دگر زحمت گوارا فرمائیں۔

مسجد کوفہ میں بنی عباس کا پہلا خطبہ

دن علے الصباح ابو العباس السفاح دار الامارہ سے نکلا اور مسجد جامع میں نہایت شان و تجمل سے
کہ خلاف عادت بنی امیہ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا پہلے خدا کی حمد اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم
بیان فرمائی۔ پھر نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ منبر پر گیا۔ نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ مگر
ان روز پہلے سے بیمار تھا اس لیئے ضعف و نقاہت نے منبر پر زیادہ کھڑے رہنے سے مجبور کر دیا
بیٹھ گیا۔ اُس کے بھائی داؤد ابن محمد نے کھڑے ہو کر حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔ ایّہا الناس!
حضرات کو معلوم ہے کہ اس منبر پر بعد جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کسی
پاؤں نہیں رکھا۔ سوائے جناب علی مرتضٰے علیہ السلام یا موجودہ امام کے جو اس وقت تمہارے
ہے۔ اب آپ حضرات واقف ہوں کہ امر خلافت اب ہمارے خانوادے میں آیا ہے۔ یہ ا
اس وقت تک ہمارے گھر سے باہر نہ جائے گا جب تک کہ جناب عیسٰے مریم علے نبینا و علیہ السلام
زمین کی طرف نزول نہ فرمائیں گے۔

اس تقریر سے کیا غرض تھی اور خصوصاً اس فقرہ سے کہ "ازمیان ما بیرون نرود تا آن زمان کہ
آسمان نزول فرماید"۔ اُس کا کیا مقصود تھا۔ اسکی غرض ظاہر اور مدعا روشن ہے۔ وہ اپنی امارت
اور روحانی ولایت و امامت سے تعبیر کراتا ہے جس کے استقرار اور قیام کے لیے جناب
صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قیام قیامت اور نزول عیسٰے تک کی میعاد کی سچی اور صحیح بشارت
ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ بنی عباس نے آل محمد کی امامت سے اپنی امارت مراد لیکر دنیا کو
صلوات اللہ علیہم اجمعین کی اطاعت کی آڑ میں اپنا مطیع و منقاد بنانا چاہا تھا اور رضائے
مجمل کلمہ سے یہی عالم فریبی مراد تھی۔ ورنہ بنی عباس اگرچہ ہوںگے تو بنو ہاشم یا آل عبد المطلب
آل محمدؐ تو کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ آلِ محمدؐ کے مقدس طبقہ میں سوائے بنی فاطمہؑ کے کوئی دوسرا قبیلہ

یا عشیرہ عقلاً یا
بنی عباس نے ا
تفریق کرتے او
آل محمدؐ کے مجمل کا
نے عام طور سے آ
اس وقت بھی اگر
السفاح کی عام بیعت
درست ہو گئی تھی مگر
برس سے کام لے ر
لینا نہیں چاہتے تھ
اثر کامل طور سے ع
اور وہ اصول جس پر
غدر اور فساد کا کامل
انہی امور پر غور کر کے
ہم اور آل محمدؐ ایک ہیں
علی علیہ السلام کی امامت
جس طرح آپ کی خلافت
کو امامت حقہ سے تعبیر
اس تقریر کا تمام و کمال
متکاثرہ سے ثابت ہیں
سے سب سے سہل ذریعہ
دیتے تھے۔ مگر یہ عالم فر
کی معرفت کُلّی نہیں ر
بزرگواروں کی پوری م
اور گندم نما جو فروشی کو
ثروت و اقتدار کو ناقا
ذوات مقدسہ کی خدمات

یا عشیرہ عقلاً یا نقلاً داخل نہیں ہو سکتا۔
بنی عباس نے انہی حضرات کے ساتھ شامل رہنے میں اپنی کامیابی کی صورت مختفی دیکھی کیونکہ اگر وہ تفرق کرتے اور اپنے کو ان بزرگواروں سے جُدا کرتے تو سونے کا بنا بنایا گھر مٹی ہو جاتا۔ اس لیے آل محمدؐ کے مجمل کلمہ سے اپنا کام نکالا گیا اور اہلِ اسلام کے عام دلوں کو اپنی جانب مائل کیا گیا اور تمام لوگوں نے عام طور سے آل محمدؐ کی حمایت اور اعانت کا اعتبار کرکے انکا ساتھ دیا اور ان کی اطاعت کر لی۔
اس وقت بھی اگرچہ انکے امور مرتب اور درست ہو گئے تھے اور ان کے دست مدعا شاہد تمنا تک پہنچ گئے تھی السفاح کی عام بیعت ہو گئی۔ مسجد جامع میں خطبہ بھی انہی کے نام کا پڑھا جا چکا۔ غرض ہر طرح سے انتظامی حالت درست ہو گئی تھی مگر تاہم یہ اپنے راز کے افشار کو مناسب نہیں سمجھتے تھے اور جن عالم فریبیوں سے یہ کامل بیس برس سے کام لے رہے تھے انکو اٹھا کر اپنی قوت اور اقتدار کے ذریعہ سے کسی نئے اور جدید طریقہ سے کام لینا نہیں چاہتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ ابھی ہماری قوت واقتدار اور ثروت واختیار کی ابتدا ہی ابتدا ہے جسکا اثر کامل طور سے عام قلوب پر نہیں ہوا ہے۔ اگر وہ فوراً اس طریقہ کو مٹا کر کسی جدید طریقہ پر چلائے جائینگے اور وہ اصول جس پر انکی دعوت کی گئی ہے کسی تازہ اصول کے مقابلہ میں غلط ٹھیرایا جائے گا تو عموماً ملک میں غدر اور فساد کا کامل یقین ہو جائے گا۔
انہی امور پر غور کر کے داؤد ابھی تک اپنی قدیم پالیسی پر قائم رہا اور دنیا کو اس وقت تک یہی بتلاتا رہا کہ ہم اور آل محمدؐ ایک ہیں جیسا کہ اُس کے اس خطبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسنے اپنی امارت کو جناب امیرالمومنین علی علیہ السّلام کی امامت کا مساوی اور مماثل ٹھیرایا۔ اور اپنے دعوے میں اپنی خلافت کو بھی اُسی طرح حق ثابت کیا جس طرح آپ کی خلافت۔ اور آخر تقریر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت کے مطابق اپنی امارت کو امامت حقہ سے تعبیر کرکے قیام قیامت اور نزول عیسٰیؑ تک قائم رہنا ثابت کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ داؤد کی اس تقریر کا تمام وکمال مقصود یہ تھا کہ جس خلافت حقہ اور امامت مخصوصہ کی خبریں احکام متواترہ اور ارشاد متکاثرہ سے ثابت ہیں وہ ہماری ہی خلافت ہے۔ عوام کالانعام کو شبہہ میں ڈالنے اور فریب میں لانے کی غرض سے سب سے سہل ذریعہ جو انہیں ہاتھ آیا وہ آلِ محمدؐ کا مجمل لفظ تھا جس میں وہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو داخل کیے دیتے تھے۔ مگر یہ عالم فریبی اُنہی لوگوں تک محدود تھی جو آلِ محمد علیہم السّلام کے اصلی اور حقیقی بزرگواروں کی معرفت کُلّی نہیں رکھتے تھے اور اُن کے خلاف جو صاحبان بصیرت اور واقفان حقیقت تھے۔ جو ان بزرگواروں کی پوری معرفت رکھتے تھے وہ اپنے مقام پر بیٹھے بیٹھے نہایت خموشی سے انکی حق فراموشی اور گندم نما جَو فروشی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ ان کی ابلہ فریبیوں میں نہ آنے والے تھے نہ آئے اور انکے ثروت واقتدار کو ناقابل اعتبار سمجھ کر حسب الامر واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا اُنہی ذوات مقدسہ کی خدمات میں اپنی عقیدت کے سر جھکائے رہے۔ جو حجۃ اللہ علی اہل الدنیا وعروۃ الوثقےٰ

یقی مفہوم تھے۔

ابو سلمہ سے بنی عباسیونکی مخالفت

ئے ہیں کہ آل محمدؐ کے ساتھ بنی عبّاس کا یہ تمسّک اُنکے حصول مدعا تک منحصر تھا اور اُن کا
ل کے ساتھ خلوص نسبتی صرف اُنکی خود غرضی کی بدولت تھا۔ جب تک وہ اپنے مدّعا پر فائز
تھے وہ اس مبارک نسبت کے ساتھ اپنے خلوص اور یکجہتی کا دم بھرتے تھے۔ مگر ادھر وہ شاہد تمنّا
دھر اُس تمام خلوص و اتحاد کو الفراق کہکر رخصت کیا اور پھر کبھی جھوٹوں سچّوں بھی اُن
نہ لیا۔ بلکہ برعکس اس کے ان حضرات اور ان کے متابعین و ذرّیات کے ساتھ وہ مخالفت
ن کو ایسی ایسی شدید مصیبتوں میں مبتلا کیا اور ایسی ایسی بیرحمیوں سے انہیں قتل کیا کہ
کے بعد بھی آج اُن مظالم کو سُنتے ہوئے یا بیان کرتے ہوئے انسان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے
ظالم تمام تاریخوں میں لکھے ہیں۔ اور ہمارے سلسلۂ بیان میں تو اس جلد سے لیکر انشاء اللہ
اپنے مقام پر بالتفصیل بیان کیے جائیں گے۔

کے ساتھ بنی عباس کے مظالم اور تشدد انکو اقارب کا لعقارب ذواذاھا کا پورا پورا
یت کرتے ہیں اور انکی ظالمہ حرکات کے اعتبار سے انکو سلاطین امویہ کا پورا قائم مقام اور
ظاہر کرتے ہیں بلکہ ان واقعات کو پڑھکر ایک انصاف دوست اور منصف مزاج محقق
ر رہکر اُن بیگانوں کے مقابلہ میں ان یگانوں کے مظالم کو زیادہ حیرت اور استعجاب کی
دیکھے گا۔ اور ہے بھی ایسا ہی۔ بنی عباس نے تخت امارت پر بیٹھتے ہی اپنی حفظ سلطنت
اصول قائم رکھے جو سلاطین بنی امیہ نے اپنے استحکام سلطنت کے واسطے تجویز کیے تھے
وہ بنی امیہ کے پورے مقلّد نکلے۔ اگر زیادہ تحقیق سے کام لیا جائے تو یہ بھی ثابت ہو جائے
ین ان امور میں اپنے مقتداؤں سے اُنگل دو انگل کیا ہاتھ دو ہاتھ آگے نکل گئے ہیں۔

پر قدم جماتے ہی ان حضرات نے خاص طور پر ایسے لوگوں کا استیصال کرنا شروع کر دیا
ت کے مویّد تھے۔ یا آل محمدؐ کے خیر خواہ۔ یا کم سے کم وہ لوگ تباہ۔ برباد اور قتل کیے گئے جن
ے خلوص و محبت کا شبہہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ ابو سلمہ اور ابو مسلم کے واقعات سے کامل
ہوتا ہے۔

کو عراق کے انتظام سے فراغت ہوگئی تو اُسنے مروان حمار پر چڑھائی کر دی۔

مروان عباسیوں کے مقا
مقام راب پر واقع ہوئی
فوج میں اتنا جلدی شکس
اسکا اور کیا باعث بتلایا جا
صاحب روضۃ الصفا اپنے
لشکر سے علیحدہ ہو کر استن
سے گھوڑا بھاگ نکلا۔ گھو
دم کے دم میں سارا لشکر
ہوگئی ذهب اللہ وله بد
غنیم کو بھاگتا دیکھکر بنی ع
متاع کو لوٹا۔ قوم بنی امیہ
مارے گئے۔ جو بچ گئے و
کے عالم میں یہ بھی نہ دیکھ
فرات یکایک اُن کے سدّ
میں وہ مضطرب الاحوال
اُنہی ڈوبنے والوں میں ابر
ابن علی۔ جو اُس وقت اُن
واذ فرقنا بکم البحر فا
مارے جانے والوں کی صحیح
لاکھ فوج میں بہت کم آدمی
حاصل ہوئی اور کثرت سے مال
ہوا سجدۂ شکر میں غم ہوگیا

اب مروان کی اخیر داستا

مروان الحمار کی شکست

مروان عباسیوں کے مقابلہ سے غافل نہیں تھا۔ اُس نے ایک لاکھ جرّار فوج سے مقابلہ کیا۔ یہ لڑائی مقام زاب پر واقع ہوئی۔ جانبین کے مقابلہ کے بعد فوراً مروان کی فوج میں انتشار پیدا ہو گیا۔ اتنی بڑی فوج میں اتنا جلدی شکست کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اس کی کیا وجہ؟ سوائے بداقبالی اور ادبار کے اسکا اور کیا باعث بتلایا جاسکتا ہے۔

صاحب روضۃ الصفا اپنے اسناد سے لکھتے ہیں کہ جب جانبین کے لشکر آراستہ ہو کر مقابلہ پر آ گئے تو مروان لشکر سے علٰحدہ ہو کر استنجہ کی ضرورت سے ایک گوشہ میں چلا گیا۔ گھوڑے کو کھڑا کر دیا۔ اتفاق وقت سے گھوڑا بھاگ نکلا۔ گھوڑے کا خالی زین پاکر فوج نے سمجھا کہ سردار فوج مارا گیا۔ پھر کیا تھا یہ چل وہ چل دم کے دم میں سارا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ چنانچہ مروان کی نسبت اُسی وقت سے عرب میں یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی ذھب الدولۃ ببولہ۔ اُس کی دولت پیشاب کے ساتھ نکل گئی۔

غنیم کو بھاگتا دیکھکر بنی عبّاس کے لشکر نے اُن پر خوب خوب ہاتھ صاف کیے اور جی بھر کر اُنکے مال و متاع کو لوٹا۔ قوم بنی امیّہ کو بہت بُرا دن دیکھنا ہوا۔ اور بڑی سخت بلا سے سامنا ہوا۔ جو مارے گئے وہ مارے گئے۔ جو بچ گئے وہ بھاگے۔ مگر بھاگنے سے بھی اُنکی جانیں نہ بچیں۔ ان فراریوں نے اپنے اضطرار کے عالم میں یہ بھی نہ دیکھا کہ ہم کدھر بھاگتے ہیں۔ بھاگتے چلے تو گئے۔ مگر تھوڑی دور آگے جاکر دریا ذات یکایک اُن کے سدّ راہ ہو گیا۔ اور پیچھے سے غنیم تعاقب کرتا ہوا سر پر آ دھمکا۔ اس گھبراہٹ میں وہ مضطرب الاحوال دریا میں کود پڑے اور اُن کے ہزاروں آدمی دریا میں اُسی طرح غرق ہو گئے۔ اُنہی ڈوبنے والوں میں ابراہیم ابن ولید ابن عبد الملک بھی تھا۔ جو چھ مہینہ تک خلیفہ بن چکا تھا عبداللہ ابن علی جو اُس وقت اُنکے تعاقب میں سرگرم تھا اُنکو ڈوبتا ہوا دیکھکر یہ آیۂ وافی ہدایہ تلاوت کرنے لگا۔ واذ فرقنا بکم البحر فانجینٰکم واغرقنا اٰل فرعون وانتم تنظرون۔

مارے جانے والوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوئی۔ مگر تمام تاریخوں میں اتنا ضرور لکھا ہے کہ مروان کی ایک لاکھ فوج میں بہت کم آدمی ایسے تھے جو جانبر ہو سکے۔ اس لڑائی میں عباسیوں کو بنی امیہ پر فتح کامل حاصل ہوئی اور کثرت سے مال غنیمت ہاتھ لگا جب سفّاح کو اپنی فتحیابی کا مژدہ ملا تو وہ یہ آیۂ وافی ہدایہ پڑھتا ہوا سجدۂ شکر میں خم ہو گیا۔ وقتل داؤد جالوت واٰتاہ اللہ الملک والحکمۃ وعلمہ مما یشاء۔

مروان کی اخیر داستان

ری تھی عامل موصل نے شہر میں آنے بھی نہ دیا۔ مروان مجبور ہوکر شہر حران کی طرف چلا گیا۔ اور
ں سے ممالک افریقہ کی طرف روانہ ہوا۔
ح نے ابوعون کو مروان کے پیچھے لگا رکھا تھا۔ وہ بھی اسکے نشان قدم پر برابر سُراغ لگاتا ہوا چلا ہی گیا
حران میں مروان کے افریقہ چلے جانے کی خبر معلوم ہوئی تو یہ بھی بعجلت تمام بحر عرب کے ساحل تک
. اتفاق وقت سے مروان اُسی وقت کشتی پر سوار ہو رہا تھا۔ عامر ابن اسمٰعیل جو اس کے مخصوصین
تھا اس امر کی خبر پاکر مروان کے ساتھ اُسی کشتی پر بیٹھ گیا۔ کشتی کھُل گئی۔ جب مروان ممالک
میں پہنچکر دریائے نیل سے پار اُترا تو اسمٰعیل بھی ساتھ تھا۔ صعوبت سفر سے خستہ ہوکر مروان ایک
م پر سو گیا۔ اسمٰعیل نے فرصت پاکر اُسکا سر کاٹ لیا اور سلاطین بنی امیہ کے آخر بادشاہ کا خاتمہ
یا۔ عباسیوں کو سلطنت کے ساتھ ہی بنی امیہ کی تمام مال و دولت بھی ملی جسے وہ برسوں سے جمع
ے تھے۔ خصوصاً محمد ابن عبدالملک ابن مروان و عمر ابن یزید ابن عبدالملک اور عبدالواحد ابن
ن ابن عبدالملک کا تمام اندوختہ جو قوم بنی امیہ میں سب سے زیادہ صاحب پایہ و مایہ تھے انکے
سہ میں آگیا۔

بنی امیہ کا قتل عام

ی کے بعد سفاح نے بنی امیہ کے قتل کیے جانے کا حکم عام دیدیا۔ قبیلے کے قبیلے اور عشیرے کے عشیرے
و برباد کر دیے گئے۔ اُس کے صرف ایک عامل سلیمان ابن علی نے تنہا کوفہ میں تمام بنی امیہ کی آبادی
ارت کر دیا۔ اور اُن میں سے ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑا۔ ان میں سے بعض سخت جان بنی امیہ اپنی جان
نے کی غرض سے السفاح کے ساتھ رہکر ہر وقت و ہر لحظہ اُسکی خوشامد اور چاپلوسی میں بسر کرنے لگے۔
ں وقت تک بچے چلے آتے تھے۔ پھر کچھ دنوں آگے چل کر وہ بھی عباسیوں کے انتقام سے نہ بچے
ان لوگوں کے مارے جانے کی کیفیت یہ ہوئی کہ یہ لوگ حسب معمول السفاح کے ہمراہ دستر خوان
بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ شبل ابن عبداللہ جو بنی ہاشم کے غلاموں میں تھا۔ حاضر تھا۔ اُسنے یہ شعر نظم کرکے
ھا جسکا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ بنی عباس۔ بنی امیہ کے مُلک و مال پر متصرف ہوکر بھی ابتک غافل بیٹھے
. نہایت تعجب ہے جن بنی امیہ نے جناب حسین علیہ السلام کو قتل کیا۔ اور جناب امام زین العابدین
السلام کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں۔ سفاح یہ شعر سُنکر مارے غیظ و غضب کے اپنے آپ میں نہ
نے حکم دیا کہ تمام بنی امیہ کے ہاتھ پیروں میں لکڑیاں باندھ کر لٹا دیے جائیں اور اُنہی پر فرش کر
ں اور کھانا کھائیں۔ تاریخوں کا بیان ہے کہ حاضرین بنی امیہ کی تعداد ستر آدمی تھے۔ وہ سب کی سب
الحکم شکنجۂ سیاست میں کھینچے گئے اور باندھکر ڈالدیے گئے۔ اُن پر فرش کیا گیا اور سفاح نے

اہل اسلام کے سامنے اسی یکجہتی اور اتفاق کا دعوے کیا تھا۔ اور عوام کو رضائے آلِ محمدؐ کی مجموعی صورت دکھلا کر اپنے حقوق کا موید اور شریک بنایا تھا اور عامۃ المسلمین کے قلوب کو یہ بتلا بتلا کر تسخیر کرلیا تھا کہ یہ موجودہ سلاطین جبار اور مخالفین اہلبیت اطہار سلام اللہ علیہم من رب الکبار سے جوکسی طرح امر خلافت والامت کے قابل نہیں ہیں۔ یہ امور منتزع کرکے پھر انہی اصلی حقداروں کی طرف منتقل کردیں گے جو منجانب اللہ اس کے لیے منصوب ہو چکے ہیں۔

یہی مخفی ترکیبیں تھیں جن کی وجہ سے عباسیوں کو آناً فاناً اتنی بڑی سلطنت ملگئی اور تمام اسلامی دنیا انکی طرف ہوگئی۔ ورنہ قبل اسکے انکے ابتدائی حالات میں ہم دکھلا آئے ہیں کہ انکی پریشان حالی تنگدستی اور غیر اطمینانی کی بھی وہی حالت تھی جو بنی ہاشم کی۔ یہ بھی حقیقت میں انہی خاصان خدا کا ایک فیض تھا جس نے اپنے طفیل میں انکے مقاصد و مطالب کی ڈگمگاتی کشتی کو عام خونریزی اور جنگ و جدال کے طوفان خیز دریا سے نکال کر ساحل مقصود تک پہنچا دیا۔ ہم نے جہاں تک عباسیوں کے اس خلوص و اتحاد کی نسبت غور کیا ہے ہم کو یہ ثابت ہوا ہے کہ حضرات بنی فاطمہ علیہم السلام کے ساتھ ان کے اتفاق و اختصاص جو انہوں نے دنیا کو دکھلایا وہ صرف ضرورت وقتی۔ خود غرضی اور اپنے کام نکالنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھے۔

تحقیق کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ ابتدا ہی سے۔ بنی عباس مدعائے اہلبیت علیہم السلام کے خالف تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہماری حکومت میں ہمارا کوئی گھر والا شریک ہو۔ مثال کے لیے دیکھو۔ عبداللہ ابن معٰویہ ابن عبداللہ ابن جعفر کے واقعات۔ باوجودیکہ عبداللہ نے عباسیوں کے ساتھ ایران میں کیسے کیسے محاسن سلوک کیے اور قرابتداری۔ صلۂ رحم اور عزیزداری کی رعایتوں میں انکی خاطر و مدارات اور راحت رسانیوں میں کوئی دقیقہ اُٹھا [illegible] رکھا۔ مگر کیا۔ جب اُن کی بداقبالی کا زمانہ آگیا تو یہ فوراً دامن جھاڑ کر علٰحدہ ہو گئے۔ قیامت تو یہ ہوئی کہ [illegible] غریب سادات ابو مسلم کے حکم سے قتل کیے گئے جو عباسیوں کا اُس وقت ساعد و معین بنا ہوا تھا۔ اگر عباسیوں کو کچھ بھی [illegible] ان وطن آوارہ بھائیوں سے ہمدردی ہوتی تو وہ کبھی اس نوبت اور تنہائی کی حالت میں خصوصاً ابو مسلم اپنے مدار المہام اور دستور معظم کے ہاتھوں انکا خون ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ضرور تھا کہ ابو مسلم کو اُنکے قتل سے باز رکھتے۔ مگر ابو مسلم تو صرف عباسیوں کے حقوق کا مُوید تھا اُسکی طمع حکومت نے ان حضرات کے وجود کو عباسیوں کے حصول مقاصد کے لیے سراسر خلاف سمجھا اور اُنکو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔

عباسیوں کی خود غرضی اور نفسانیت کے آئندہ حالات پر غور فرما کر امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابتدا ہی سے بنی ہاشم کو ان امور سے علٰحدہ رکھنا چاہا تھا اور بنی حسن کے مُنہ پر صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ امر امارت بنی امیہ کے بعد آل عباس کا حصہ ہے۔ اس میں کسی دوسرے کو کوشش

فضول اور بیکار ہے۔ مگر عبد اللہ محض نے ابو جعفر منصور کی ظاہری اور زبانی تائید کرنے اور اُنکے
صاحبزادے محمد نفس زکیہ کے ساتھ دست بیع ہو جانے سے یقین کر لیا تھا کہ آل عباس ہمارے مطیع
جاں نثار بنکر بنی امیہ سے ہمارے لیے ملک خالی کرالیں گے اور ہمکو مسند حکومت پر بٹھلا کر اور خود دست بین
بنکر کاروبار ملکی انجام دیتے رہیں گے۔ انہی خیالوں سے عبد اللہ محض امام جعفر صادق علیہ السلام کے
کلام کی طرف شنوا نہیں ہوئے۔ مگر آگے چل کر اُن کو معلوم ہو گیا کہ عباسیوں کا خلوص اور اُنکی عقیدت
حیلۃ الوقتی کے سوا کچھ بھی نہیں تھی اور آخر کار وہ وقت بد اور خوفناک منظر اُن کی خونبار آنکھوں کے
سامنے آہی گیا جس کی خبر امام علیہ السلام نے دو چار برس پیشتر اُنکو سُنا دی تھی۔ ہم یہ تمام و کمال
کیفیت بہت جلد بنی عباس اور آل حسن کے حالات میں پوری تفصیل کے ساتھ قلمبند کریں گے۔
کچھ ایک بار نہیں بلکہ کئی بار جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان حضرات کو انکی غلط فہمیوں
سے روکنا چاہا مگر یہ نہ سمجھے اور نہ مانے۔ اسی طرح ابو سلمہ خلال اور ابو مسلم کے خطوط طلب آنے کے وقت
بھی آپ نے عبد اللہ محض کو پھر ہدایت فرمائی اور پھر اُن کے اصرار کرنے پر صاف صاف لفظوں میں
کھل کھل کر کہہ دیا کہ میں اپنے موجودہ منصب امامت کی رو سے جو مجھے حق سبحانہ وتعالےٰ کی طرف سے
تفویض ہوا ہے عامۃ المسلمین کی نصیحت سے اُنکے غلطی کرنے کے وقت چشم پوشی اور تغافل نہیں
کرسکتا۔ بلکہ اُن کو ٹوک دینا۔ بتلا دینا اور سمجھا دینا ہمارا عین فرض ہے تو ایسی حالت میں کہ آپ
میرے چچا ہیں۔ رشتہ میں مجھ سے اتنا قریب ہیں تو پھر آپ کو غلطی کرتے ہوئے سیدھی راہ بتلانا اور
طریقۂ صواب پر لانا میرے لیے بدرجۂ اولےٰ واجب اور لازم ہے۔

ابو سلمہ خلال کی عبرتناک سرگزشت اور بنی عباس کی بدسلوکی

اوپر کے بیان سے معلوم ہو گیا کہ عباسیوں کا بنی ہاشم یا بنی امیہ کے ساتھ اتحاد و اتفاق ناقابل
اعتبار تھا۔ اُنکے ارادوں کی بدی اور نیتوں کے فساد کچھ اپنے ہی قبیلہ اور عشیرہ تک منحصر نہیں تھے بلکہ
تمام متوسلین اور متعلقین کے ساتھ اُنکی چالیں اور ترکیبیں یکساں تھیں اسکے ثبوت میں ابو سلمہ
اور ابو مسلم کے واقعات کافی ہیں۔ ہم ابو سلمہ کے حالات سے شروع کرتے ہیں۔ اسکے احوال کا خلاصہ
یہ ہے کہ السفاح نے جب تمام ممالک پر اپنا قبضہ کر لیا اور چاروں طرف سے اُس کو اطمینان حاصل ہو گیا
اور کسی طرف کا کوئی شبہہ باقی نہیں رہا تو السفاح نے اپنے خفیہ ارادوں کو عملی صورتوں میں لانے کا
پورا ارادہ کر لیا۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ وہ ابو سلمہ کی طرف سے صاف نہیں تھا۔ اور اس کے باعث
وہی مراسلات تھے جو ابو سلمہ نے آل عباس کی موجودگی میں عبد اللہ محض اور امام جعفر صادق
علیہ السلام کی خدمات میں لکھے تھے اور اُن کے جواب کے انتظار میں السفاح کے امر خلافت کو

خواہ مخواہ تاخیر میں ڈال رکھا تھا۔ ابو سفاح ابو سلمہ سے فوراً مشتبہ ہو گیا۔ مگر چونکہ ہر امر کو نہایت عاقبت اندیشی سے انجام دیتا تھا اس لیے اُس نے کسی فوری مخالفت کو اس کے ساتھ مصلحت نہ سمجھا۔ اور تھوڑے دنوں تک خموش رہا۔ مگر اب وقت آگیا تو ابو سلمہ کی سیاست بہرحال کی طرف متوجہ ہوا۔ السفاح نے سوچا تو اُسے معلوم ہوا کہ میری سلطنت کا دار و مدار بالکلیہ ابو سلمہ حلال اور ابو مسلم مروزی پر ہے۔ اور میرا تمام عروج و اقتدار انہی کے قوت واقتدار سے وابستہ ہے اور مجھ کو فی الحال انکی قوت اور جبروت کے مقابلہ میں فروغ پانا قطعی ناممکن ہے۔ ان کی موجودگی میں میرے وجود کی مثال حضرت عثمان اور مروان کی مماثلت سے بالکل مساوی ہے۔ مدینہ اور بنی فاطمہؓ کے ساتھ مراسلات اُن کی ذی اختیاری اور خود مختاری صاف صاف بتلا رہے ہیں جو اُن کو ہمارے معاملات میں حاصل ہیں۔ یہ لوگ اپنے حدود سے باہر نکل کر اب اتنا اور بڑھ چلے کہ بجائے اس کے بذات خاص ہمارے امر حکومت میں ہمارے شریک ہوں ہمارے دوسرے ہم پہلو اور ہموزن حضرات کو ہمارا شریک بنانے کی کوشش کرنے لگے اور صرف شرکت ہی نہیں بلکہ ان امور میں وہ ان بزرگواروں کو ہم پر صاف صاف ترجیح دے رہے ہیں۔

اب یہ ہمارے امور السفاح کے پیش نظر ہوئے مگر ابو سلمہ یا ابو مسلم کا استیصال ایسا کچھ آسان سہل نہیں تھا کہ اُسکی خیالی صورت کو فوراً عملی پیکر پہنا دیا جاتا۔ اس لیے السفاح نے ابو جعفر کو ابو مسلم کے پاس خراسان میں اُسکے استمزاج لینے کی غرض سے بھیجا۔ اُس کی مدبرانہ تجویزوں نے اظہار مخالفت سے پہلے ان دونوں اختیار یافتہ اور قوی امرا میں باہمی نفاق اور اختلاف کرنے کی فکر کی۔ ایسے مقاموں میں اکثر مدبران ملکی کو ایسی ہی کارروائیاں کرنی ہوتی ہیں۔ سفاح نے کچھ تو اس غرض سے اور زیادہ تر اس سبب سے اپنے اس راز دلی کو ابو مسلم پر ظاہر کر دیا تھا کہ ابو سلمہ کے معاملات میں دشواریوں سے سامنا ہو گا تو ابو مسلم کی شرکت اور رفاقت اُس کے کے لیے کافی ہوگی۔ کیونکہ ابو سلمہ کے ہٹا دینے میں اہل عراق کے بگڑ اُٹھنے کا خاص طور پر شبہ کیا جاتا تھا۔

السفاح کی یہ تجویزیں اُس کے حصول مقاصد کے لیے بالکل مفید ثابت ہوئیں۔ حقیقتاً میں اگر وہ ایک بار دونوں کی قوتوں کو توڑنا چاہتا تو اُس کی ابتدائی حالت ہرگز اُس قادر نہیں ہو سکتی تھی۔

مصلحت وقت یہی تھی کہ ایک کو اپنا شریک بنا کر دوسرے کی قوت توڑی جائے اور جب دونوں ایک کا خاتمہ ہو جائے تو بچے ہوئے دوسرے کا استیصال کیا جائے۔

ابو سلمہ کے معاملات میں ابو مسلم کی رائے

بہرحال۔ ابو جعفر اپنے مخصوص رفقا کے ساتھ کوفہ سے خراسان پہنچا اور حسن اتفاق سے اسکی مشن (رسالت) کا نتیجہ بھی حسب دلخواہ نکلا۔ ابو مسلم نے صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ حقیقت امر تو یہ ہے کہ ہم اور ابو سلمہ دونوں حضرت اعلیٰ اور حضرت والا کے خدمتگزاروں میں ہیں۔ اگر طبع ہمایوں ہم دونوں میں ایک کی طرف سے مطمئن نہیں ہے تو آپ مختار رہیں جو چاہیں کریں۔
ابو جعفر تو گیا دنیا کو اس کی امید نہ تھی کہ ابو مسلم ابو سلمہ کے خلاف ایسی صاف تقریر کریگا۔ ابو جعفر وہاں سے ابو مسلم کے محاسنِ خدمات کی ظاہری طور پر دل خوش کن تعریفیں کرتا ہوا کوفہ کو واپس ہوا۔ ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ السفاح کے نیرنگ تدبیروں نے خارجیوں کے ہاتھوں ابو سلمہ کا خاتمہ اس آسانی سے کر دیا کہ اس کے دلی راز اور پوشیدہ تدبیروں کی کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں پہنچی۔ غرضکہ ابو سلمہ کے عزت و اقتدار کا تو یوں خاتمہ کیا گیا۔ پھر اس کے مقابلہ میں ابو سلمہ کے اُن بیش بہا خدمات کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا جو اُس نے اُس کے استقرار خلافت اور استحکام امارت کے متعلق ظاہر کی تھیں۔

ابو مسلم کا حسرتناک واقعہ

اب ابو سلمہ کے بعد ابو مسلم کی نوبت آئی۔ اس کے اختیارات وقوت کا جس طرح استیصال کیا گیا اُسکی مفصل کیفیت یہ ہے کہ ابو سلمہ کے خاتمہ کے بعد ابو جعفر نے سفاح کو فوراً ابو مسلم کی سیاست کی طرف توجہ دلانا چاہا۔ مگر السفاح کچھ تو مصلحت وقت اور کچھ بلحاظ خدمات سابق ابو مسلم کی فوری سیاست کی طرف جلدی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے یہ امر زیر تجویز رہا۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۳۶ ہجری میں ابو عبداللہ السفاح نے چیچک میں مبتلا ہو کر بمقام رَے انتقال کیا۔

ابو مسلم سے منصور کی وجہ مخالفت

سفاح کے انتقال سے چند مہینے پیشتر ابو مسلم آٹھ ہزار خراسانیوں کے ساتھ حج کرنے چلا۔ جب عراق میں پہنچا تو خلیفۂ عصر سے ملا۔ السفاح بھی نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ ایک دن یہ واقعہ ہوا کہ ابو مسلم سفاح کے ساتھ بیٹھا ہوا کسی ملکی معاملات میں کچھ گفتگو کر رہا تھا کہ منصور آیا۔ ابو مسلم اُس کی تعظیم کو نہ اُٹھا اور نہ اُس کی طرف کوئی اعتنا کی۔ یہاں تک کہ سفاح نے اُس سے کہا کہ میرے بھائی منصور آئے ہیں۔ اُس نے نہایت آزادی سے جواب دیا ھٰذا المجلس امیر المؤمنین لا یقضی الّا حقہ

یہ امیر المومنین کا دربار ہے۔ یہاں امیر کے سوا اور کسی کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ امر منصور کو نہایت گراں گزرا۔

السفّاح سے ابومسلم کی کبیدگی

اِس کے بعد ابومسلم نے سفاح سے اپنے امیر حج ہونے کا معاملہ پیش کیا۔ اُس نے کہا کہ امسال میں نے اپنے بھائی منصور کو امارت حج تفویض کی ہے اگر اس نے مجھ سے خود اس منصب کو نہ مانگا ہوتا تو میں یہ عہدہ ابومسلم کے سپرد کرتا۔ اب ابومسلم کو اپنا امیر حج مقرر نہ ہونا گراں گزرا۔ بہرحال یہ کاوشیں دلوں میں آہستہ آہستہ روز بڑھتی ہی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ ابومسلم اور ابوجعفر اپنی اپنی جمعیت کے ساتھ مگر علیحدہ علیحدہ بیت اللہ مقدس کی طرف روانہ ہوئے۔

ابومسلم اگرچہ امیر حج نہیں تھا مگر اس سفر میں اُسکی شان وشوکت اور جاہ وتجمل منصور کے ساز وسامان سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا تھا اور جو راہ میں آتا تھا اور اس عظیم الشان قافلہ سے ملتا تھا وہ ابوجعفر کا مہمان نہیں بلکہ ابومسلم کا مہمان ہوتا تھا۔ اس کی جہان نوازی۔ کشادہ دلی اور عالی حوصلگی کی یہ کیفیت ہوئی تھی کہ ان مہمانوں میں چند مہمان بیمار تھے۔ چونکہ بیماروں کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں تھا اسلیے وہی کھانے اُنکو بھی کھانے ہوتے تھے جو عام طور سے پکائے جاتے تھے۔ ابومسلم کو اس کی خبر لگی اُس نے مطبخ کے مہتمم کو بُلا کر تاکید کردی کہ ان لوگوں کے لیے جُدا پرہیزی کھانا پکایا جایا کرے بیمار صحیح اور تندرست لوگوں کی غذا کھانے کے لیے مجبور نہ کیے جائیں۔ اس سے ہمارا نام اور تمہارا اہتمام دونوں بدنام ہوتے ہیں۔ اُس دن سے بیماروں کے لیے کھانے کا خاص علیحدہ اہتمام ہونے لگا۔

ابومسلم کے برخلاف۔ منصور کی طرف یہ کوئی سامان بھی نہیں تھے۔ گنی بوٹی اور نیا شوربہ کا تھا اس لیے ابومسلم کی جمعیت تو مکہ شریف پہنچتے پہنچتے دونی۔ سہ گونی ہوگئی۔ اور منصور کی جمعیت پہلے سے بھی کم ہوگئی۔ منصور تو حج کرکے واپس آیا۔ مگر ابومسلم ٹھہرا رہا۔

السفّاح کے مرنے کی خبر اور منصور کا ابومسلم سے وقتی ملاپ

منصور مکہ سے چل کر جب ذات العرق کی منزل پر پہنچا تو اُسکو سفاح کے مرنے کی خبر معلوم ہوئی اُس نے ابومسلم کے انتظار میں وہیں قیام کیا۔ ابومسلم پہنچا تو اُس سے روئداد بیان کرکے کہا کہ تم اپنی جمعیت کے ساتھ فوراً شہر رَے کی طرف چلے جاؤ اور سفاح کے مال واموال پر تصرف کرکے وہاں کی رعایا کو مطیع اور فرمانبردار بناؤ۔ اب غور کرنا چاہیے کہ آج سے ایک دن پہلے منصور کے خیالات ابومسلم

طرف سے کیسے تھے۔ مگر اب ضرورت پڑی اور وقت آیا تو منصور نے وہ تمام وکمال باتیں اُس وقت نسیاً منسیاً کردیں۔ اور ابومسلم کو تھوڑے دنوں تک پھر اپنا بنالیا۔ اگرچہ اُس کے اتحاد و اخلاص وقتی اور صرف کام نکالنے کی ضرورت سے تھے اور ابومسلم اس کو سمجھتا بھی تھا مگر تاہم اُس نے اپنے انکار کو مصلحت وقت نہ سمجھا اور فوراً سمعنا و اطعنا کہتا ہوا اپنی جمعیت کے ساتھ شہر رے کی طرف روانہ ہوگیا۔ ہماری کتاب کے ناظرین کو منصور کی خود غرضی اور مردم فریبی کی حقیقت اسی ایک واقعہ سے معلوم کرلینی چاہیے۔

مُلک رَے میں عیسےٰ ابن علی کی تنبیہ

ملک رَے عیسےٰ ابن علی ابن عبدالعزیز کی سپردگی میں تھا۔ اُس نے سفاح کے بعد منصور کی جگہ اپنی رعایا سے اپنی بیعت لینی شروع کردی۔ جب اُس کو ابومسلم کے پہنچ جانے کی خبر مل گئی تو وہ اُسکی ہیبت وجلالت سے ڈر گیا اور ابومسلم کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے اب تک جو کچھ امر خلافت کے متعلق کیا وہ صرف حفاظت مال و اموال و اطمینان رعایا اور لشکر کے خیال سے تھا۔ اسکے سوا اور میری نیت میں کوئی فساد نہیں تھا۔ ابومسلم نے اُس کی خطا معاف کردی۔ ابومسلم نے پھر اس علاقہ کا خاطر خواہ انتظام کرلیا۔ اُس کی یہ پہلی خدمت تھی جسے وہ منصور کی ترتیب و تجمیع امور میں بجالایا باوجودیکہ وہ منصور کو ہمیشہ اپنی طرف سے مشکوک اور مخدوش سمجھتا تھا۔

شام میں عبداللہ ابن علی کی مخالفت

منصور کے سر سے عیسےٰ کی بلا ٹلی تھی کہ عبداللہ ابن علی کی مصیبت سے سامنا ہوا۔ خانہ جنگی کے اس خوفناک منظر اور طائف الملوکی کے اس دہشت خیز عالم کو دیکھ کر ہر شخص سمجھتا تھا کہ عباسیوں کی سلطنت کا پودا زمین سے نکلتے ہی مرجھا جائے گا اور اُن کی ابتدا کبھی انتہا تک نہ پہنچیگی۔ کیفیت یوں ہے کہ مروان حمار کے ہزیمت پانے کے بعد شام کا تمام ملک عبداللہ ابن علی کے سپرد کیا گیا تھا۔ جب سفاح کی وفات شام میں مشہور ہوئی تو عبداللہ کی نیت میں فرق آگیا اور اُس نے اہل شام میں یہ مشہور کردیا کہ السفاح کے ولیعہد ہم ہیں اور دو آدمیوں کو اپنی سازش میں لاکر تمام اہل شام کے مجمع عام میں شہادت دلوادی۔ اہل شام تو ان سازشوں کے ہمیشہ سے عادی ہورہے تھے صورت حال معلوم کرکے فوراً عبداللہ کی طرف ہوگئے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ ابن علی ملک شام میں خود مختار ہو بیٹھا۔

یہ حال دریافت کرکے منصور کو سخت انتشار اور تردد لاحق حال ہوا۔ اُس نے ابومسلم کو مقام رَے کے

خاصکر اسی مہم کی انجام دہی کے لیے طلب کیا۔ ابومسلم نے اپنی صعوبت اور ماندگی کا بھی خیال نہیں کیا اور اپنی موجودہ فوج کے ساتھ عبداللہ کے سر پر جا پہنچا۔ ابومسلم کے پہنچتے ہی عبداللہ کی طرف ضعف کے آثار معلوم ہونے لگے۔ عبداللہ کی کج فہمی اور سوء اندیشی اس کی ناکامیابی اور ہزیمت کی اصلی باعث ہوئی۔ اُس نے سب سے پہلے جو غلطی کی وہ یہ تھی کہ اُس نے اپنے سترہ ہزار خراسانیوں کو جو اُس کی فوج میں بھرتی تھے محض اس شبہہ پر قتل کر ڈالا کہ وہ مقابلہ کے وقت ابو سے مل جائیں گے۔ اس خون ناحق کے اقدام نے غیروں کو کیا اُس کے خاص سپاہیوں کو بھی اُس کا طرف سے خائف اور بیدل کر دیا۔

ابومسلم کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ اس سفاک کی مجنونانہ شقاوت پر دانت پیسکر رہ گیا۔ الغرض پانچ مہینے تک ابومسلم محاصرہ کیے پڑا رہا۔ اور عبداللہ بھی اُسی کے سامنے اپنے لشکر کے پرے جمائے ر آخر کار ابومسلم کی اعلےٰ تدبیروں نے اہل شام کو پسپا کر دیا اور حسن ابن قحطبہ کو ابومسلم نے بلا کر کہا کہ تم اہل شام سے مقابلہ کرکے عمداً شکست کھا جاؤ۔ جب وہ تمہارا تعاقب کریں گے تو ہم پیچھے پہنچکر اُن کو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا حسن ابن قحطبہ حسب الہدایت شکست کھا کر بھاگا۔ اہل شام اُس کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ ادھر ابومسلم تو تاک میں تھا ہی موقع پا کر ا تمام جمعیت کے ساتھ نکلا اور اہل شام پر یکایک جا پڑا۔ ادھر سے حسن بھی ابومسلم کو آتا دیکھکر کہاں بھاگا جا رہا تھا کہاں پھر لوٹ پڑا۔ اب ادھر حسن ہو گیا اُدھر ابومسلم۔ بیچ میں اہل شام۔ پھر تو وہ گھمسا ہوا کہ الامان الامان۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ ابن علی کے تمام ہمراہی بھاگ گئے۔ عبداللہ خود بھی ہر طرف سے مایوس ہو کر فرار ہو گیا۔ اور کسی نہ کسی طرح بصرہ میں اپنے بھائی سلیمان کے پاس پہنچکر پناہ گز ہوا۔ سلیمان نے بھائی کو چھپا لیا مگر منصور کو خبر ہو ہی گئی۔ اُس نے سلیمان کو نہایت سختی سے لکھا کہ عبداللہ کو کوفہ بھیجدے۔ سلیمان نے اپنی جان کے خوف سے عبداللہ کو حوالہ کر دیا۔ منصور کی شقاوت کے آگے نہ اپنے کی تمیز تھی نہ پرائے کی۔ اُس کے غیظ و غضب کے وقت نہ یگانہ تھا بیگانہ۔ وہ تو ضرورت تک سب کا ساتھی تھا۔ پھر کسی کا بھی نہیں۔ عبداللہ کے حاضر ہو ہی اُس نے اُن کو ایک لونی لگے ہوئے مکان میں مقید کر دیا اور اس کے بعد اُس کی بنیاد میں چاروں طرف پانی بھروا دیا۔ یہ نمک خوردہ دیواریں پانی سے شرابور ہو کر ایک بار اور نیچے آرہیں۔ تمام مکان بیٹھ گیا۔ اور عبداللہ اُسی کے نیچے دب کر مر گیا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۴۶ کے اخیر میں واقع ہوا۔

پس تو ہمارے ناظرین کو معلوم ہوا کہ ان دونوں مصیبتوں کو منصور کے سر سے ٹالنے والا اور اُسکو خان اور طائف الملوکی کے طوفان خیز دریا سے نکالنے والا ابومسلم ہی تھا۔ رَے اور شام کی گزشتہ مہما

میں منصور کو جو کامیابی ہوئی وہ ابو مسلم کی بدولت ۔ مگر ان محاسن خدمات کی مکافات اور ان ہی خواہیوں کے صلے میں ابو مسلم کو منصور کی طرف سے کیا ملا؟ زجر ۔ توبیخ ۔ ضبط اموال ۔ گرفتاری اور آخر میں اُسکا قتل ۔ ان واقعات کو جو ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں پڑھ کر ساری دنیا کو منصور کی محسن کُشی ۔ عہد شکنی بے وفائی اور خود غرضی پورے طور سے ثابت ہو جاتی ہے ۔ اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ محسن کُش تھا تو بہت بڑا ۔ بیوفا تھا تو بہت بھاری ۔ عہد شکن تھا تو پلّے سرے کا ۔ بیوفا تھا تو اُس درجہ کا ۔ اور خود غرض تھا تو انتہا کا ۔

ابو مسلم سے منصور کا بگاڑ

منصور کو جونہی اپنے چچا علی ابن عبداللہ کی ہزیمت کی خبر ملی تو اُس نے اپنی تنگدلی اور کنجوسی کے تقاضوں سے جس کی وجہ سے وہ اطراف عالم میں دوانق کے نام سے مشہور ہوا ۔ ابوالخصیب کو ابو مسلم کے لشکر میں یہ حکم دیکر بھیجا کہ وہ مال غنیمت کی خوب دیکھ بھال کرے اور ابو مسلم سے کوڑی کوڑی وصول کرلائے ۔ ابوالخصیب لشکر میں پہنچا اور ابو مسلم کو خلیفہ کا فرمان دکھلایا ۔ ابو مسلم حکمنامہ دیکھتے ہی اپنے آپ میں نہ رہا اور کہنے لگا کہ منصور نے ہزاروں بندگان خدا کی جانیں لینے میں تو مجھے پورا امین سمجھ لیا مگر اس دنیائے ناپائدار کے اموال مستعار کے لیے مجھے خائن اور ناقابل اعتبار سمجھا کہ اُس کی نگرانی اور حساب گیری کی غرض سے مجھ پر محافظ اور محاسب مقرر کیے گئے کہ وہ مجھ سے کوڑی کوڑی وصول کرکے اُس کے خزانوں کے مُنہ اور اُسکے لالچ کا پیٹ بھر دیں ۔ اُسی وقت سے ابو مسلم تمام امور سے دست بردار ہو کر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خراسان کی طرف چلتا ہوا ۔ اور اُسی وقت سے اُس کے اور منصور کے درمیان مخاصمت اور مخالفت ذاتی کے شعلے اور سختی سے بھڑک گئے ۔

بعض مورخین نے غنیمت کے معاملہ کے علاوہ اس واقعہ کو بھی جانبین کے ازدیاد خصومت کا باعث بتلایا ہے ۔ وہ یہ ہے کہ اس جنگ میں ابو مسلم کو حضرت عباس ابن عبدالمطلب کی تلوار ہاتھ لگی ۔ اُس نے اُس کو ایک بزرگ کی قابل قدر یادگار سمجھ کر اپنے پاس احتیاط سے تبرکاً رکھ لیا ۔ منصور کو اس کی خبر لگی تو اُس نے منگا بھیجی ۔ ابو مسلم نے نہ دی ۔ نہ دی ۔ اور یہی منصور کی زیادہ تر رنجش اور کبیدگی خاطر کا باعث ہوا ۔ بہر حال اُسی وقت سے منصور کو ابو مسلم کے استیصال کی فکر لگی ۔

منصور اور ابو مسلم کا استیصال

چونکہ یہ معاملہ بذات خود ایک بہت بڑی مہم اور امر عظیم تھا جس کا انفصال بغیر صلاح و مشورہ ممکن

نہیں تھا اس لیے منصور نے دو چار دن سکوت اختیار کیا۔ ایک دن حمید ابن قحطبہ نے ابو مسلم کی طرف سے منصور کے خوب خوب کان بھرے اور صاف صاف لفظوں میں اُس سے کہدیا کہ جو جن تیرے چچا عبد اللہ ابن علی کے سر سوار ہوا تھا وہی اب ابو مسلم پر بھی مسلط ہوا چاہتا ہے۔ حمید کی تقریر سُنکر اور دوسرے ارکین سلطنت کو بھی ہمکلام اور ہمخیال بناکر منصور نے ابو مسلم کو ایک خط لکھا جسکا مضمون یہ تھا۔

ابو مسلم کے نام خط

مجھ کو تمہارے خراسان چلے جانے سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ تم ملک شام میں مستقل رہو کیونکہ وہ مُلک بھی آبادی اور زرخیزی میں مملکت ایران سے کم نہیں ہے۔ اور ملک شام کی ولایت کا عہدہ میں تمہارے سپرد کرتا ہوں اور اس کے ساتھ ہی مصر بھی تمہاری ہی امارت میں دیا جاتا ہے۔ تم کو لازم ہے کہ یہ خط پاکر جہاں تک پہنچے ہو وہاں سے لوٹو اور اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ شام کی طرف چلے جاؤ۔ والسّلام۔

ابو مسلم کا جواب

مقام زاب سے ابو مسلم کچھ تھوڑی دور آگے بڑھا تھا کہ اُسکو یہ خط ملا۔ اُسنے اُس کے جواب میں لکھا کہ ملک مصر و شام کے عطیہ سے مجھپر کوئی احسان نہیں رکھنا چاہیئے۔ یہ دونوں مقام تو وہ ہیں جنہیں میں نے اپنے دست قوی اور شمشیر برق تاثیر سے حاصل کیا ہے۔ والسّلام

منصور کا دوسرا خط

منصور نے ابو مسلم کا جواب پڑھا تو سخت انتشار میں مبتلا ہوا۔ اُسنے اپنے مخصوصین میں سے ایک معتمد علیہ اور معتبر آدمی کو ابو مسلم کے پاس بھیجا اور اپنے خاص شقہ میں ابو مسلم کو اپنے مراحم خسروانی کا متوقع بناکر اُس سے استدعا کی کہ وہ خط کے دیکھتے ہی اُس کے پاس چلا آئے۔ ابو مسلم شہر انبار کے قریب پہنچا تھا کہ اُس کو منصور کا خط ملا۔ اُسنے پڑھکر ذیل کا جواب لکھا۔

ابو مسلم کا جواب

خدا کے فضل و کرم سے اب امیر المومنین کا کوئی دشمن روئے زمین پر باقی نہیں رہا۔ اب امیر کو میری حاجت ہی کیا ہے۔ لیکن میں اُسکی غلامی اور خدمت کے لیے حاضر ہوں اور میں اُسکی اطاعت پر راسخ ہوں۔ مگر چونکہ اب مجھے امیر کی ذات سے چند اندیشوں اور خدشوں کا شبہہ ہے اور اپنی جان کا خوف لگا ہے اس لیے آستان والا کی حضوری سے مجبوری ہے۔ مگر تاہم خادمان والا کو اس امر کا پورا یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنی دوری اور غیبت کے زمانہ میں حضور کی فرمانبرداری اور جاں نثاری پر برابر مستقیم العقیدہ رہونگا۔ والسّلام۔

منصور کی دوسری ترکیبیں

اس خط کو بھی پڑھ کر جس کے حرف حرف سے اقرار عقیدت اور لفظ لفظ سے اظہار ارادت ہو رہا تھا منصور کی تسکین و

تشفی نہیں ہوئی۔ اور ہوتی تو کیسے۔ وہ تو کسی نہ کسی طرح ابومسلم کو کوفہ بلا کر اپنے پنجۂ سیاست اور شکنجۂ عقوبت میں دبانا چاہتا تھا۔ اور ابومسلم بھی اُس کے مرکوز خاطر کو اچھی طرح سمجھ کر برابر پہلو بچا رہا تھا۔ اور جھٹکا جھٹکا پھر رہا تھا۔

بہرحال منصور نے ایکی بار اپنے چچا عیسے ابن موسے کو ایک بڑے طول طویل محبت و استمالت نامہ کے ساتھ ابومسلم کے پاس روانہ کیا۔ اور پھر اُس میں اُسے اپنے مراحم و مکارم خسروانہ کی لمبی لمبی امیدیں دلائیں مگر ابومسلم نے اُس کے وعدوں پر کوئی اعتبار نہیں کیا اور منصور کی یہ رسالت بھی بیکار گئی۔

ابومسلم اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ حلوان کی راہ پکڑ کر خراسان کی طرف روانہ ہوا۔ اب منصور نے ابوحمید مروزی کو جو اُس کا ہموطن اور عزیز تھا ایک پوری جمعیت کے ساتھ ابومسلم کے پاس بھیجا اور اُس کو حکم دیا کہ پہلے وہ اُسے خاطر اور دلجوئی سے سمجھائے اور میرے پاس بُلا لائے۔ اور اگر وہ کوفہ آنے سے ڈرتا ہو تو مدائن تک آئے۔ میں اُس سے وہیں آکر ملونگا۔ اگر وہ ان امور پر راضی نہ ہو تو اُسکو آگاہ کر دے کہ منصور نے قسم کھا کر کہا ہے کہ میں امت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فرزندان عباس سے نہ ہوں اگر اپنی تمام فوج سے خود تیرے اوپر چڑھائی نہ کروں اور بذات خاص خراسان پہنچکر تیرے استیصال کا بندوبست نہ کروں۔

بہرحال۔ ابوحمید اپنی جمعیت کے ساتھ ابومسلم سے ملا اور بہت کچھ کہا سُنا مگر اُسنے ایک نہ مانی۔ آخر ابومسلم اس پر راضی ہو گیا کہ میں شہر رَے میں مقیم ہوتا ہوں۔ امیر کو جو کچھ مجھ سے کہنا سُننا ہے وہیں آکر کہہ لیں سُن لیں۔

منصور کی ایک نئی چال

ہنوز یہ امر پورے طور سے طے نہیں ہوا تھا کہ ابوداؤد کا خط جسے ابومسلم نے اپنی طرف سے خراسان میں نائب چھوڑا تھا اِس مضمون کا اُس کے پاس پہنچا کہ یہ تمامی امور جو ہم نے تم نے کیے ہیں وہ سب رضائے آل محمدؐ کی بنا پر مبنی ہیں۔ اب تم کو لازم ہے کہ بغیر اُنکے استمزاج اور اجازت کے خراسان کی طرف رُخ نہ کرو۔ ابومسلم تو یہ خط پڑھتے ہی دم بخود ہو گیا۔ اور اُسی وقت سے اُس کو اپنے تنزل اور ادبار کا یقین ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ منصور کی ایک یہ بھی چال تھی۔ اُس نے ابوحمید کو روانہ کر کے ابوداؤد کو ایک خط لکھا جس کا یہ مضمون تھا کہ میں نے تجھ کو خراسان کا مستقل گورنر بنایا۔ ابومسلم کے پائے عقیدت جادۂ اعتدال سے باہر ہوتے چلے جاتے ہیں اور وہ بغیر ہماری اجازت کے خراسان میں داخل ہونا چاہتا ہے اس لیے تجھے لکھتا ہوں کہ تو اُس کو خراسان میں نہ آنے دے۔ ابوداؤد یہ خط پڑھکر اور امارت خراسان کی بشارت پاکر پھولوں نہ سمایا اور پورے طور سے منصور کا مطیع ہو کر ابومسلم کو وہ خط لکھا جو اوپر لکھا گیا۔

ابومسلم نے ابوحمید سے اس خط کے مضمون کو پوشیدہ رکھا مگر اُس نے خراسان جانیکا ارادہ فسخ کردیا اور ابوحمید سے باتیں بنا کر کہنے لگا کہ تمہاری اتنی منت وسماجت پر اپنے قطعی انکار کو مروت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ اس لیے قصد کرتا ہوں کہ میں اپنے معتمد علیہ کو امیر کے پاس بھیجکر اپنا اطمینان پہلے کرلوں۔ اگر میرا معتمد علیہ امین مجھ کو اُس کی طرف سے اطمینان کامل دلادے تو میں البتہ اُسکی خدمت میں شرف قدمبوسی حاصل کرسکتا ہوں۔ ورنہ میں مجبور ہوں۔ ابوحمید نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا اور یہ قرار پایا کہ ابومسلم مدائن میں جاکر منصور سے ملاقات کرے۔

ابواسحاق اور منصور کا دربار

اس گفتگو کے دوسرے دن ابواسحاق کو ایک معتد بہ جمعیت کے ساتھ ابومسلم نے منصور کے پاس بھیجا ابواسحاق منصور سے مدائن میں ملا۔ منصور نے اپنا کام نکالنے کی غرض سے اُس کی اتنی خاطر و مدارات کی کہ کبھی اُس کے خواب وخیال میں بھی نہ آئی ہوگی۔ اور ابومسلم کے اوصاف و اخلاق کی تعریفیں ایسے پرزور اور خوش کُن الفاظ میں بیان کیں اور ابومسلم کی طرف سے اُس کو ایسا اطمینان اور ایسی تشفی دلائی کہ ابواسحاق فریفتہ اور از خود رفتہ ہوگیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ابواسحاق مدائن سے واپس آیا۔

ابومسلم اور منصور کا دربار

ابواسحاق نے واپس آکر امیر ابومسلم سے منصور کی ملاقات کی تمام وکمال روئداد بیان کردی اور منصور کی طرف سے اُس کو پورا اطمینان اور تشفی دلادی۔ ابومسلم بھی اسحاق کی باتوں پر اعتبار کرکے مدائن کی طرف روانہ ہوا۔ مگر قصر شاہی سے دور ہٹ کر اپنی جمعیت کے پڑاؤ ڈالدیے۔ منصور ابومسلم کے داخلہ کی بر سنکر بیچین ہوگیا۔ اُس دن دن بھر اُسکا انتظار کیا۔ وہ نہ آیا تو دوسرے دن علی القتب ا ح بن یزید کو جو نہایت فرزانہ اور دانشمند زمانہ تھا۔ اُس کے پاس بھیجا۔ جریر نے ابومسلم کے پاس پہنچکر کچھ تو اپنے سابق ارتباط اور کچھ اپنی چرب زبانی اور سحر بیانی سے ابومسلم کو اپنا گرویدہ بنالیا ابومسلم نے آخر کار چلنے اور امیر سے ملنے کا پورا وعدہ کرلیا۔ مگر اس شرط پر کہ عیسےٰ ابن موسےٰ امیر کا چچا جو اُس کا مدت تک رفیق اور بہی خواہ رہ چکا ہے آئے اور اُس کے حفظ جان ومال کی ضمانت کرجائے۔

جریر نے اس کو بھی مان لیا اور منصور سے کہکر عیسےٰ ابن موسےٰ کو اُس کے پاس بھجوا بھی دیا۔ عیسےٰ اور اُسنے ابومسلم کی جان ومال کے محفوظ رہنے کی ضمانت کرلی۔ اور فیمابین عہد وپیمان استوار اور محکم

ہو گئے اور آخر کار اُسکو شاہی دربار میں پہنچا ہی دیا۔
بعض مؤرخین کا قول ہے کہ منصور نے تین روز تک ابومسلم سے ملاقات نہیں کی مگر اسکی خاطر و مدارات اور راحت رسانیوں کے اہتمام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یہ امر منصور کی فہم و فراست کے خلاف ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ آنے جانے اور ابومسلم کے راضی کرنے اور اطمینان دلانے میں تین دن کا عرصہ لگ گیا۔ جس کو مؤرخین نے تین دن تک ملاقات نہ کرنے سے تعبیر فرمایا۔

ابومسلم کی دور اندیشی

ابومسلم بھی حسن تدبیر میں منصور سے کم نہیں تھا بلکہ اُس سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ ابومسلم کی تدبیریں وسعت دلی اور علو ہمتی کے ساتھ ہوتی تھیں اور منصور کی تجویزیں تنگدلی اور کوتاہ بینی کے ساتھ۔ منصور کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے اُس نے مالک ابن ہیثم کو بلایا اور اپنا تمام مال و متاع اُس کے سپرد کیا۔ اور اپنی مہر اُسے دیکر تاکید کردی کہ اگر تم کو میرا ایسا خط پہنچے جس پر پوری انگوٹھی کا نشان بنا ہو تو سمجھ لینا کہ یہ خط جعلی اور مصنوعی ہے۔ اور اگر ایسا خط تجھے ملے جسپر میری نصف مہر لگی ہو تو سمجھ لینا کہ وہ خط حقیقتاً میرا ہی لکھا ہوا ہے۔

ابومسلم اور منصور کی ملاقات

سمجھتا ہوں دل چھین لینے کے ڈھب ہیں   گلے میں وہ کیوں ہاتھ ڈالے ہوئے ہیں

ابومسلم کو آتا دیکھتے ہی منصور تخت امارت سے اُٹھا اور نہایت خلوص سے ہم آغوش ہوا۔ اپنے پہلو میں مسند پر بٹھلایا اور محبت و الفت کی باتیں کرنے لگا۔ منصور نے ایسی باتیں کیں کہ ابومسلم پر کیا منحصر ہے کسی کو بھی اُس کی طرف سے خلاف ورزی اور عہد شکنی اور بے مروتی کی امید نہیں تھی۔ بہرحال۔ ایسی محبت انگیز اور الفت خیز باتیں کرکے منصور نے قصر شاہی کے اُس حصہ میں آرام کرنے کے لیے رخصت کردیا جو پہلے ہی سے اُس کے قیام کے لیے شاہی انتظام سے خاص طور پر آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ امیر سے رخصت ہو کر ابومسلم اپنے موجودہ رفیقوں کے ساتھ اُس قصر میں اُتر پڑا۔ تین روز تک ابومسلم منصور کے دربار میں برابر آتا جاتا رہا۔ اور منصور اُسی طرح ہمیشہ اُس کی تعظیم و تکریم کرتا رہا۔ تین دن کی آمد و رفت میں ابومسلم کو منصور کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہو گیا۔ اور وہ سابق کے خدشے اور اندیشے بالکل جاتے رہے۔

ابو مسلم کا قتل

منصور نے چوتھے دن عثمان ابن نہیک کو تین سپاہیوں کے ہمراہ ایک کوٹھری میں یہ حکم دیکر پوشیدہ کر دیا کہ آج ابو مسلم جس وقت میری ملاقات کو آئے اور میں تین بار اپنا ہاتھ پر بجاؤں تو اُس وقت تم کوٹھری سے باہر نکل کر اپنی تلواروں سے ابو مسلم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا اور اپنے حاجب کو بُلا کر حکم کر دیا کہ جس وقت ابو مسلم آج میری ملاقات کو آئے تم کسی حیلہ سے اُس کی تلوار لے لینا۔

القصہ یہ تمام انتظام درست کرکے ابوجعفر منصور ابو مسلم کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ابو مسلم دروازے سے خشم آلود اور عتاب انگیز تقریریں کرتا ہوا دکھلائی دیا۔ منصور نے اُس کو اس حالت میں آتا ہوا دیکھکر سمجھ لیا کہ دروازے پر اس کی تلوار چھن گئی۔ ابو مسلم آیا اور اُس سے حقیقت حال معلوم ہوئی تو اُس نے اُس کی دلجوئی اور خاطرداری کر کے اُس کو پھر مطمئن کر دیا۔ الغرض ابو مسلم پھر بیخوف ہوکر منصور سے باتیں کرنے لگا۔ اثنائے گفتگو میں منصور نے ابو مسلم سے پوچھا کہ میرے پاس آنے میں تمہیں اس قدر ردوکد کیوں تھی۔ اور تمہارا خراسان کی طرف بغیر میری اجازت کے چلا جانا کس باعث سے تھا؟ ابو مسلم نے جواب دیا ایہا الامیر! اس امر کی ابتدا تو آپ ہی کی طرف سے ہوئی۔ آپنے غنیمت کے ایسے بے حقیقت اور معمولی امر میں مجھ کو خائن اور غیر معتمد سمجھا اور میری نگرانی اور حفاظت کے لیے ایک غیر شخص کو امین مقرر کرکے میرے لشکر میں بھیجدیا۔

ابو مسلم کا یہ جواب سُنکر منصور نے ایکبارگی سخت کلامی شروع کر دی۔ ابو مسلم نے رنگ بیرنگ ہوتا ہوا دیکھکر کہا کہ اے امیر! میری وہ مساعی جمیلہ اور کوششہائے بلیغہ جو میں نے تیری سلطنت کے استقرار و استحکام کے متعلق صرف کی ہیں فراموش نہونی چاہییں۔ اب منصور کہاں اور یہ باتیں کہاں۔ وقت نکل گیا اور اُس کے ساتھ اُس کی سب باتیں نکل گئیں۔ کام نکل گیا اور اُنہی کاموں کے ساتھ منصور بھی نکل گیا۔ اب منصور کہاں ہاتھ آنے والا ہے۔

ابو مسلم کی اس تقریر سے منصور کا دل کیا پسیجے گا کہ وہ اور برافروختہ ہو گیا اور ابو مسلم سے ڈانٹ کر کہنے لگا کہ اے کنیز حبشی کے جائے! تو اپنی محاسن خدمات اور مساعی جمیلہ پر کیا ناز کرتا ہے۔ قسم خدا کی اگر تیری جگہ کوئی عورت زنگیہ بھی ہوتی تو اُس سے بھی وہی امور ظاہر ہوتے جو تجھ سے معرض ظہور میں آئے۔ کیونکہ یہ امر عظیم جو تجھ سے ظاہر ہوئے۔ اُن کی خاص وجہ یہ تھی کہ حق سبحانہ وتعالٰے کو ہمارے خاندان کو عزت و اقبال کے عرش الکمال تک پہنچانا منظور تھا۔ جو کچھ خدا کی مشیت میں گزرنے والا تھا گزرا اور جو ہونے والا تھا ہوا۔ اس میں تیری قدرت کیا تھی اور

میری مجال کیا تھی کہ بغیر مشیت ایزدی کے تو ہماری دولت و ثروت کے حصول کا انتظام کرتا۔ اور اے پسر زانیہ یہ تو ہی تھا جس نے میری عمہ آمنہ بنت علی سے عقد کی خواستگاری کی اور یہ دعوے کیا کہ سلیط ابن عبد اللہ ابن عباس کے فرزندوں میں سے ہوں۔ تو نے اپنے غرور و نخوت کے نشہ میں سرشار ہو کر حد سے باہر پاؤں پھیلا دیے۔ اور اپنے حضیض ذاتی کو آسمان تمکنت پر پہنچا دیا۔

اتنا کہکر منصور نے یکایک تین مرتبہ اپنا ہاتھ اپنے سر تک پہنچایا مستظرین تو اشارے کی تاک میں تھے ہی۔ جونہی منصور کا ہاتھ سر تک جاتے ہوئے دیکھا فوراً ننگی تلواریں لیے ابو مسلم کے سر پر آدھمکے۔ یہ خونین منظر دیکھتے ہی ابو مسلم کے تو ہوش اُڑ گئے اور اُس سے اُس فوری اضطراب کے عالم میں اور کچھ تو بن نہ پڑا۔ اُس نے فوراً اپنا سر منصور کے قدموں پر رکھدیا۔ مگر بے درد منصور نے اُس کو ایسی ٹھوکر ماری کہ وہ ڈھلکتا ہوا دور جا پڑا۔ عثمان ابن نہیک اور اُسکے دونوں ہمراہیوں نے ہینچکر اپنی تلواروں سے ابو مسلم کا کام تمام کر دیا۔ جب وہ ٹھنڈا ہو گیا تو اُس کی لاش کو چٹائی میں لپیٹ کر ایک گوشہ میں کھڑا کر دیا۔

ابو مسلم کے قتل کے بعد کے حالات

ابو مسلم نے دربار جاتے وقت اپنے دوست عیسے بن موسے سے کہدیا تھا کہ میں دربار میں جاتا ہوں۔ تم بھی پیچھے سے آنا حسب الوعدہ عیسے آیا تو ابو مسلم کو نہ پایا۔ پوچھا تو منصور نے جواب دیا ھاھو ذالک ملفوف فی ذلک البساط۔ وہ دیکھو چٹائی میں لپٹا ہوا کھڑا ہے۔ عیسے نے پوچھا کہ حقیقت میں تم نے ابو مسلم کو مار ہی ڈالا۔ اب اُس کے ہمراہیوں کے ساتھ کیا معاملہ کرو گے جو اُس کی رفاقت میں اُس کے پسینے پر اپنا خون گرانے کو موجود ہیں۔ منصور نے کہا کہ اُن کا سیدھا کر لینا کونسی بات ہے۔ یہ کہکر اُس نے ایک ہزار تھیلیوں میں تین تین ہزار دینار رکھکر سلوا دیے اور عیسے کو حوالے کر دیے کہ بالا خانہ پر جا کر غوغائیوں پر تقسیم کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ابو مسلم کے ہمراہی اپنے رئیس کا تھوڑی دیر تک انتظار کر کے قصر امارت کے نیچے آئے۔ عیسے نے اُس جماعت پر بالا خانہ سے روپیہ بھری ہوئی تھیلیاں پھینکنی شروع کر دیں اور چلّا کر کہنے لگا اے سپاہیو! ابو مسلم بھی بندگان امیر سے ایک امیر تھا۔ جس کا وجود امیر کی طبع کے ناگوار گزرا آخر کار وہ اپنے اعمال کی سزا کو پہنچ گیا۔ اب یہ عطایائے امیر ہیں جو خاص تمہارے لیے اس وقت تفویض فرمائے گئے ہیں۔ تم اس وقت انہیں لو اور آیندہ زیادہ کے امیدوار بنے رہو۔ فوج کے سپاہی زمانہ کے اُلٹ پھیر کو دیکھ رہے تھے۔ اس ایثار شاہی کو غنیمت سمجھ کر

اپنے اپنے مقام پر خموش رہ بیٹھے۔

یہ تھے ابو مسلم کے مفصل واقعات اور مشرح حالات۔ ہم نے اس بحث کی تفصیل و تشریح میں اسلیے طوالت کو پسند نہیں کیا ہے کہ اس واقعہ سے منصور کی طبیعت۔ اُس کے افعال اور رفتار و کردار کی پوری حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ چونکہ منصور کی افتاد طبیعت اور اصول حکومت نے بلاد اسلامیہ کے تمام معزز و مقتدر لوگوں کے ساتھ اپنے مظالم اور شقاوت کے یکساں مسالک قائم رکھے ہیں اس لیے ضرور تھا کہ ہم اُس کو پوری توضیح کے ساتھ مندرج کریں۔ ابو سلمہ کے قتل کا واقعہ۔ ابو السفاح کے زمانہ سلطنت کے متعلق تھا۔ اس لیے ہم نے اُسے تشریح کے ساتھ نہیں لکھا۔ مگر ابو مسلم کا واقعہ چونکہ خاصکر منصور کے ایام حکومت کے متعلق ہے اس لیے ہمارا فرض ہے کہ اپنے آیندہ ضروری مضامین کی توضیح کے اعتبار سے اس کی پوری تشریح کریں۔

حقیقت امر یہ ہے کہ ابو مسلم کا واقعہ جو مختلف تاریخی ماخذوں سے منتخب کرکے پوری تفصیل کے ساتھ اوپر بیان ہو چکا ہے وہ ہمارے ناظرین کے پیش نظر ہے۔ اس کے ہر پہلو سے ابو مسلم کے محاسن خدمات۔ تہذیب اور اخلاق کا اظہار ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے ہر قرینہ سے منصور کی خود غرضی۔ نفسانیت۔ شقاوت اور بیدردی آشکار ہوتی ہے۔ ابو مسلم نے جیسا مرتے وقت اس سے کہا تھا کہ میرے محاسن خدمات کو بھولنا نہ چاہیے۔ بہت درست اور حسب الواقعہ تھا۔ اُسکے خدمات۔ محاسن سلوک۔ استحفاظ حقوق اور وہ اعلے کوششیں اور ہمدردیاں جو اُسنے انکے امور کی درستی اور ترتیب میں ساری دنیا کے سامنے ظاہر کی تھیں وہ ہرگز فراموش کر دیے جانے کے قابل نہیں تھیں۔

ابو مسلم کے اخلاق اور شائستگی کی نسبت بہت بڑی مثال اس واقعہ سے ملتی ہے کہ اُسنے ایسے وقت میں منصور کی اطاعت اور استعانت سے منہ نہیں پھیرا جب جانبین کے دلوں میں رنجیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ اور اُس کے آثار طرفین سے ہویدا اور آشکار ہو گئے تھے مگر ابو مسلم کی نظر اُس وقت منصور کی خونخواری اور مردم آزاری پر نہیں تھی۔ بلکہ عموماً بنی عباس کی نمکخواری اور اپنی وفاداری پر۔ اور یہ وہ سررشتہ تھا جسے وہ قریب قریب مرتے دم تک تھامے رہا۔ ابو مسلم نے منصور کے خلاف کبھی کسی قسم کی مالی اور فوجی سازش سے کام نہیں نکالا۔ بالعکس اس کے منصور نے ابو مسلم کے خلاف اُس کے استیصال کی تجویزوں میں ہمیشہ فریب۔ دغا۔ مکر اور حیلے کام لیا۔ ممکن تھا کہ ابو مسلم اگر خراسان نہیں تو شام کے تازہ فتح شدہ علاقوں میں اپنی خود مختاری اعلان کر دیتا۔ فوج کی کمی نہیں تھی۔ مال کی قلت نہیں تھی۔ غنیم شکست کھا ہی چکا تھا۔ ملک اور رعایا قبضہ میں آہی چکا تھا۔ پھر اُس کے بادشاہ بن بیٹھنے میں کیا باقی تھا مگر اُسنے نظر بر استحقاق بنی عباس

ان امور میں سے کسی کی طرف بھی خیال نہیں کیا۔ اُس کی اطاعت و فرمانبرداری کے ثبوت کو تو وہی اُسکی تقریر کافی ہے جو اُسنے منصور سے ابو سلمہ کے معاملہ میں کی تھی۔

یہ بھی ممکن تھا کہ ابومسلم بھی اپنے نائب ابو داؤد کو منصور کی نسبت بھی ویساہی تحریر کرتا جیسا منصور نے اُسکے متعلق لکھا تھا مگر ابومسلم کے دل میں ایک گونہ معمولی رنجش کے علاوہ منصور کی طرف سے غدر و فساد کی باتیں نہیں تھیں۔ ابومسلم نے اپنی حاضری کی ردّو کدیں جو تاخیر اختیار کی اُسکا باعث بھی زیادہ تر منصور ہی کی ذات ثابت ہوتی ہے کیونکہ منصور ہی کے انداز و روش سے ابومسلم مخوف اور ترساں ہو گیا تھا۔ منصور کی خود غرضی۔ نفسانیت۔ خفیف الحرکاتی۔ حرص اور خوردہ گیری اُسکے شبہات کو اور بڑھاتی گئیں۔

ان امور کے علاوہ منصور نے جس صورت اور جس حیثیت سے ابومسلم کو گھر بُلاکر قتل کیا وہ صاف صاف مہمان کشی کی تصویر ہے۔ دنیا کے جنگ آزما دلیروں اور معرکۂ کارزار کے شیروں کے شکار کرنے یا اُن کے گرفتار کرنے کی یہ شان نہیں ہوتی۔ اگر منصور بھی مرد میدان ہوتا تو اپنے حریف سے میدان پکڑ کر رودررو مقابلہ کرتا۔ اور پھر دست بقبضہ ہو کر دونوں آپس میں سمجھ لیتے تو ہم کیا دنیا کے تمام لوگ سمجھ لیتے کہ منصور نے اپنے حریف کے پسپا کرنے اور مار گرانے میں کمال دلیری اور جسارت سے کام لیا ہے۔ گھر بُلاکر اور اپنا مہمان بناکر دعوت کے دھوکے میں عداوت کا مزا چکھانا اور شربت نوشین کی جگہ کاسۂ مرگ پلانا منصور کی تنگدلی اور کم ظرفی کا کامل ثبوت ہے۔ اہل عرب کی حمیت سے عموماً اور بنی ہاشم کے اخلاق و مہمان نوازی سے خصوصاً کوسوں دور ہے۔

بہرحال۔ چونکہ عباسیوں کا ستارہ عروج پر تھا اور مساعدت زمانہ بھی انکی ہمدم اور ہمقدم تھی اس لیے منصور کی یہ سفاکانہ حرکات دنیا پر کہاں تک خود ابومسلم کی ہمراہی جمعیت پر بھی اپنا کوئی اثر پیدا نہ کر سکیں۔ منصور نے اپنی وقتی سخاوت دکھلا کر زر پرستان دنیا کے لبہائے شکایت بند کر دیے اور ملک میں کوئی فتنہ یا کوئی فساد پیدا نہیں ہوا۔

اتنا لکھ کر ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو آگاہ کیے دیتے ہیں کہ ہم نے اس مضمون میں جو ابومسلم کے ذاتی اخلاق و اوصاف سے بحث کی ہے اُس سے میرا یہ مقصود ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنے ان معاملات میں جس راستی سے کام کرلیا اُسی طرح اُس کے تمام معاملات راستی اور حق بینی پر مبنی ہوتے تھے۔ یا وہ جیسا آل عباس کے ساتھ مستقیم العقیدہ تھا ویسا ہی بنی حسنؑ اور دیگر بنی فاطمہؑ کے ساتھ بھی نہیں نہیں ایسا نہیں۔ اگر وہ دوست تھا تو صرف بنی عباس کا۔ ہمدرد تھا تو انہی کا جان نثار تھا تو انہی کا۔ اور کسی کا بھی نہیں۔ اور ان کی خیر خواہیوں کے آگے بنی فاطمہؑ۔ بنی حسنؑ۔ آل جعفرؑ۔ غرض کسی کی کوئی وقعت یا کسی کا لحاظ اُس کو ملحوظ نہیں تھا۔ تو پھر ایسے برگشتہ ایمان اور بگڑے ہوئے مسلمان کو

ہم صحت کے ساتھ دائرۂ ایمان میں شمار نہیں کر سکتے۔ ابومسلم کے مظالم اور مفاسد سے تاریخوں کے ہزاروں صفحے رنگے پڑے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بنی عباس کے حصول مقاصد کی غرض سے اُس نے ہزاروں خون ناحق کا سیلاب زمین پر بہا دیا ہے۔ مثال کے لیے عبداللہ اُنکے بھائی حسن اور ان کے رفیق کے کشت و خون موجود ہیں۔ یہ غریب سادات حضرت عبداللہ ابن جعفر کی اولاد سے تھے جو ابومسلم کے حکم سے شہر ہرات میں مارے گئے۔

باقی رہے اُن مراسلات کے مضامین جو ابومسلم نے قبول خلافت کے لیے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں بھیجے تھے۔ وہ حقیقت میں اس کی مدبرانہ چالیں تھیں اور کچھ بھی نہیں مگر اُس کے مفہوم کو ابوجعفر منصور تا غایت المرام سمجھ چکا تھا۔ اور منصور سے زیادہ جناب امام جعفر علیہ السّلام معلوم کر چکے تھے۔ ابومسلم کی غرض امر امارت میں ان بزرگواروں کی مشارکت سے عباسیوں کی قوت و اختیار کا توڑنا تھا اور اپنی شان و شوکت کا سکہ دنیا کے دلوں پر بٹھلانا تھا۔ اِسی لیے جناب صادق آل محمد علیہ السّلام نے اس سے پہلے خط پر تو کوئی اعتنا ہی نہیں فرمائی دوسری تحریر آنے پر جواب بھی دیا گیا تو ایسا صاف صاف کہ تو نہ ہمارے آدمیوں میں سے ہے اور نہ یہ زمانہ ہماری خلافت کے لیے موزوں ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ پھر ایسی حالت میں جب جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام اُس کو اپنے متبعین کے دائرہ میں شمار نہ فرمائیں اور اُس کی کوئی معرفت یا تصدیق و توثیق نہ کریں تو میری کیا مجال اور میرا کیا مُنہ کہ ہم ابومسلم کو دائرۂ اسلام اور ربقۂ ایمان میں داخل کرنے کی جرأت کریں۔ العیاذ باللہ و لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

سادات بنی حسن اور منصور

ابومسلم کے واقعات کو اختتام تک پہنچا کر اور منصور کے ظلم و شقاوت کے حالات دکھلا کر ہم اپنے سلسلۂ بیان میں ابنائے حضرت امام حسن علیہ السّلام کی درد انگیز اور مصیبتناک داستان قلمبند کرتے ہیں۔

ابومسلم کے واقعہ سے فراغت کر کے منصور نے سب سے پہلے جس کی طرف نظر دوڑائی وہ امام حسن علیہ السّلام کی اولاد تھی۔ اُس کی سادات کُشی کے واقعات یہ ہیں۔

یہ تو پہلے ہی بیان ہو چکا ہے کہ بنی عباسیہ نے اپنی دعوت کا سلسلہ بنی حسن کے اتفاق سے شروع کیا تھا اور مقام ابوا کے مجمع میں سب سے پہلے منصور ہی نے محمد ابن حسن الملقب بہ نفس زکیہ کو خلافت کے لیے خود منتخب کیا تھا۔ اور اُس مجمع میں علی الاعلان یہ اقرار کیا تھا کہ میری نگاہ میں ا[illegible]

جوان رعنا سے بہتر کوئی شخص دوسرا امر امارت وخلافت کے قابل نہیں ہے اور دنیا کے لوگ سوائے اسکے کسی دوسرے کی طرف مائل اور راغب نہیں ہونگے۔

منصور نے کچھ اسی تقریر ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس تقریر کے بعد محمد کی بیعت بھی کر لی۔ ان کے بیعت کرتے ہی تمام حاضرین نے محمد نفس زکیہ کی بیعت کر لی۔ مگر جب انکے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام حسب الطلب ان لوگوں کے تشریف لائے اور آپ نے ان لوگوں کی رایوں سے اختلاف فرمایا اور بنی عباس کی خلافت وسلطنت کی صاف صاف لفظوں میں پیشین گوئی بیان فرمادی تو منصور کو اُسی وقت سے محمد نفس زکیہ کے ساتھ بیعت کر لینے پر سخت ندامت آئی اور ع چراکارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ کے معانی پر غور کر کے اُسی وقت اُس کے دل میں اُلجھن پیدا ہو گئی اگر امام زمانہ کی پوری معرفت اُسے ہوتی تو اُسے زیادہ تفتیش کی ضرورت نہ ہوتی۔ مگر چونکہ قلب اُسکا توفیقات یزدانی اور نور ایمانی سے محروم تھا اس لیے جناب صادق آل محمد علیہ السلام کی پیشینگوئیوں کی اُس وقت تک تصدیق نہ کر سکا جب تک کہ در دولت پر حاضر ہو کر بذات خاص اس امر کو پورے طور سے بوجھ نہ لیا جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دوبارہ اُس کی تسکین کر دی تب کسی نہ کسی طرح اُس کی دلجمعی ہوئی۔

حقیقت امر یہ ہے کہ اُسی وقت سے اُس کو اپنی امارت کی فکر لگ گئی۔ اور اگرچہ وہ حصول خلافت کی مدت رضائے آل محمد کے خوش کن فقرے سے اپنا کام چلاتا رہا۔ مگر اپنی تفریق وتخصیص بھی ہمیشہ مدنظر رکھی۔ اسی وجہ سے اپنے امور میں استقرار واستحکام آتے ہی منصور نے السفاح کو ابوسلمہ اور ابومسلم کے فوراً ہٹا دینے کی صلاح دی۔ جن کو وہ اہلبیت علیہم السلام کے حقوق کا مؤید سمجھ کر اپنے خاص فائدوں کا مانع خیال کرتا تھا۔ چنانچہ السفاح نے ابوسلمہ کا خاتمہ تو اپنے ہی زمانہ میں کر دیا۔ باقی رہا ابومسلم۔ وہ منصور کے وقت میں تمام کیا گیا۔ یہ دونوں محبت اہلبیت علیہم السلام کے شبہہ پر قتل کیے گئے۔ مگر واقعات بتلا رہے ہیں کہ یہ شبہہ محض غلط تھا۔ یہ لوگ کبھی منصور کو چھوڑ کر ان بزرگواروں کے بہی خواہ اور مؤید نہیں تھے۔ ان سب کو تمام کر کے دو برس تک منصور سنباد مجوسی اور فرقۂ زنودیہ کے استیصال میں مصروف رہا۔ ان سے فراغت کر کے وہ باطمینان تمام اولاد حضرت امام حسن علیہ السلام کے قتل وغارت کی طرف متوجہ ہوا۔ شمس العلماء پروفیسر مولوی شبلی نعمانی سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں۔

منصور کی بیرحمیاں۔ اور بیرحمیاں تو تھیں ہی۔ منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی بیخ کنی اور خانہ بربادی شروع کر دی۔ اس میں شبہہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا خیال پکا رہے تھے۔ اور ایک لحاظ سے اُن کا حق بھی تھا۔ تاہم سفاح کے وقت تک ان سے

بالکل خموش بیٹھے رہے۔ اور بنی عباس کی طرف سے ایفائے وعدہ کی امیدیں لگائے رہے اگرچہ سفاح کے وقت ہی سے عباسیوں کے رُخ بدل گئے تھے اور اُنکی پیشانیوں سے بیوفائی اور عہدشکنی کے آثار ہویدا اور آشکار ہو چلے تھے مگر چونکہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی مخالفانہ اور مخاصمانہ کارروائیوں کی ابتدا نہیں کیگئی تھی۔ اس لیے یہ اپنی طرف سے اُنکے وعدوں کی یاد دہانی کے سوا کسی تحریک یا تقاضۂ شدید سے کام لینا بھی نہیں چاہتے تھے۔ سادات کا سکوت۔ انکی خموشی۔ انکے اعلےٰ اخلاق و آداب کی مثال ثابت کر رہا تھا۔ ہاں امتداد ایام حریف کے امور میں انتظام اور استحکام پیدا کر رہا تھا منصور کا زمانہ شروع ہوا تو اُسکو سب سے پہلے اپنی سلطنت کے استحکام ہی کی فکر ہوئی اور اس میں نمبر اوّل اُسنے سادات کشی ہی کو اس استحکام کا کامل ذریعہ قرار دے لیا۔ اور اسی اصول پر اُسنے اپنا کام شروع کیا۔ اور پہلے ان بزرگواروں کے مؤیدین کو ڈھونڈھ ڈھونڈھکر قتل کیا۔ اور آس پاس کی سادات کو جن میں زیادہ تر حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ کی اولاد تھی جو ہشام کے وقت سے سکونت مدینہ کو ترک کر کے شہر واسط میں آباد تھی۔ اُن کو قتل کیا۔ اور پھر ایسی ایذا اور تکلیفوں کے ساتھ کہ الامان والحفیظ جب منصور کے مظالم و شدائد کی خبریں سادات بنی حسن کو پہنچیں تو ان کو بھی منصور کی طرف سے سخت ہراس پیدا ہوا اور انہوں نے اور انہوں نے اسی وقت سے یقین کر لیا کہ یہ ہمارے ساتھ بھی انہی بیرحمیوں سے ضرور پیش آئیگا۔ یہ خیال کر کے تمام سادات بنی حسن ایسے بادی جوہر تھے اور انہوں نے اپنے جان و مال کی حفاظت کے واسطے منصور کے ظالمانہ حملات کے خیال سے اپنی حفاظت خود اختیاری کے سامان شروع کر دیے۔ اور جب ان لوگوں کو اس امر کا پورا یقین ہو گیا کہ منصور ہم سے اُن معاہدوں پر ہرگز قائم نہ رہیگا جو اُس نے پہلے ان امور کی نسبت ہم سے کیے تھے بلکہ ان خلوص و محبت کے عوض وہ برتے عداوت و خصومت کے سلوک قائم رکھیگا۔ ہم کو قتل کریگا۔ ہمارے گھروں کو غارت کریگا۔ ہمارے مال و اسباب کو لوٹے گا۔ ضبط کریگا جیسا اُس کے موجودہ مظالم و مفاسد سے ظاہر ہوتا ہے تو سادات نے مجبور ہو کر اُس کے خلاف میں کوششیں کرنی شروع کر دیں۔

ہم کو اس مقام پر اپنے فاضل معاصر شمس العلماء مولوی شبلی صاحب کا وہ قول بھی لکھدینا ضروری ہے جس کو جناب ممدوح الیہ نے اپنے سلسلہ ہیروز آف اسلام کے پہلے نمبر المامون میں درج فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ:۔

"عباسیوں پر سادات کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے جو لوگ حجروں میں منھ کر اعتراض کرتے ہیں معذور ہیں مگر پولیٹکل ضرورتوں کا نکتہ دان اسکو شوق سے تسلیم کریگا۔" المامون

مولوی صاحب ممدوح کی یہ عبارت نقل کر کے ہم جناب موصوف الیہ کی اُس عبارت سے ملاتے ہیں جسکو جناب نے آپکی دوسری کتاب سیرۃ النعمان سے ابھی ابھی نقل کیا ہے تو آسمان زمین کا فرق پاتے ہیں۔ ہمیں ابھی تک

نہیں معلوم ہوتا کہ ہم اپنے فاضل محقق کے کس قول پر اعتبار کریں اور کس تحقیق پر اعتماد۔
المامون کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سادات قصوروار تھے۔ انہوں نے بادشاہ وقت سے بغاوت کی۔ قتل کیے گئے۔ باغی کی سزا کے لیے کوئی شخص کسی گورنمنٹ کو ملزم قرار دے نہیں سکتا۔
سیرۃ النعمان کی ترمیم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب سادات منصور کی بے رحمیوں سے عاجز ہو گئے (اور ان کی) ناقابل برداشت مظالم کی زیادہ برداشت نہ کر سکے تو محمد نفس زکیہ نے منصور پر خروج کیا۔ پیچھے اس سے محمد بے قصور ثابت ہوئے اور منصور ارتکاب جرائم اور مظالم کی سولی پر لٹکا دیا گیا۔
تو اب ناظرین خود ہی انصاف کریں کہ ایسی حالت میں سادات پر خروج۔ فوج کشی یا بغاوت کا الزام لگانا ظلاف ہے یا نہیں۔ اب ان غریبوں پر بغاوت کا الزام لگا کر دنیا میں وہ کون ہے جو انہیں واجب القتل ٹھہرا سکتا ہے۔
المامون کی عبارت سے اگر وہ سادات مراد لیے جائیں جو مامون کے عہد حکومت میں خروج پر آمادہ ہوئے تو یہ بھی شبہہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہمارے فاضل محقق نے اپنی عبارت میں جو لفظ رکھا ہے وہ مجرد بنی عباس کا ہے۔ جس سے کوئی تفریق یا تخصیص معلوم نہیں ہوتی۔ جس میں السفاح سے لیکر بنی عباس کے آخر خلیفہ المستعصم باللہ تک شمار ہو سکتے ہیں۔ پھر ایسی حالت میں سادات عہد مامون کی تخصیص محض بیکار ہے اور یہ شبہہ بھی باد ہوا ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ ہر قرینہ سے المامون کی تعریض کو سیرۃ النعمان کی تسلیم نے غیر معتمد اور ساقط الاعتبار ثابت کر دیا۔ ایک کتاب میں غریب سادات مجرم قرار دیے گئے اور دوسری کتاب میں اُن الزامات سے بری کر دیے گئے۔ ہم تمام سادات کرام کی طرف سے اپنے فاضل ممدوح کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں اور اپنا قدیم سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔

اولاد حسن علیہ السلام سے خصومت کی ضرورت

اُن خصومتوں کو بنی حسن سے مجھ دیا گیا ہے جنہوں نے منصور کو ان کے خلاف کوشش کرنے پر مجبور کر دیا۔ اول تو یہ بزرگوار وہی تھے جو بقول فاضل معاصر کے لحاظ سے خلافت کے حقدار بھی تھے۔ دوسرے مقام ابوا میں سب سے پہلے منصور نے بعد اُس کے تمام حاضرین نے (سوائے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے) محمد ابن حسن الملقب بہ نفس زکیہ سے بیعت بھی کر لی تھی اور اس امر پر طرفین سے ہر قسم کے معاہدہ مستحکم ہو چکے تھے۔ پھر اتنے حقوق رکھنے کے بعد منصور نے ان حضرات سے عہد کیا۔ انکے ساتھ اتحاد و اخلاص کے مراسم کو توڑ کر خصومت و عداوت کے طریقے اختیار کیے۔ ان کے عمائد اور اکابر خاندان کو صرف اس شبہہ پر کہ یہ ہمارے خلاف ہیں بغاوت اختیار کرینگے۔ قید کر لیا

ان کے علاوہ اور بہت سے بیگناہ اور محض بے سروکار سادات کو ان کی تائید اور سازش کے شبہہ میں سخت سے سخت ایذائیں پہنچائیں۔ اور بڑی بیرحمیوں سے اُن کو قتل کیا۔ دیواروں میں چنوادیا۔ بہتے دریا میں غرق کر دیا۔ جلتی آگ میں جلوادیا۔

ایسی حالت میں جب انکے ایسے قوی دشمن کے مظالم کی تمام آنکھیں خاصکر انہی کی طرف لگی تھیں۔ اور اُن کی خصومت وعداوت کے تیز قدم نہایت عجلت سے انہی کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے۔ روز بروز ان کا زمانہ نازک اور اُن کی حالتیں شکستہ ہوتی جاتی تھیں۔ یہاں تک تو نوبت پہنچ چکی تھی کہ انکا رئیس قبیلہ اپنے اُن خوشرو جوانوں کے ساتھ مقید کر لیے جانے کے بعد کوفہ بھیجدیا گیا۔ جن سردار نوجوانوں کی شجاعت تمام عرب کے لیے مایۂ ناز ہو رہی تھی۔

ان خاص حالتوں میں یہ غریب ان خوفناک اور خونیں منظروں کو نگاہ یاس سے دیکھ دیکھ کر اپنی حفاظت اور گورنمنٹ کے موجودہ مظالم کی مدافعت کا اب بھی سامان نہ کریں تو کیا کریں۔ ایسی حالت میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ دنیا کے عدالت پسند اور راست باز مدبّران مُلکی سادات پر بغاوت کا کیسے الزام لگا سکتے ہیں۔ منصور کی سادات کُشی کو ایک پولیٹکل ضرورت بتلانے والے حضرات کا دعوےٰ ان معنوں میں البتہ صحیح مانا جاسکتا ہے کہ منصور کا استحکام سلطنت بغیر ان غریب سادات کی بیخ کنی اور استیصال کے ممکن نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے استحکام حکومت اور بقائے دولت کی کوششوں میں آخرکار انہی اصول کی پابندی کو اختیار کیا جن کو ان سے پہلے سلاطین امویہ اپنے حفظان حکومت کے لیے جاری کر چکے تھے۔

بنی عباس ان تدبیروں میں بنی امیہ کے پورے مقلد تھے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ منصور بنی امیہ سے زیادہ سادات کشی کے لیے مجبور تھا کیونکہ کسی وقت میں بنی امیہ کا سادات سے بیعت کرنا کہیں سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ مگر بخلاف ان کے منصور تو انسے بیعت کر چکا تھا۔ اطاعت ومطابعت کے عہد و میثاق مستحکم کر چکا تھا۔ خلوص و تحاد کے قائم رکھنے کے لیے حلف لے چکا تھا اور ہر طرح سے اپنے عائد و اکابر کے مجمع عام میں انکے فضل و شرافت کو تسلیم کر چکا تھا۔ پھر ایسی حالت میں ان حضرات کا دفعیہ تو اُس کے لیے بدرجۂ اولےٰ ضروری اور لازمی تھا۔ بات یہ تھی کہ منصور نے بنی امیہ کی عداوت اور زیادہ تر اپنے حصول مقاصد کی تمناؤں میں پہلے ان حضرات کی شرکت یا مداخلت کا کوئی خیال نہیں کیا۔ مگر ہاں سلطنت ملجانے پر آنکھ کھلی اور اپنی غلطی آپ نظر آئی تو پھر ان پولیٹکل اغراض کو ان حضرات کے استیصال کی نسبت بنی امیہ سے زیادہ ضروری اور مفید سمجھا۔ اور اُسی وقت سے انکے پیچھے پڑ گیا۔ اب یہ امور چاہے کیسے ہی مُلکی اور مالی اغراض سے مفید ہوں اور چاہے انکا نام پولیٹکل رکھے جائیں یا سوشیل ریفارم Social Reform جو ہوں۔ مگر جب ان پر دنیا کا کوئی راست باز

اور متدین مدبر نظر ڈالیگا تو وہ انکو ضرور منصور کی غایت درجہ کی بدعہدی۔ خود غرضی اور مردم کُشی قرار دیگا۔ اور اگر انہی اخلاقی کمزوریوں کا نام پولیٹکل اغراض رکھا جائیگا تو شاید پھر پولیٹکل دنیا سے صداقت اور دیانت کا نام بھی اُٹھ جائے گا۔

منصور کی سادات کُشی

منصور کی سادات کشی کا سلسلہ ۱۴۲ہجری سے شروع ہوکر اُس کے مرتے دم تک قائم رہا۔ اور پھر اُسکے بعد اُسکی یہ یادگار اُس تک برابر قائم رہی جب تک اُسکی اولاد شہر بغداد میں حکمرانی کرتی رہی۔ منصور نے اس امر کو ایسا ہی ضروری سمجھا کہ شہر بغداد کی تعمیر کو عمداً چھوڑ کر ۱۴۲ھ میں وہ کوفہ سے ہوتا ہوا مکہ میں آیا۔ مگر اپنی ظالمانہ حرکات کو پوشیدہ رکھنے کے لحاظ سے اُسنے اپنے مکہ آنیکے قصد کو حج بیت اللہ کی نیت سے ظاہر کیا۔ مگر اسکی جو اصلی غرض تھی وہ آخر کار چھپ نہ سکی۔

منصور مکہ سے ہوتا ہوا مدینۂ منورہ میں پہنچا اور یہاں پہنچکر اُسنے تمام ذریاتِ حضرت ابیطالب علیہ السلام کے حاضر ہونیکا حکم دیا۔ اُسکی نیت تو یہیں سے معلوم ہوگئی اور اُسکی پوشیدہ عداوت وخصومت اُسکے اسی ایک حکم سے ظاہر ہوگئی۔ اگر اُسکا یہ حکم اُسی اتحاد و یکجہتی کے اصول پر قائم ہوتا جس پر وہ اپنے ابتدائی دعوت کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک ظاہری طور پر کاربند رہنے کا زبانی اقرار کیا کرتا تھا تو پھر آل محمد یا بنی ہاشم سے آل ابیطالب علیہ السلام کی تخصیص و تفریق کی کیا ضرورت تھی۔ اس تخصیص و تفریق سے معلوم ہوگیا کہ انکی حاضری میں شبہہ ہے اور خدشہ۔

آل ابیطالب یا بنی حسن کی گرفتاری

سوائے نفس زکیہ محمد ابن حسن اور اُن کے بھائی ابراہیم کے تمام آل ابیطالب یا بنی حسن حاضر ہوئے منصور نے ان بزرگوار ونکو دیکھکر عام حکم دیا کہ عبد اللہ محض ابن الحسن (نفس زکیہ کے باپ) تمام بنی حسن کے ساتھ قید کرلیے جائیں حکم کی دیر تھی۔ عامل مدینہ نے سب کو اپنی حراست میں لے لیا۔ اور پابجولاں کرکے سب کو کوفہ کی طرف روانہ کردیا۔ بنی حسن کی گرفتاری کی کیا ضرورت تھی۔ اب شاید اس سوال کے جواب لکھنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے ناظرین خود سمجھ گئے ہونگے کہ اس گرفتاری کا اصلی باعث کیا تھا۔

منصور کو سادات میں سب سے زیادہ خدشہ تو بنی حسن ہی کی طرف سے تھا کیونکہ انہی کو وہ اپنی جماعت میں امر امارت کے لیے منتخب کرچکا تھا۔ اور عبد اللہ محض ہی وہ شخص تھے جنہوں نے مشورے والے دن اپنے بیٹے کی امارت کے لیے سب سے پہلے تقریر کی تھی۔ اور منصور نے انہی کی تقریر کی تائید

کی تھی۔ اور کچھ تائید ہی نہیں کی تھی بلکہ اُس مجمع عام میں سب سے پہلے محمد ہی کی بیعت کر لی تھی منصور کو پورا یقین تھا کہ میری اس بیعت سے عبداللہ اور اُن کے صاحبزادوں کے معاملات میں قوت و استحکام آ گیا ہے اور سادات کے تمام قبیلہ میں جو امور میرے خلاف ہونگے وہ انہی سے۔ اس لیے سب سے پہلے انہی کی مجموعی قوتوں کو توڑنا اور اُن کی جماعت کو پریشان کرنا اور تباہی و بربادی کے حدود تک پہنچا دینا نہایت ضروری ہے۔ یہی وجہیں تھیں جنہوں نے سب سے پہلے عبداللہ محض اور تمام بنی حسن کی گرفتاری کا بندوبست کر دیا۔ اور غریب سادات کو قید خانہ کا مُنہ دکھلایا۔

محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کی سرگزشت

منصور ان غریب سادات کو قید کر کے اور عامل مدینہ کے حوالہ کر کے چلتا ہوا۔ اور یہ حکم دیا کہ ان لوگوں کو ہمارے پاس زندہ بھیجدے کہ میں انکو اپنی ہمراہی میں خود کوفہ تک لیجاؤں۔ ان غریبوں کے احوال کو یہاں تک لکھ کر ہم اب محمد اور ابراہیم کے حالات لکھتے ہیں۔

محمد اور ابراہیم نے اپنے قبیلہ کی گرفتاری دیکھکر جنگلوں اور پہاڑوں کی راہ لی۔ اور منصور کے خوف سے ان مصیبت زدوں اور وطن آواروں نے پورے چار برس تک جن جانکاہ مصیبتوں اور دلخراش آفتوں میں بسر کی وہ طول و طویل آفتوں کی داستانیں اور حسرت و عبرت کے تفصیل دار فسانے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات اپنے معدودے چند ہمراہیوں کے ساتھ مدینہ سے حجاز کے بیابان خوفناک جنگلوں۔ وحشت خیز ریگستانوں اور دہشت انگیز ویرانوں میں ٹھوکریں کھاتے رہے دن بھر شاہی جاسوسوں کے خوف سے مجال نہیں تھی کہ اپنی ہیبتناک پوشیدگاہوں سے اپنے قدم باہر نکال سکیں۔ وہ پوشیدگاہیں بھی ایسی مہیب اور خطرناک تھیں کہ انسانی بود و باش کا خیال بھی کبھی اُن تک نہ پہنچا ہوگا۔ وہ مقامات ان وطن آواروں کے لیے جائے امن تو ضرور تھے مگر وہ بذات خاص ایسی دہشت اور خوف کے مقام تھے جہاں ہر دم و ہر لحظہ اُنکی غریب جانوں کے جانے کا پورا یقین ہوتا تھا۔

بہرحال۔ حجاز کے پھرتے پھرتے یہ قافلہ ساحل عرب پر پہنچا۔ اور چندے شہر عدن میں قیام پذیر ہوا۔ جب وہاں بھی اپنے اطمینان کی کوئی صورت نہیں دیکھی تو آخر جزیرہ نمائے عرب کو الوداع کہکر یہ مظلوم قافلہ بحر عرب سے ہو کر ہندوستان کے مغربی ساحل پر اُتر پڑا اور ملک سندھ میں مقیم ہوا۔ قریب قریب دو برس تک یہ لوگ وہیں مقیم رہے۔ مگر یہاں بھی اپنے آرام و آسائش کی کوئی صورت نہیں دیکھی تو آخر کار پھر کوفہ کی طرف لوٹے۔ اور جان کے خوف سے اطراف و جوانب میں چھپتے چھپاتے پھر مدینہ منورہ میں چلے آئے۔

کیا منصور کو انکی خبر نہیں تھی اور کیا وہ ان کے تجسّس وتلاش سے غافل تھا نہیں ایسا نہیں تھا وہ اُن
احوال کو خوب جانتا تھا۔ اور ہمیشہ اُنکی سُراغ رسانیوں میں اپنے جاسوس لگا رکھے تھے مگر یہ غریب سادات
بھی پورے حزم واحتیاط سے کام لیتے تھے اور اس طرح اور ایسے غیر معروف اور ویران مقاموں میں پوشیدہ
ہوتے تھے کہ اُنکی بود وباش کا سوتے جاگتے بھی کبھی کسی کو خیال نہیں گزرتا تھا۔
منصور کو ان دونوں بھائیوں کی گرفتاری کی سب سے زیادہ فکر تھی۔ اور ان میں بھی محمد کی سب سے
زیادہ۔ کیونکہ وہ محمد ہی کو امارت کے لیے منتخب کرکے خود اُس کی بیعت کرچکا تھا اس لیے محمد کا موجود رہنا
اور ملک وقوم سے یہ اظہار کرنا کہ منصور وہ شخص ہے جو سب سے پہلے میری بیعت کرچکا ہے اُسکی کوششوں
کے لیے کس قدر مضر تھا۔ اس لیے منصور کو اور جلدی تھی کہ کسی نہ کسی طرح محمد کو گرفتار کرکے قتل کردے
کہ اس شبہہ کی جڑ ہی کٹ جائے۔
مگر یہ تو معلوم ہے کہ چار برس سے منصور اُن کو ڈھونڈھ رہا تھا۔ اور یہ کسی طرح نہیں ملتے تھے۔ ان کے
نہ ملنے سے اُس کے غصّہ کی آگ اور بھڑکتی چلی جاتی تھی جب اُسکو سادات کے مدینہ لوٹ آنے کی خبر معلوم
ہوئی تو وہ اپنے آپ میں نہ رہا۔

سادات کی روانگی

بغداد کی عمارت جو قریب الاختتام تھی اُسکو چھوڑ کر مکّہ پہنچکر غیرت کے مارے مدینہ تو نہ جاسکا مگر راہ پر
بغداد سے لیکر مکّہ تک جنگلوں میں۔ ویرانوں میں۔ پہاڑوں میں۔ چپّا چپّا ڈھونڈھا اور تمام شہر
لایا مگر سادات کا کہیں پتہ نہ پایا۔ آخر کار مکّہ سے مدینہ کے عامل کو لکھ بھیجا کہ۔ بنی حسن جو مقیّد کر کے
تیری حراست میں دیے گئے ہیں اُن کو لیکر مجھ سے راہ میں ملجاؤ۔ تاکہ میں اُن کو اپنے ہمراہ لیکر کوفہ
سے ہوتا ہوا بغداد میں قید کردوں۔
بہر حال جس وقت یہ ستم رسیدہ قافلہ مدینہ سے چلا اُنکی عبرت۔ مجبوری اور بے قصوری پر خیال کرکے ہر شخص اپنی
مقام پر اشکبار اور بیقرار تھا۔ اُنکی عبرتناک روانگی کا منظر ایسا دلخراش اور جانگزا تھا کہ دوست تو دوست
دشمن تک اُنکے نظّارے کی تاب نہ لاسکتے تھے۔ وہ شرافت ونجابت کی مجسّم صورتیں۔ وہ فضیلت وکمال
کی بولتی تصویریں جن کے حُسن وصورت کی مثالیں دنیا کے مرقع میں مشکل سے پائی جاتی تھیں۔ اُن
ایک ایک جوان رعنا اپنی ہمّت ودلیری میں تمام بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کا سرمایۂ ناز او
باعث اعزاز ہو رہا تھا گلے میں طوق پہنے۔ ہاتھ میں دُہری دُہری زنجیریں ڈالے۔ شرم وحیا
سے گردنیں ڈالے۔ سر نہوڑاے۔ لاغر اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور یہ معلوم ہوتا
کہ یہ قافلہ اُن اسیروں کا ہے جو ترک ودیلم یا دیگر مقامات مخالف اسلام سے قید کرکے عبرت

کی غرض سے شہر کی گلیوں اور کوچوں میں کشاں کشاں پھرائے جاتے ہیں۔

سادات اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام

ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب انکی روانگی کا حال جناب صادق آل محمد علیہ السّلام کے گوش زد ہوا تو آپ کے اشفاق و اخلاق میں تحمّل باقی نہیں رہا اور اُس وقت آپ نے عبد اللہ محض کی اُن غلط فہمیوں کا ذرا بھی خیال نہیں کیا جو اُنھوں نے آپ کی موعظت کی نسبت خیال کی تھیں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام وہاں سے اُٹھے اور باہر نکل کر ایک مکان کی آڑ میں کھڑے ہوگئے جہاں سے آپ اُن لوگوں کو دیکھ سکتے تھے مگر وہ لوگ آپ کو نہیں۔ یہ آپ کے اخلاق کریمانہ کے خاص تقاضے تھے۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ یہ ہمیں دیکھکر شرمائیں اور اپنی غلط فہمیوں کے نتیجے معلوم کر کے پہلے سے زیادہ پشیمان و پریشان ہوں۔ بہرحال۔ آپ اُس مقام پر تنہا خاموش کھڑے تھے کہ مظلوم سادات کا قافلہ اُسی بیکسی اور مایوسی کی حالت میں جس طرح اوپر بیان کیا گیا ہے اُدھر سے نکلا صلۂ رحم و قرابت کے لحاظ سے آپ سادات کو ان مصیبتوں میں گرفتار دیکھکر جن میں کوئی تو پا بہ زنجیر ہے اور کسی کے طوق گلوگیر ہے۔ کسی کی مشکیں کسی ہیں۔ کسی کے پاؤں اونٹ کے پیٹ سے بندھے ہیں۔ بیساختہ رونے لگے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ آپ روتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اب شہر مکّہ و مدینہ دارالامن نہیں رہے۔ ایسے امور کے سرزد ہونے کے بعد خدائے سبحانہ وتعالےٰ پر لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے ان دونوں حرموں کی حفاظت کا ذمّہ دار بنا رہے۔

اور امام ابوالفرج اصفہانی کے اسناد سے ملّا محمد باقر مجلسی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپنے یہ کلمات بھی اُسی وقت ارشاد فرمائے تھے کہ خدا کی قسم آج کے بعد سے حرمت خدا محفوظ نہیں رہیگی۔ خدا کی قسم قوم انصار نے جو جناب رسالت مآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد و پیمان کیے تھے اُن کو پورا نہیں کیا۔ یہ امر تحقیق ہوچکا ہے کہ بیعت عقبہ والے دن قوم انصار نے اس امر پر آنحضرت صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے عہد کیا تھا کہ آپ کی اور آپ کی ذریت طاہرہ کی اُسی طرح حفاظت و حمایت کرینگے جس طرح اپنے اہل و عیال اور جان و اموال کی حفاظت کرتے ہیں۔ خدا کی قسم ان لوگوں نے اپنا قول پورا نہ کیا حتّےٰ کہ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انتقال فرمایا۔ مگر انصار کی اولاد ابھی باقی ہے اور آج اُن میں سے کسی کا ہاتھ آپ کی ذرّیت کی حفاظت و حمایت میں نہ اُٹھا۔ پھر فرمایا اللّٰھم اشدد وطاءتک علی الانصار۔ پروردگارا! تو انصار سے سخت مواخذہ کرنا۔

کتاب کافی میں بھی ایسے ہی کلمات آپ سے منقول ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب اسیروں کا قافلہ مسجد رسول صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اُس دروازے کی طرف سے ہوکر گزرا جسے باب جبرئیل کہتے ہیں، تو حضرت

بوعبداللہ جعفر صادق علیہ السلام دروازے پر کھڑے ہو کر ان مصیبت کے ماروں کو دیکھ رہے تھے۔ اور ہجوم غم والم آپ کے قلب پر مستولی تھا۔ ردا دوش مبارک سے گر گئی تھی۔ اسی حالت میں تین بار آپ نے فرمایا اے معاشر انصار! رحمت خدا کبھی تم تک نہ پہنچے۔ آیا اسی اقرار کے ساتھ تم نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ پھر فرمایا کہ میں ان غریبوں کی نصرت پر نہایت حریص تھا مگر قضا و قدر سے چارہ نہیں۔ یہ فرما کر آپ دولتسرا کی طرف لوٹ گئے لیکن تاہم آپکی یہ کیفیت ہوئی کہ بند نعلین ٹوٹ گئے اور آپ اسی طرح ایک نعلین پہنے اور دوسری ہاتھ میں اٹھائے۔ ردائے مطہر زمین پر گھسٹتی ہوئی۔ مکان تک پہنچ گئے۔ آپ کے اس اضطراب و اذیت کا یہ نتیجہ ہوا کہ طبع ہمایوں ناساز ہو گئی۔ آخر کار ایسی سخت تپ آئی کہ بیس روز تک آپکو دست و پا کی مطلق خبر نہ رہی۔ اور مرض کی ایسی شدت بڑھی کہ دشمنوں کی جان کے لالے پڑ گئے۔

کتاب کافی کی ایک دوسری روایت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ جب ان اسیروں کا قافلہ اور ان غریب سادات کی محملیں مسجد رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچیں تو آپ مسجد سے باہر نکلے اور آپ نے اس محمل کی طرف جانا چاہا جس پر آپ کے چچا عبداللہ محض حضرت حسن مثنیٰ کے صاحبزادے بیٹھے تھے۔ آپ کا یہ مقصود تھا کہ انسے کچھ تسکین و تشفی کی باتیں کیجائیں مگر ایک سنگدل سپاہی نے آپ کو ان تک جانے نہ دیا۔ اور کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ نہیں تو تمہارا بھی وہی حال کر دیا جائیگا جو تم ان اسیروں کا دیکھ رہے ہو۔ آپ اس شقی کی سنگدلی اور بیرحمی دیکھکر واپس آئے۔

راوی حدیث سے مروی ہے کہ یہ قافلہ جنت البقیع تک نہ پہنچا تھا کہ وہ اپنی کردار ناہنجار کی پاداش تک پہنچ گیا۔ قافلہ کے اونٹوں سے ایک اونٹ بھڑکا اور اس زور سے اس کے لات ماری کہ وہ ایک ہی ضرب میں زمین پر گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔

غیر تمند باپ کی سعادتمند بیٹوں کو نصیحت

علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ محمد اور ابراہیم یہ دونوں صاحب اس وقت مدینہ میں نہیں تھے۔ بخوف جان ادھر ادھر پوشیدہ ہو گئے تھے۔ تبدیل لباس کر کے صحرائی عرب کے بھیس میں عباسیوں کی اس فوج میں آتے تھے جس میں اسیران سادات مقید تھے۔ اپنے پدر بزرگوار عبداللہ محض سے برابر ملتے تھے۔ باتیں کرتے تھے اور ان کی تسکین و تشفی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن عبداللہ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو جوش انتقام میں بیتاب و بیقرار پا کر کہا کہ میں تو اسیر ہو کر چلا۔ تم میں ابھی اتنی قوت کہاں کہ تم بادشاہ وقت سے میری مخلصی کی کوئی فکر کرو۔ نہیں معلوم کہ میری اس گرفتاری کا کیا نتیجہ ہو نیوالا ہے۔ اس لیے میں آخری نصیحت تم سے کیے جاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اگر منصور عباسی تمکو عزت سے دنیا

میں زندگی بسر کرنے نہیں دیتا تو عزت سے مرجانے کے لیے تو نہیں روکتا۔ مایوس باپ کے ان حسرت آمیز کلمات نے اپنے دونوں فرزندوں کے دلوں میں غیرت اور حیا داری کے وہ جوش پیدا کر دیئے کہ پھر وہ سعادتمند دلیر اور غیرتمند نوجوان مطلق تاب نہ لا سکے۔

عبداللہ اور منصور کی دو دو باتیں

بہرحال ان اسیروں کا قافلہ مقام ربذہ میں آکر منصور کی شاہی فوج سے مل گیا اور وہاں سے منصور کے ہمراہ عراق کی طرف روانہ ہوا۔ ایک روز اسی حالت سفر میں منصور عباسی نہایت تزک و احتشام سے اسپ دورکابہ پر سوار عبداللہ کی محمل کی طرف سے نکلا۔ انکی یہ حالت تھی کہ اپنے اونٹ پر بیٹھے ہوئے اُن زخموں اور رگڑوں کی شدت سے نہایت اضطراب اور بےچینی میں تھے جو اونٹ کی ننگی پیٹھ ہونیکی وجہ سے انکے جسم پر نمودار ہوگئے تھے۔ عبداللہ نے منصور کو اس شان و تجمل سے جاتا ہوا دیکھکر اسے اپنی طرف مخاطب کرکے کہا یا ابوجعفر اھٰکذا فعلنا بکم یوم بدر وکان مرادہ اسرا العباسؓ جدہ۔ اے ابوجعفر! کیا بدر کی لڑائی والے دن ہم نے تمہارے اسیروں کے ساتھ یہی فعل کیا تھا جو آج تم میرے ساتھ کر رہے ہو؟ اور اس سے حضرت عباسؓ کی اسیری مراد تھی۔ اور یہ دکھلانا تھا کہ ہمارے جد بزرگوار نے تمہارے جد بزرگوار کے ساتھ جنگ بدر کے دن کیا ایسے ہی سلوک قائم رکھے تھے۔ بہرحال۔ منصور کو یہی منظور تھا۔ اُس نے عبداللہ کی باتوں کی طرف کوئی اعتنا نہیں کی اور وہاں سے آگے بڑھتا ہوا چلا گیا۔

سادات کا حبس دوام

سادات کی یہ مقید جماعت کوفہ میں پہنچی۔ منصور نے اُن کو ایسے تیرہ و تاریک قید خانہ میں بند کیا جہاں مشکل سے دن رات کی تمیز ہوسکتی تھی۔ یہ مصیبت زدہ جماعت اتنے دنوں تک وہاں قید رکھی گئی کہ سب کے سب وہیں فنا ہوگئے اور باستثنائے بعض مقیدین کے کوئی متنفس کوفہ کے بلیک ہول Black Hole سے زندہ نہ نکلا۔ انکے مارنے اور فنا کرنے کی ترکیبیں بھی نئی نئی تھیں۔ کسی مصیبت زدہ مکان کی چھت گرائی گئی اور وہ اُسکے نیچے دب کر مر گیا۔ کسی بدقسمت پر دیواریں ڈھا دی گئیں اور وہ غریب پس گیا۔ بعض آفت رسیدوں پر دیواریں چن دی گئیں اور بعضوں پر منارے بعض مصیبت زدہ کنوؤں میں گرا دیے گئے اور اُنکو مٹی سے بھر دیا گیا۔ اور بعض غریب بے موت کے اس طرح مر کہ اُس قید خانہ میں جو مرتا تھا اُسکا مُردہ وہاں سے نکالا نہیں جاتا تھا بلکہ وہ میت وہیں پڑی سڑا کرتی تھی۔ اور اس تنگ اور بند سردابہ میں سخت اور ناقابل برداشت تعفن پیدا ہو کر وہاں کی ہوا کو سم قاتل

بنا دیتی تھی ۔ اُس میں جو زندہ رہتے تھے اُن میں بھی ہوا کی سمیت اثر کر جاتی تھی ۔ اُنکے پاؤں پھول جاتے تھے اور ورم بڑھتے بڑھتے تمام اعضائے رئیسہ کے نظام کو خراب کر ڈالتے تھے ۔ اور وہ غریب گھُل گھُل کر آخر کار مرجاتے تھے ۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ سادات کُشی میں منصور کیا ۔ تمام بنی عباس بنی امیّہ کے پورے قائم مقام اور جانشین تھے ۔ ہمارے دعوے کے ثبوت میں سادات کے حبس دوام کا تنہا واقعہ پورے طور سے کافی ہے ۔ کیا ان واقعات کو پڑھ کر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ بنی عباس نے سادات پر بنی امیہ سے کم ظلم کیا ۔ بنی امیہ کے مظالم سُنکر کبھی کسی کو حیرت یا تعجب نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ وہ تو ہمیشہ کے دشمن جانی تھے ہاں عباسیوں کے شدائد کو ہر شخص انگشت بدنداں ہو کر ضرور دیکھیگا ۔ کیونکہ یہ اپنے تھے اور ہمیشہ یگانگت اور قرابت کا دم بھرتے تھے اور ساری دنیا سے رضائے آل محمدؐ اور ولائے اہلبیت علیہم السلام کے دعوے کرتے تھے ۔

بہرحال ۔ اب یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ قیدخانہ میں ان شریف النسل اور کریم النفس قیدیوں کے کیا مشاغل رہا کرتے تھے ۔ اور وہ کن مشغلوں میں اپنی مصیبت کے دن کاٹا کرتے تھے ۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان حضرات نے تلاوت قرآن مجید کو اپنا شعار بنا رکھا تھا اور اسی ذکر میں اُن کے رات دن بسر ہوتے تھے ۔ قید خانہ میں ایسی تیرگی تھی کہ دن رات میں مطلق فرق نہیں معلوم ہوتا تھا اس لیے ان غریبوں نے اپنی تلاوت کو پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا تھا اور تلاوت ہی کے مقرر کردہ حصوں سے طاعات الٰہی کے معیّنہ اوقات کا اندازہ لگاتے تھے اور اسی حساب سے اپنی وقت وقت کی نماز ادا کرتے تھے ۔

مدینہ منورہ میں محمد نفس زکیہ کی امارت

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ بنی حسن اور تمام آل ابیطالب علیہ السلام کی گرفتاری کے وقت محمد الملقب نفس زکیہ اور اُنکے بھائی ابراہیم پسران عبداللہ محض روپوش ہو گئے تھے ۔ منصور نے ہر چند اُن کی تلاش کی مگر نہ ملے اور اُسی طرح گرد و نواح میں سرگرداں و پریشان پھرتے رہے ۔ علامہ ابن اثیر تو اُن کی جرأت و دلیری میں یہاں تک لکھ چکے ہیں کہ باوجود اس پُرآشوبی اور عام جاسوسی کے محمد و ابراہیم شاہی فوج میں بے دھڑک چلے آتے تھے اور اپنے معتقدین اعزہ کے ساتھ ملاقات کرتے تھے ۔ اُنکی خاطر و دلجوئی کرتے تھے اور اپنے معاملات میں اُن سے مشورہ لیتے تھے اور اُنکی راحت و آرام کے تمام سامان فراہم کر دیتے تھے اور منصور کی فوج میں کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی ۔

بعض مورخین نے تو اُنکے اظہار جرأت و ہمت میں یہاں تک اضافہ کیا ہے کہ یہ حضرات اپنے اعزّ

کے پاس سے ہو کر اکثر منصور کی صحبت میں بھی حاضر ہوتے تھے اور وہاں کے ذکر و اذکار کو پورے طور سے سنتے تھے۔ اور معلوم کرتے تھے۔ اور اکثر اُسکے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔

بہرحال۔ ایک ایک کر کے ان سادات کے مارے جانے کی کیفیت محمد نفس زکیہ کو معلوم ہوئی اور یہ بھی خبر پہنچی کہ اُنکے تمام اعزہ طرح طرح کی ایذائیں پہنچا کر قید خانہ میں مارے جاتے ہیں۔ تو اب محمد کے دل میں ضبط کی قوت باقی نہیں رہی۔ اور وہ ان غریبوں کے نتیجوں کے ساتھ اپنے آئندہ واقعات پر غور کرنے لگے کسی طرف سے اپنی جان بچنے کی صورت نہیں دیکھی تو حفاظت خود اختیاری کے اعتبار سے منصور کے ایسے لاگو دشمن کے حملات کی مدافعت کا پورے طور سے قصد کیا۔ مدینہ کے تمام باشندے ان کے پرحسرت واقعات کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے تھے۔ منصور کے ہاتھوں جو ان پر گزر رہا گزر رہا تھا وہ سب ان لوگوں پر ظاہر اور ہویدا تھا۔ محمد نے انہی لوگوں سے اپنے امر کی استدعا کی اور انکی ذرا سی تحریک پر مدینہ کے تمام باشندے مہاجر و انصار کے یادگار انکی طرف ہو گئے اور باتفاق خودہا تمام لوگوں نے ان کی بیعت کر لی۔ محمد نے رفتہ رفتہ مدینہ اور اُسکے اطراف و جوانب میں اپنی حکومت کا رنگ جمالیا۔ اور یہاں کے املاک و رعایا پر انکا کامل تصرف ہو گیا۔ محمد کے اختیار یہیں تک محدود نہیں تھے بلکہ مکہ اور یمن تک اُنکی حکومت اور امارت کا اثر پہنچ گیا تھا۔ محمد نے اپنے دو عامل مقرر کر کے مکہ اور یمن میں بھیج دیے تھے اور یہاں کی رعایا کو بھی اپنا مطیع و منقاد بنا لیا تھا۔ غرض حجاز میں محمد کے تمام کام تھوڑے دنوں میں بخوبی انتظام پا گئے۔

بصرہ میں ابراہیم کی حکومت

ابراہیم کی کارروائیاں یہ ہیں۔ ابراہیم بصرہ میں چلے گئے۔ اور وہاں اُنہوں نے اپنی حکومت کا رنگ جمالیا۔ کوفہ اور بصرہ کے کثیر التعداد لوگوں نے ابراہیم کی بیعت کر لی اور بیرونجات کی بہت سی قومیں اُنکی مطیع ہو گئیں۔ رفتہ رفتہ ابراہیم کی قوت محمد کے برابر ہو گئی بلکہ ابراہیم کے پاس آدمیوں کی جمعیت محمد سے زیادہ تھی۔ اس لیے اُسکی فوجی قوت محمد کی فوجی طاقت سے بڑھی ہوئی تھی۔

جب ان دونوں بھائیوں کے امور میں ترتیب اور نظام آچلا تو دونوں بھائیوں نے باتفاق خودہا تجویز کی کہ اسی متفقہ قوت سے یکبارگی منصور پر خروج کیا جائے اور جن جن مقامات پر حریف کے مقابلہ کی ضرورت ہو اپنی مجموعی فوج سے کام لیا جائے۔ مگر انسان تو سوچنے ہی تک کا مالک ہے۔ کرنے نہ کرنے کا خدا مختار ہے۔

سادات بنی حسن اگر تجویز کردہ امور کی تعمیل پر بھی قادر ہو جاتے تو اُنکی ہمت و دلیری اور اُنکی تیاری و مستعدی سے تمام دنیا کو انکی کامیابیوں کا یقین ہو چلا تھا۔ مگر مشیت ایزدی تو عباسیوں کے ہاتھ میں زمام سلطنت

دیگر ان کے نفوس کا امتحان اور انکی نیتوں کی آزمائش لینے والی تھی۔ سادات کو فروغ ہوتا تو کیسے اور اُنکا
کام بنتا تو کیونکر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمدؐ ابراہیم اپنی تجویز کے مطابق اپنے ارادوں کی تعمیل نہ کر سکے اور ابراہیم
کے دفعۃً علیل ہو جانے سے بصرے کے لوگ اپنے مقام سے حرکت نہ کر سکے۔

منصور سے محمد کا مقابلہ

بصرے کے لوگ اپنے مقام سے حرکت نہ کر سکے یہاں محمد کے سر پر منصور کی فوج آدھمکی اور محمد کو ابراہیم
کے انتظار کی مہلت نہیں ملی۔ آخر کار اُس کو اپنے موجودہ رفقا کے ساتھ منصور کی فوج سے مقابلہ
کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اس تفرقہ کے واقع ہو جانے سے سادات کے امور میں بڑا نقصان پڑ گیا۔ اگر
سابق کی صلاح کے مطابق یہ دونوں بھائی اپنے حریف کے مقابلہ میں اپنی باہمی قوت سے کام لیتے
تو اُن کے دست تمنا ضرور شاہد مدعا تک پہنچتے اور وہ اپنے حریف کے مقابل میں ضرور کامیاب
ہوتے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔

بہر حال۔ جب سادات کے امور مرتب ہو گئے تو منصور کو اس کی خبر لگی۔ اُسنے عیسےٰ ابن موسےٰ کے ہمراہ چار
ہزار جرار فوج مدینہ کی طرف روانہ کی۔ یہ لوگ ربیع الثانی ۱۴۵ھ ہجری میں مقام فید پر جو مدینہ منورہ سے
تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے جمع ہوئے اور محمد نفس زکیہ اور اُن کے اعوان و انصار کا سُراغ لگانے لگے
مگر وہ اس میں مطلق کامیاب نہ ہوئے۔

محمد نفس زکیہ نے بھی اپنی جمعیت کو تیار کر لیا اور عیسےٰ کی طرف سے سبقت کا انتظار کرنے لگا۔ عیسےٰ نے
حملہ کرنے سے پہلے غنیم کے توڑنے کی ایک دوسری ترکیب نکالی۔ اور وہ مفید ثابت ہوئی جیسا کہ
عموماً تاریخوں میں درج ہے کہ عیسےٰ نے ایسے لوگوں کو جو محمد کے مطیع ہو چکے تھے خط لکھے اور اُن سب
میں منصور کی طرف سے محمد کے ترک بیعت پر بہت بڑے بڑے گرانمایہ انعام و جاگیرات دینے کے
وعدہ وثوق کیے۔ ان مراسلات کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد کی فوج سے نصف لوگوں کے قریب بھاگ نکلے
ان میں سے کچھ تو عیسےٰ سے جا ملے اور کچھ اپنے مقام پر خاموش بیٹھ کر طرفین کے فیصلہ کا انتظار کرنے
لگے۔ جب ان ترکیبوں سے عیسےٰ نے محمد کی نصف قوت توڑ ڈالی تو ایک بار ۱۴ رمضان ۱۴۵ھ ہجری
کو اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی۔ محمد نے بھی اپنی ہمراہی جمعیت سے
انکا مقابلہ کیا۔ یہ لڑائی مدینہ میں مقام احجار الزیت پر واقع ہوئی۔ محمد نے اس معرکہ میں اپنی شجاعت
[illegible]ائی کے جوہر دکھلا کر حریف کے بہت سے دلیر اور بہادر آزمودہ جوانوں کو پسپا کر دیا۔ اسی گیر و دار میں
حمید ابن قحطبہ نے اپنی نوک نیزہ سے ان کا کام تمام کر دیا۔ اور ان کے تمام ہوتے ہی انکی تمام جمعیت
متفرق ہو گئی۔

اموال سادات کی ضبطی

عیسیٰ بذات خود منصور ہو کر مدینہ میں آیا۔ اور اولاد جناب حسنین علیہما السلام کی تمام جائدادیں ایک ایک کرکے ضبط کرلیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے باغات اور اراضیات بھی اسی عیسیٰ گردی میں نکل گئیں۔ حالانکہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے انہی امور کے لحاظ سے ان ایام میں سکونت مدینہ کو ترک کر دیا تھا۔ اور اپنے علاقہ فرع کو تشریف لے گئے تھے اور وہاں سے اُس وقت تک حرکت نہ فرمائی جب تک کہ شہر میں پھر امن قائم نہ ہو لیا۔ آپ نے اپنی برأت کے ثبوت ہر چند دکھلائے مگر عیسیٰ نے ایک نہ سُنی اور آپ کی جائداد بھی بشمول دیگر مقبوضات سادات ضبط ہی کرلی۔

بوڑھے باپ کے آگے جوان بیٹے کا سر

عیسیٰ نے محمد نفس زکیہ کا سر فتحنامہ کے ساتھ منصور کے پاس بھیجدیا۔ منصور کو محمد کی شکست کی خبر تو ملگئی تھی مگر قتل ہونیکا حال ابھی معلوم نہیں ہوا تھا۔ اسی عرصہ میں کسی نے اُس سے کہا کہ محمد میدان جنگ سے بھاگ گئے۔ منصور نے کہا کہ میں اسکو ہرگز باور نہیں کرسکتا کیونکہ میدان جنگ سے بھاگ جانا بنی ہاشم کی عادت اور شان نہیں ہے۔ یہ ذکر ہو ہی رہا تھا کہ بیٹے کا قاصد محمد کا سر لیکر دربار میں حاضر ہوا۔ تب منصور نے سر لیکر یہ قیامت کی کہ محمد کا خون آلودہ سر اُنکے باپ عبد اللہ محض کے پاس قید خانہ میں بھیجا جو اُس وقت تک محبس میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے تھے۔ اتفاق سے عبد اللہ اُس وقت نماز میں مصروف تھے۔ اُنکی نظر تو اس شان کے تحفہ پر نہ پڑی مگر اُنکے بھائی ادریس نے جو اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہا اے ابو محمد نماز کو طول نہ دو۔ یہ دیکھو بادشاہ نے تمہیں تحفہ میں کیا بھیجا ہے۔ جب عبد اللہ نے سلام پھیر کر جو دیکھا تو محمد کا فرق بریدہ پہلو میں رکھا تھا۔ بے تاب ہو کر اٹھے اور اُسے سینہ سے لگاتے ہوئے دل سے آہ کھینچ کر کہنے لگے اھلاً و سہلاً یا ابا القاسم۔ اے میرے پارہ جگر تم بیشک اسی آیت کے مصداق ہو۔ الذین یوفون بعھد اللہ ولا ینقضون المیثاق وہ لوگ جو خدا سے عہدہ وفا کرتے ہیں اور اپنے وعدوں کو توڑا نہیں کرتے۔

پھر عبد اللہ سے پوچھا کہ آپ محمد کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اُنہوں نے کہا کہ میں کیا کہوں کہ مجھ سے پہلے شاعر نے ان کے متعلق کہدیا ہے ؎

فتیً کان یحمیہ من الذل سیفہ ویکفیہ ان یاتی الذنوب اجتنابہا

یعنی وہ ایک ایسا جوان تھا کہ جسکی تلوار ذلیل و خوار ہونے سے اُس کی حمایت کرتی تھی۔ اُسکی پرہیزگاری سے

ارتکاب گناہاں سے بچاتی ہے۔
پھر ربیع سے کہا کہ منصور سے جاکر کہہ دیجیو کہ ہم تو مقتول ہو چکے۔ اب ہمارے بعد تمہاری باری ہے۔ قیامت میں ہماری تمہاری ملاقات ہونے والی ہے۔
تاریخوں کا بالاتفاق یہ بیان ہے کہ یہ کہکر اُس ستم رسیدہ اور غمدیدہ باپ کے ضعیف قلب پر جوان بیٹے کے مرنے کا ایسا دھکا پہنچا کہ اُسکی روح پرواز کرگئی اور ایک آہ کے ساتھ دم نکل گیا۔

منصور سے ابراہیم کا مقابلہ

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ محمد سے زیادہ ابراہیم کے امور میں نظام اور درستی آگئی تھی۔ ابراہیم نے اپنے موجودہ اعوان وانصار کے زور سے پہلے ہی بصرہ اور وہاں کے بیت المال پر قبضہ کرلیا تھا اور منصور کے عامل ابوسفیان ابن معٰویہ کو وہاں سے نکالدیا تھا۔ بصرہ پر اپنا قبضہ مستحکم کرکے ابراہیم نے اہواز۔ واسط اور فارس میں بھی اپنے عمّال بھیجدیے تھے۔ ان لوگوں نے ان مقامات پر پہنچکر بنی حسن کی حکومت کا اثر ضرور پہنچا دیا تھا اور وہاں کی رعایا کو سادات کا مطیع ومنقاد بنا دیا تھا۔
ابراہیم کے امور روز بروز مستحکم ہوتے جاتے تھے اور اُس کی قوت یوماً فیوماً ترقی کرتی جاتی تھی منصور ایسے حالات سُن سُنکر نہایت متردد ہو رہا تھا۔ دن کی غذا رات کی نیند حرام ہوگئی تھی۔ غایت درجہ کے انتشار اور نہایت درجہ کے اضطرار میں گرفتار تھا۔ تعمیر بغداد کا کام چھوڑ چھاڑ کر کوفہ میں مقیم تھا اور ہزاروں ترکیبیں کر رہا تھا۔ اور سیکڑوں چالیں چل رہا تھا۔ مگر کوئی تدبیر مفید کار نہیں ہوتی تھی برابر وحشتناک اور دہشت خیز خبریں آرہی تھیں کہ آج اہواز ہاتھ سے نکل گیا۔ کل واسط گیا گزرا ہوا۔ فارس پر غنیم نے قبضہ کرلیا۔ بصرہ کی مسجد۔ بیت المال اور دارالامارہ پر وہ متصرف ہوگیا۔
انکے علاوہ اُس کو سواد کوفہ کی طرف سے بھی سخت اندیشہ لگا ہوا تھا اور خاص شہر کوفہ کی رعایا کی جانب سے علٰحدہ مشکوک اور مشتبہ تھا کیونکہ شہر میں ایک لاکھ آدمیوں کی ایسی مخصوص جماعت تھی جو ذرا سے ادھر اُدھر ہونے پر بگڑ جاتی۔ اور انکے ہتھے سے اُکھڑ جاتی۔ غرضکہ منصور اُس وقت چاروں طرف سے انتشار واضطرار کے سخت پنجوں میں گرفتار تھا۔ اُسکے انتشار واضطرار کی موجودہ کیفیتوں میں اسلامی مورخین لکھتے ہیں کہ منصور نے ان ایام میں بستر نرم پر لیٹنا چھوڑ دیا تھا۔ دن بھر مصلے پر بیٹھا رہتا تھا۔ اور رات دن اُسی پر پڑا رہتا تھا۔ ایک میلا سا کُرتا بدن میں ڈالے تھا جس کے گریبان پر میل جما ہوا صاف دکھلائی دیتا تھا۔ باہر آکر دربار میں بیٹھتا تو اُس کُرتے پر ایک سیاہ عبا اوڑھ لیتا۔ پھر اندر جاتا تو اُس سیاہ عبا کو اُتار دیتا۔ منصور نے پچاس روز اسی چلہ میں کاٹے۔
جب منصور نے کسی طرح سے کشود کار نہیں دیکھی تو آخر کار عیسےٰ کو مدینہ سے بلوایا۔ عیسےٰ بغرض حج وعمرہ کے گ

سے منصور کا خط پاتے ہی اُسکے پاس چلا آیا۔ ادھر منصور کا قاصد عیسےٰ کے پاس گیا اُدھر ابراہیم اپنی جمعیت کے ساتھ کوفہ پہنچا۔ منصور کے تو ہوش و حواس جاتے رہے۔ الغرض ابراہیم مقام الحمراء میں خیمہ زن تھا کہ اُسے عیسےٰ کا وہ لشکر ملا جو منصور کی کمک میں مدینہ سے آرہا تھا۔ مقام الحمراء پر جانبین سے مقابلہ کی ٹھہر گئی۔ اور شدت سے موت کا بازار گرم ہوا۔ لوہے پر لوہا اور لاش پر لاش گرنے لگی۔ ابھی تک ابراہیم کو عباسیوں کی فوج پر پورا غلبہ حاصل تھا۔

میدان جنگ کی رتی رتی خبر منصور کو پہنچا کرتی تھی۔ وہ ابراہیم کے غلبہ کی کیفیت سُنکر پہلے سے بھی زیادہ سراسیمہ ہو گیا۔ اور وہ بد عقیدت حالت اضطراب میں اپنے لبھلئے حیرت کاٹ کر کہنے لگا کہ کہاں ہیں آج اُنکے صادق (معاذ اللہ) اور اُنکی وہ خبر کہ سلطنت عباسیوں کی ہو گی۔ اور انکے لڑکے اس سے طرح کھیلیں گے جسطرح بچے معمولی گیند سے کھیلتے ہیں۔ کتاب کے ناظرین منصور کے دلی اضطرار اور قلبی انتشار کا اندازہ صرف اسی ایک واقعہ سے پورے طور پر کر سکتے ہیں کہ وہ اُس وقت کیسے تردد میں بتلا تھا۔ پہلے اسکے ہم علامہ ابوالفرج اصفہانی کے اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی بنی عباس کی سلطنت کی بشارت سُنکر منصور کو اپنے بادشاہ ہو جانے کا اُسی دن سے یقین کامل ہو چکا تھا مگر اگر حقیقتاً منصور راسخ العقیدہ اور مستقیم الارادہ ہوتا تو چاہیے جو ہوتا وہ اپنے یقین پر قائم رہتا۔ مگر اُس کے دل میں امام علیہ السلام کی طرف سے خلوص تو تھا ہی نہیں۔ ایک ذرا سے انتشار پر ادھر سے اُدھر ہو گیا۔ اور جس مقدس بزرگوار کو وہ راست گو اور صادق القول اور معتبر البیان یقین کر چکا تھا اُنہی کو اُس وقت (معاذ اللہ) دروغگو سمجھنے لگا۔ استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ حالانکہ محمد کے قتل سے اُس کو آپ کی بشارتوں کی نصف تصدیق ہو گئی تھی۔ مگر تاہم اُس کے ضبیث نفس کا کسی طرح اطمینان نہیں ہوتا تھا۔

بہر حال۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ ابراہیم کی فوج نے عباسیوں کے مقابلہ میں ایسی جرأت و ہمت دکھلائی کہ عیسےٰ کی ہمراہی فوج پسپا ہو کر ادھر اُدھر منتشر ہونے لگی۔ عباسیوں کو شکست ہوئی تو ابراہیم کی فوج نے حسب دستور اُن کا تعاقب شروع کیا۔ مگر جنگ دوسر دارد اسی کو کہتے ہیں۔ اور ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ انہی مواقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ فوج کو حریف کا تعاقب کرتا ہوا دیکھکر ابراہیم نے اپنی رحمدلی اور اخلاق کے تقاضہ سے تمام لشکر میں منادی کرا دی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ افسوس! ابراہیم کے یہ محاسن سلوک حریف کے لیے تو ہر قرینہ سے مفید نکلے مگر خود اُنکے مقاصد کے واسطے ازحد مضر ثابت ہوئے۔

ابراہیم کا لشکر اپنے امیر کا یہ حکم سنکر تو پیچھے پاؤں لوٹا اُدھر اس موقع کو غنیمت سمجھ کر عیسےٰ نے بھی اپنے برخاستہ خاطر لشکر کو فوراً سنبھالا۔ اور پھر تازہ دم کر کے اُنہی پلٹنے والوں پر یکایک ٹوٹ پڑا۔ ابراہیم

کی فوج تو اپنی لڑائی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرکے منصورہ دمسرور واپس ہو رہی تھی۔ اُنکو اس بلائے ناگہانی کی کیا خبر تھی۔ خلاصہ یہ کہ وہ ان حملات میں یکایک ایسا گرفتار ہو گئے اور ایسے سراسیمہ اور حیران کہ اب اُنکے بنائے کچھ نہ بنی۔ کہاں تو وہ خود فتحمند و منصور تھے۔ کہاں خود مجبور و محصور ہو گئے۔ الغرض ابراہیم کی تمام جمعیت منتشر ہو گئی۔ ابراہیم نے اُسی حالت میں بچکر نکل جانے کو اپنے لیے مصلحت نہ جانا اور تلوار پکڑکر حریف کا ردد رو مقابلہ کیا۔ اور اپنے پدر بزرگوار کی اُس آخری وصیت کو کہ "اگر منصور تمہیں دنیا میں چین سے رہنے نہیں دیتا تو نوداری سے مرجانے کے لیے بھی تو نہیں روکتا"۔ پورا کر دکھلایا۔ ایک عباسی کی ضرب شمشیر نے ابراہیم کا کام تمام کر دیا۔ ابراہیم کی شہادت ۲۵ - ذلیقعدہ دوشنبہ کے دن ۱۴۵ھ میں واقع ہوئی۔ ابراہیم وہ بزرگ تھے جو پورے پانچ برس تک منصور سے روپوش رہے۔ اور وہ انکی گرفتاری اور اغیابی میں باوجود اتنی قوت و قدرت رکھنے کے کامیاب نہو سکا۔ ابراہیم فہم و فراست اور عقل و کیاست میں فردیگانہ اور محسود زمانہ ہو رہے تھے۔

منصور کی آیندہ سادات کشی

محمد نفس زکیہ اور ابراہیم ابنائے عبداللہ ابن حسن تو ختم ہو چکے۔ مگر منصور کی سادات کشی کا سلسلہ تمام نہیں ہوا۔ اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کی عداوت سے اگر کوئی شخص خاص مقصود ہوتا تو وہ البتہ اُسکو تمام کرکے اپنی خصومت اور مخالفت کو بھی ختم کر دیتا۔ اور محمد و ابراہیم کو ختم کرکے جو اُسکی خصومت کے اصلی باعث تھے بقیہ سادات کے خون ناحق سے اپنے ہاتھوں کو رنگین نہ کرتا۔ مگر اُسنے ایسا نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اُسکے مظالم کسی شخص خاص کے لیے محدود نہیں تھے۔ بلکہ وہ عام طور سے تمام سادات کو قابل عقوبت اور واجب القتل سمجھتا تھا۔ اسی لیے اُسنے سادات کشی کو عموماً اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اور جس وقت یا جس مقام پر اُس کو سادات ملے اُن کو جس حیلہ اور جس تدبیر سے ہوا قتل کرا دیا۔ اپنے ممالک محروسہ کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی جہاں کہیں سادات کا وجود ثابت ہوا منصور نے اُنکے قتل و استیصال کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی۔ اور آخر کار اُن کو مار ہی چھوڑا۔ اُس کے ان مظالم و شدائد کے واقعات اس وقت اس کثرت سے ہمارے پیش نظر ہیں کہ اگر ہم اُن کو پوری تفصیل کے ساتھ درج کرنا چاہیں تو ہماری تالیف کا موجودہ حصہ سادات کے مصائب کا ایک مرتب اور مکمل دفتر ہو جائیگا۔ اور غالباً ہم کو اپنے مدعائے تالیف سے علیحدہ ہو جانا پڑیگا جو ہماری موجودہ تالیفی ضرورت کے لیے ناموزوں اور نامناسب خیال کیا جائیگا۔

اس لیے ہم اُن حالات کی تفصیل سے قطع نظر کرکے صرف بقیہ سادات بنی حسن کی عبرتناک سرگزشت بیان کرتے ہیں۔ جن کے احوال کا تفصیلی سلسلہ ہمارے موجودہ حصۂ تالیف کا اصلی مقصود قرار پا چکا ہے

مگر قبل اسکے کہ ہم ان غریب سادات کی مصیبتوں کے دفتر کھولیں ہم منصور کے مظالم وشدائد کی حالت کا صحیح اور سچّا فوٹو ناظرین کتاب کے آگے پیش کرتے ہیں۔

مظالم منصور کا سچّا فوٹو

تمام تاریخوں کا بالاتفاق بیان ہے کہ منصور کو جب کسی شخص کا قتل کرنا منظور ہوتا تھا تو وہ اپنے محل شاہی کے اُس ایوان میں آبیٹھتا تھا جسکا نام قصر الحمراء تھا۔ اور حکم خون کی رعایت سے اُسکی دیواریں چھت اور کواڑ وغیرہ۔غرض تمام چیزیں سُرخ رنگی ہوئی تھیں۔اُس دن منصور بھی سُرخ لباس میں آتا تھا۔ بعض مؤرخین نے اس عمارت کا نام مذبح بھی لکھا ہے۔بہرحال منصور قصر الحمراء یا ایوان مذبح میں حکم قتل جاری کرنیکے لیے اس وضع اور لباس سے آتا تھا کہ اُسکا چہرہ آتش غیظ وغضب سے لال بھبھوکا بنا رہتا تھا۔ اُسکی دونوں آنکھیں دو خون کے بھرے پیالوں کی طرح سُرخ دکھائی دیتی تھیں۔اُس کے تمام بدن کے بال جوش کی وجہ سے چھپ نہیں سکتے تھے اُسکی جلد پر کانٹوں کی طرح ظاہر اور نمودار ہوتے تھے اُسکی لمبی ناک کے دونوں نتھنے اور اُسکے ہونٹھوں کے بالائی حصّوں میں برابر حرکت معلوم ہوتی تھی۔ اور اُس کے تمام جسم میں ایک گونہ حرکت محسوس ہوا کرتی تھی۔

وہ اس شان وصورت سے برآمد ہو کر تخت حکومت پر بیٹھتا تھا اور بغیر کسی پرسش یا کہے سُنے۔قتل کے حکم دیا کرتا تھا۔مقتولین کو کچھ عرض کرنے یا اپنی براءت پیش کرنے کی مجال نہیں ہوتی تھی اور نہ ایسے مجرمین کو ایسے عرض ومعروض کی مہلت یا اجازت دی جاتی تھی۔ اُسکا فوری حکم بجلی تھا نکلا اور ختم کیا اُسکے ساتھ کے خاص خاص بیٹھنے والے اُس سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ اے امیر! آپ تو رعایا کے ساتھ ایسی سختی سے پیش آتے ہیں گویا عفو وبخشش کا لفظ کبھی آپ کے کانوں تک نہ آیا ہوگا۔منصور اُن کے جواب میں کہا کرتا تھا کہ کل کی بات ہے کہ ہم انہی لوگوں کے ساتھ عام رعایا کی طرح بسر کرتے تھے۔ ہمارا رعب ان میں اسی طرح قائم رہ سکتا ہے کہ انکو سخت سے سخت ایذائیں پہنچائیں۔ اور عفو وبخشش کا نام ہی بھول جائیں۔

بہرحال۔جس شخص کے مظالم۔شدائد اور مفاسد اس درجہ تک پہنچ گئے ہوں اور جسکی طبیعت بے دردی اور بے رحمی کی اس قدر خوگر اور عادی ہوئی ہو جو عفو وبخشش کو بالکل بھول گیا ہو پھر اُسکی عداوت۔شقاوت اور خونخواریوں کا کیا ٹھکانا۔

سادات بنی حسن کے بقیہ لوگوں کی تباہی وبربادی

علی ابن محمد ابن حسن دیباج کا قتل۔بہرحال۔اتنی تمہید لکھکر ہم منصور کے اُن مظالم کو

لکھتے ہیں جو اُس نے سادات بنی حسن کی غریب جانوں پر ڈھائے۔ ان میں سب سے پہلے علی ابن محمد ابن حسن دیباج کے پُر درد حالات قلمبند کرتے ہیں۔ یہ غریب مدینہ سے مقید کر کے کوفہ میں جب منصور کے سامنے لائے گئے تو اس بید۔د نے ان کے ساتھ پہلے سخت کلامی شروع کی۔ جب اس میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ اور اُس بزرگ شریف النسل اور عظیم الخلق کی طرف سے اس کا جواب کچھ نہ ملا تو انکو چار سو تازیانے لگائے گئے جنکی ضرب سے آپکے تمام جسم کی یہ کیفیت ہو رہی تھی کہ جس وقت انکے بدن سے کرتا اُتارنے لگے تو کرتے کے ساتھ جلد بدن بھی اُتر آئی چنانچہ امام ابو الفرج اصبہانی تحریر فرماتے ہیں۔ القی علیه قمیصا غلیظا ثم نزعه فخرج جلده معه۔ یہ اُس دن موٹا کپڑا پہنے ہوئے تھے۔ جب وہ اُتارا گیا تو اُسکے ساتھ جلد بدن بھی اُتاری گئی۔

ضرب تازیانہ میں سے ایک ضرب انکی آنکھ پر بھی بیٹھی تھی کہ انکی آنکھ کو بیکار کر گئی۔ ان سفاکیوں پر بھی منصور نے بس نہیں کی۔ اُس نے پھر ان کو انہی زخمہائے تازہ کے ساتھ اپنے قصر کی اُس دیوار میں کھڑا چنوا دیا جو اُس زمانہ میں زیر تعمیر تھا۔

عباس ابن حسن کا قتل

عبداللہ ابن حسن کے ایک بھائی کا نام عباس تھا۔ یہ اپنے تمام بھائیوں میں کمسن تھے لیکن بڑے قبول صورت۔ انکی ماں عائشہ نامی طلحہ کی بیٹی تھیں منصور کے سپاہیوں نے جب انکو گرفتار کیا تو بیقرار ہو کر ماں نکل آئی اور اُن بیرحموں سے ہزار منت و سماجت کی کہ عباس کو چھوڑ دو مگر وہ ایسے کیا تھے جو کسی کی فریاد سُنتے آخر کار مصیبت زدہ ماں نے اُن ظالموں سے کہا باللہ دعونی اشمه مجھ کو اتنی اجازت دو کہ میں صرف اسکی بو سونگھ لوں۔ مگر اُن سنگدلوں نے اُس کی فریاد و فغاں کو نہ سُنا اور عباس کو نہایت سختی سے کھینچ لے گئے منصور نے پہلے تو ان کو قید کیا۔ پھر بعد چندے قید سے نکال کر قتل کرا دیا۔

عمر ابن حسن المثنیٰ ۔ عبداللہ ابن حسن کے بھائی اور محمد نفس زکیہ کے چچا تھے۔ انکو بھی منصور نے قتل کیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن کی السفاح بہت قدر و منزلت کرتا تھا اور یہ اُس کے مخصوصین میں شمار ہوتے تھے۔ مگر منصور کے مظالم نے انکے اوصاف و درجات کی کوئی قدر و لحاظ نہیں کیا۔ محمد نفس زکیہ کے قتل کے بعد انکو بھی فوراً قتل کرا دیا۔

محمد نفس زکیہ کے بھائیوں کی بربادی

محمد نفس زکیہ نے اپنے تسلط کے زمانہ میں اپنے کئی بیٹوں اور بھائیوں کو دیگر مقامات میں اپنے امور کے استحکام کے لیے بھیجا تھا۔ اُنکے ایک لڑکے کا نام علی ابن محمد تھا۔ دوسرے کا عبداللہ۔

علی و عبداللہ فرزندان نفس زکیہ کی سرگزشت

علی ابن محمد مصر میں گرفتار کیے گئے اور منصور کے حکم سے وہیں قتل کیے گئے۔
انکے دوسرے بیٹے عبداللہ تھے جو خراسان میں جاکر روپوش ہوئے۔ جب اُنکی تلاش وہاں ہوئی تو یہ سندھ کی طرف نکل گئے اور پھر انکا پتہ نہ ملا۔ مگر بعض تاریخیں یہ بتلاتی ہیں کہ کشمیر کی لڑائی میں عبداللہ مارے گئے سندھ ہو یا کشمیر۔ اس میں کلام نہیں کہ انکی شہادت ہندوستان کی سرزمین پر واقع ہوئی۔ اور بنی فاطمہ کا سب سے پہلا خون ہندوستان میں یہی تھا جو گرایا گیا۔ علاقہ سندھ اور عموماً ہندوستان کے مغربی ساحل کے اکثر مقامات عباسیہ خلفاء کے زیر اثر آچکے تھے اس وجہ سے منصور کو عبداللہ کے قتل میں اگر فارس میں دسترس نہ مل سکا تھا تو ہندوستان میں اُسنے انکا خاتمہ کرادیا۔
انکے ساتھ انکے چچا عیسے ابن عبداللہ زیدی تھے۔ جب عبداللہ مارے گئے تو یہ ہندوستان کے مختلف مقامات میں مدت تک پوشیدہ رہا کیے اور منصور کے خوف سے عرب میں لوٹ آنیکا قصد نہ کرتے تھے۔
جب منصور کے مرنے کی خبر انکو پہنچ گئی تو یہ اُسکے بیٹے مہدی کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں لوٹ آئے ہم ان کا حال انشاءاللہ پوری تفصیل کے ساتھ جناب امام موسی کاظم علیہ السلام کے حال میں لکھیں گے
چوتھے بیٹے حسن تھے وہ یمن کے قیدخانہ میں مرے۔

محمد نفس زکیہ کے بھائیوں کی سرگزشت

یہ تو انکے بیٹوں کی سرگزشت تھی جو لکھی گئی۔ اب بھائیوں کی روئداد یہ ہے کہ محمد کے ایک بھائی کا نام موسے ابن عبداللہ۔ دوسرے کا نام یحیےٰ تھا۔ موسےٰ جزیرہ کی طرف اور یحیےٰ رے اور طبرستان کی طرف نکل گئے اور بخوف جان ہارون الرشید کے زمانہ تک پوشیدہ رہے۔
انکے تیسرے بھائی ادریس ابن عبداللہ دیار مغرب کی طرف نکل گئے۔ وہاں کے باشندے اُنسے برفق و مدارا پیش آئے اور انکے مطیع و منقاد بھی ہوئے۔ مگر منصور نے اپنے خاص غلام کو بھیجکر ادریس کو کسی حیلہ سے وہیں قتل کرادیا۔
یہ تو وہ سادات تھے جو عبداللہ اور محمد کی خاص اولاد سے تھے۔ انہی لوگوں پر منصور نے بس نہیں کی۔ اُسنے اپنی تمام عمر سادات کے تجسس و تلاش میں بسر کرڈالی۔ اور جب اُسکو کوئی سید ہاتھ لگ گیا اُسکو قتل کرڈالا۔ یا دیواروں میں چنوا دیا۔ چنانچہ صاحب لسان الواعظین کی یہ عبارت جو ذیل میں لکھی جاتی ہے اس کی شاہد ہے۔ وہو ہذا۔
منصور مسجدے در بغداد ساخت کہ اساس از اجساد سادات بنی ہاشم علیہم السلام ساخت و در

قلعۂ شہر رَے نیز بسیارے را در بنیاد نہاد۔
بہرحال سادات کشی منصور کی خاص عادت ہوگئی تھی اور سیدوں کا خون اُسکے مُنہ سے لگ گیا تھا اور
اس مادۂ خاص میں اُس کی مثال اُن وحشی اور جنگلی بہائم کے ایسی پائی جاتی ہے جو مردم خوار اور حد سے
زیادہ خونخوار ہوجاتے ہیں۔ اس کی خونخواری اور ستمگاری کی ایک پُردرد مثال نمونہ کے طور پر ذیل
میں قلمبند کی جاتی ہے۔

ایک کمسن سیّد کی سزا

ملّا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ جلاء العیون میں لکھتے ہیں کہ منصور جس زمانہ میں بغداد کی عمارت بنواتا تھا تو جتنے
سادات اولاد امیر المومنین علیہ السّلام و ذریّات سائر ائمۂ معصومین علیہم السّلام میں سے پکڑ آتے تھے وہ
اُن سب کو اُس عمارت کی دیواروں اور ستونوں میں چُنوا دیتا تھا اور اُن کو مصالح اور چونے سے مستحکم کرا دیتا
تھا۔ یہاں تک کہ بغداد کی ایک مسجد کی پوری بُنیاد سادات کی لاشوں سے پاٹ دی گئی اور انہی
لاشوں پر مسجد کی عمارت قائم کی گئی۔ شہر رَے کے قلعہ کی نسبت بھی یہی مشہور ہے کہ اُسکی دیواروں
اور ستونوں میں بھی سادات چُنے ہوئے ہیں۔ شہر بغداد کا موجودہ کمرک (مقام دفن جُنگی) کے متعلق بھی
خاص وہیں کے باشندے ایسا ہی بیان کرتے ہیں۔

انہی ایام میں ایک دن منصور کے سپاہی اولاد امام حسن علیہ السّلام کے ایک قبول صورت لڑکے کو جو ہنوز
سنِ رشد تک نہیں پہنچا تھا پکڑ لائے۔ منصور نے حسب دستور معمار کے سپرد کر دیا کہ اس کو بھی کسی ستون
میں چُن دے۔ اور اپنے ایک معتمد علیہ آدمی کو مقرر کر دیا کہ وہ معمار پر نگراں رہے تاکہ اُس کے سامنے
حکمِ شاہی کی تعمیل کر دے۔

معمار صاحب اولاد تھا۔ اُسکا دل اُس فرزند خوش جمال کو دیکھکر بھر آیا۔ اُس نے اُس ستون میں اُس معصوم کو
چُن تو دیا مگر ایک سوراخ آمد و رفت ہوا کے لیے چھوڑ دیا تاکہ اُسکی ہلاکت کا باعث نہو۔ اور چُپکے سے اُس
صاحبزادے کے کان میں کہدیا کہ تم گھبرانا مت۔ ہم شب کے وقت آکر تم کو اس ستون سے نکال لیجائیں گے
تمہارے زندہ رہنے کے لیے ہم نے اس میں ایک سوراخ رکھ چھوڑا ہے۔ جس سے ہوا کی آمد و رفت برابر
جاری رہیگی جو تمہاری بقائے روح کے لیے کافی ہو گی۔

بہرحال۔ دن تمام ہو گیا تو معمار کام چھوڑ کر گھر چلا آیا اور نصف شب کے وقت جب تمام سناٹا ہو گیا تو معمار
اپنے گھر سے اُٹھا اور اُس ستون کے پاس پہنچا۔ اُس معصوم سیّد کو اُس سے نکالا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ اب
تم اتنی مہربانی کرو کہ ہم اور ہمارے زیر حکم کام کرنے والے نہ قتل کیے جائیں۔

معمار کا اس سے کیا مطلب تھا؟ اُس کا یہ مدعا تھا کہ تم یہاں سے کہیں چلے جاؤ اگر رہو گے تو لوگ دیکھ

منصور سے کہدینگے۔ اور وہ ہم کو اور ہمارے ماتحتوں کو مار ڈالیگا۔ پھر اُس نے مفصل طور پر اُس معصوم سید کو سمجھا دیا کہ تم بہ تبدیل لباس اس شہر سے کسی طرف نکل جاؤ۔ میں جو اس تیرہ و تاریک شب میں آیا اور اپنے آپکو اس معرض ہلاکت میں ڈالا وہ صرف اسی غرض سے کہ میرے ہاتھ تمہارے خون سے نہ رنگیں ہوں جس کے سبب تمہارے جد بزرگوار فردائے قیامت میں مجھ سے تمہارا معاوضہ لینے پر آمادہ ہوں۔

اُس معصوم سید نے معمار کے کلام سُنکر اُسکی مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر تیری صلاح ہو تو میں اپنی ماں کے پاس چلا جاؤں۔ مگر معمار نے منصور کے جاسوسوں کے خیال سے اس تجویز کو پسند نہ کیا اور سید کو منع کیا۔ صاحبزادے نے کہا بہتر۔ اگر تو میرے ماں پاس جانے کو مصلحت نہیں سمجھتا تو میں نہ جاؤنگا مگر جہاں تو نے اتنے احسان میرے ساتھ کیے ہیں میرے حال پر اتنا احسان اور فرما دے کہ میرے دونوں گیسو کاٹ لے اور انکو اپنے پاس رکھلے جب کبھی میری آفت رسیدہ اور مصیبت دیدہ ماں سے مُلاقات ہو تو میرے زندہ رہنے کی خبر اُس سے کہدیجیو۔ اور یہ دونوں گیسو اُسکو نشانی کے طور پر دیدیجیو کہ انہی سے وہ اپنے دل بیتاب و بیقرار کی تسلی کریگی۔

اتنا کہکر اُس صاحبزادے نے اپنے دونوں گیسو کاٹ کر معمار کے حوالے کیے اور وہاں سے تبدیل لباس کرکے رات کی تاریکی میں کسی طرف نکل گیا۔ وہ خوش عقیدہ معمار اُس غریب سید کی امانت لیکر گھر واپس آیا اور صبح کو اُسکی ماں کی تلاش میں نکلا۔ اتفاقاً ایک دروازے پر پہنچا جسکے اندر سے رونے کی آواز آرہی تھی۔ اُسنے دق الباب کیا۔ ایک عفیفہ تشریف لائی۔ معمار نے اُس سے حال دریافت کیا تو اُسنے اپنے یوسف گم گشتہ کی ساری داستان کہہ سُنائی۔ معمار نے ساری روئداد سُنکر اُسکی تسکین و تشفی کی اور کہا کہ آپکا فرزند بحمدہ تعالٰے زندہ ہے۔ پھر اُس معصوم کی امانت دیکر سارا ماجرا اُس سے کہدیا۔ اُس ضعیفہ نے خوش ہوکر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور اُس معمار کو ہزاروں دعائیں دیں۔

داؤد ابن حسن مثنےٰ کی سرگزشت

حسن مثنےٰ کے ایک صاحبزادے کا نام داؤد تھا۔ اور یہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے رضاعی بھائی ہوتے تھے۔ سادات بنی حسن کی گرفتاری کے وقت یہ بھی گرفتار ہوئے اور گلے میں طوق اور پاؤں میں زنجیر پہنکر عراق کی طرف روانہ کیے گئے۔

داؤد کی ماں جو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی رضاعی ماں ہوتی تھیں اپنے فرزند کی مفارقت میں ایسی بیقرار تھیں کہ اُنکی حالت زار دیکھنے والوں سے دیکھی نہیں جاتی تھی اور تمام اتقیاء و صلحاء کے پاس اُسکی مخلصی کے لیے وہ التجا اور استدعا پیش کرتی تھی۔

اسی اثناء میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کچھ علیل ہوئے۔ حضرت اُمِ داؤد آپ کی عیادت

کے لیے حاضر ہوئیں۔ آپ نے اُن سے پوچھا کہ میرے بھائی داؤد کی اسیری کا کیا نتیجہ نکلا؟ ام داؤد نے عرض کی مجھے کیا معلوم وہ تو منصور کے قیدخانہ میں ابھی تک مقید ہے۔ یہ سُنکر آپ از حد غمگین و ملول ہوئے اور اُمّ داؤد کو اُسی وقت دعائے استفتاح تعلیم فرمائی۔ حضرت امّ داؤد نے اُس دعا کو پڑھا۔ پڑھنے سے تھوڑے ہی دنوں کے بعد داؤد قید سے چھوٹ کر اپنی ماں کے پاس مدینہ میں آگئے۔ یہ دعا عملِ امّ داؤد کے نام سے شیعوں کی تمام اعمال کی کتب میں مرقوم ہے اور کشود مہمات وانجاحِ مطالب کے لیے تیر بہدف ہے۔

یہ تھے منصور کی سادات کشی اور سفاکیوں کے حالات جو ہمنے نہایت اختصار کے ساتھ قلمبند کیے ہیں اب سُنیئے ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ منصور حقیقت میں کسی کا دوست اور شریک نہیں تھا۔ اگر وہ شریک تھا تو اپنی ضرورت کے وقت تک۔ کام نکل جانے کے بعد اور ضرورت رفع ہو جانے کے بعد چاہے اُسکا کوئی کیسا ہی عزیز ہو اور قریب نہ ہو۔ وہ کسی کو نہیں جانتا اور نہیں مانتا۔ ذرا سا شبہہ ہوا اور قتل کیا گیا اس بیدرد کا خون بالکل سفید ہو گیا تھا۔ وہ اپنی خود غرضی کے آگے کسی عزیز یا قریب کی رعایت نہیں کرتا تھا۔ سادات بنی حسن بھی اگرچہ عزیز تھے مگر تاہم سلسلۂ انساب میں باخود ہا کئی پشتوں سے مفارقت ہو گئی تھی۔ منصور نے اپنے چچا اور چچازاد بھائیوں کے ساتھ ہی اپنے کام نکال لینے کے بعد ایسے ستم ڈھائے اور اُنکو بھی وہ صدمے پہنچائے کہ دیکھنے والوں کے کلیجے ہل ہل گئے۔

عیسےٰ ابن موسےٰ پر سختی

اسکی ابتدائے حکومت میں جس طرح ابو مسلم نے اس کی حکومت کو خانہ جنگی کی مصیبتوں سے بچایا تھا اُسی طرح عیسےٰ ابن موسےٰ نے اپنی تنہا کوششوں سے محمد اور ابراہیم کی مہمات کو سر کر کے مدینہ منورہ اور بصرہ کے گئے گزرے علاقوں کو پھر اس کے مقبوضات میں ملایا۔ ابھی کے دن ہوئے تھے کہ منصور نے ابراہیم کی مہم میں پریشان ہو کر عیسےٰ ابن موسےٰ کو کس خلوص اور محبت سے اپنی کمک میں بلایا تھا مگر جب کام نکل گیا اور ضرورت رفع ہو گئی تو پھر کہاں کے عیسےٰ اور کہاں اُنکی خدمات۔ سب بالائے طاق۔ عیسےٰ کی طرف سے جو اُس کے دل میں خلش لگی ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ ابتدائے سلطنت میں منصور نے عیسےٰ کو اپنی ولیعہدی کے لیے نامزد کیا تھا مگر آگے چل کر جب حکومت و امارت اپنے گھر میں قائم رکھنے کا خیال اسے پیدا ہوا تو عیسےٰ کے نکالنے کی فکر کرنے لگا۔ اسی وجہ سے عیسےٰ کو ہمیشہ معرکہائے جنگ میں بھیجا کرتا تھا کہ اسکا خاتمہ ہو جائے تو میرے بیٹے مہدی کے لیے راستہ صاف ہو جائے اسکا یہ ارادہ اس کے اُس قول سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے جو اسنے عیسےٰ کی نسبت اُس وقت کہا تھا جس وقت وہ اُسے محمد نفس زکیہ کی مہم پر بھیج رہا تھا۔ اُس نے اس موقع پر اپنے مخصوصین سے کہہ دیا

لا ایالی بما انقبل صاحبہ ان دونوں میں سے جو مارا جائے (محمد یا عیسٰے) تو مجھے کوئی پروا نہیں ہے
اس سے یہ مراد تھی کہ اگر عیسٰے کے ہاتھ سے محمد مارے گئے تو مدینہ کے اندیشے رفع ہو جائیں گے اور
اگر محمد کے ہاتھ سے عیسٰے مارے گئے تو میرے بیٹے مہدی کی حکومت کے لیے راستہ کھل جائیگا منصور
کے دل کی بدی اور نیت کا فساد اُسکے اس کلام سے پورے طور پر ثابت ہو گیا۔
مگر مقدر سے کیا زور۔ سخت جان عیسٰے ان معرکہائے امتحان سے بھی صحیح وسالم نکل آیا۔ اور منصور
کی تمناؤں کے خلاف اُسکا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا۔ نواب عیسٰے کو منصور نے سخت پکڑا اور اُسکو
اتنا تنگ کیا کہ آخر بے چارے نے ولیعہدی سے استعفا دیکر کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچائی اور منصور
کی ہدایت کے مطابق مہدی کی بیعت بھی کر لی تھی۔

عبداللہ ابن علی کی سزا

عیسٰے کی تو جان بھی بچ گئی مگر عبداللہ تو کسی طرح نہ بچ سکا۔ عبداللہ کا حال تفصیل سے ہم اوپر لکھ آئے
ہیں مگر اپنی ضرورت کے مطابق نہایت اختصار کے ساتھ پھر بار دگر بیان کرتے ہیں۔
اس میں شبہہ نہیں ہے کہ عبداللہ السفّاح کے مرنے کی خبر پاکر شام میں اپنی خود مختار اور آزادانہ حکومت
کا ضرور رنگ جمانا چاہتا تھا۔ مگر ابو مسلم نے عین وقت پر پہنچکر اُس کو ایسی کامل شکست پہنچائی کہ پھر اُسکے
قدم حدود شام میں نہ ٹھیرے۔ اور وہ بیک بینی و دو گوش اپنے بھائی سلیمان کے پاس جاکر بصرے
میں روپوش ہو رہا۔
حقیقت میں اُس کی حالت ایسی کچھ خراب ہو گئی تھی اور اُس کی قوت ایسی پارہ پارہ ہو گئی کہ اُس
سے پھر کسی نقل وحرکت کی کوئی امید نہیں تھی۔ تو پھر ایسی کمزوری اور مجبوری کی موجودہ حالتوں میں
اُسکے ہلاک کرنے کی فکر محض بیکار تھی اور منصور کی سفاکی اور خونخواری کی کامل دلیل تھی۔ یہ تو ظاہر تھا
کہ اب نہ عبداللہ کے پاس کوئی ملک تھا۔ نہ فوج اور نہ مال جس کے ذریعہ سے وہ منصور سے
خلاف ورزی اختیار کرتا۔ مگر منصور کی بیرحمی اور بیدردی میں عفو تقصیر کہاں اور ترک تعذیر
کیسی۔ اُسنے عبداللہ کو سلیمان سے زبردستی لیکر ایک ایسے ویران اور کہنہ مکان میں قید رکھا جو
امتداد ایام سے غیر آباد رہکر نونی لگنے کی وجہ سے بالکل تمکسار ہو رہا تھا۔ پھر اسپر بھی بس نہیں کی
اُس کے چاروں طرف پانی بھروا دیا۔ وہ نونی چاٹا ہوا مکان پانی کی طغیانی سے ایک بار مڑمڑا کر
بیٹھ گیا۔ اور عبداللہ اُس میں دب کر مر گئے۔
ہم کو یقین ہے کہ صرف یہی دو واقعات ہمارے دعوے کے ثابت کرنے کو پورے طور سے کافی ہیں۔ عیسٰے
اور عبداللہ بنی عباس تھے۔ ایک ان میں منصور کا چچا ہوتا تھا اور ایک چچازاد بھائی۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے زیادہ قریب تر اور کون عزیز ہوں گے۔ مگر نہیں۔ منصور کے اصول فطرت کے مطابق جب اپنا کام نکل گیا تو پھر قرابتداری کے حقوق کیسے اور عزیز داری کی رعایتیں کہاں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منصور کی بدسلوکیاں

اب ہم منصور کے اُن مظالم اور خونخواریوں کو جو اُس نے سادات بنی فاطمہ علیہم السلام کے ساتھ روا رکھیں۔ کامل تفصیل سے لکھ کر۔ اب اُس کے وہ ستم و ظلم کی کارروائیاں اور اُس کی وہ مکر و دغا کی ترکیبیں اپنے سلسلۂ بیان میں مندرج کرتے ہیں جو اس سفاک حجاز اور ضحاک عرب نے خاص طور پر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی جان لینے اور اُن کے ہلاک کرنے کے متعلق جاری کیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وجہ خصومت

ہم سلطنت عباسیہ کے آغاز میں لکھ آئے ہیں کہ ان کی حکومت اور امارت کی پیشین گوئی آپ ہی نے ارشاد فرمائی تھی اور منصور نے اپنے مطلب کی پا کر اسکی پوری تصدیق کر لی تھی اور دو بارہ حاضر خدمت ہو کر اس کی صحت کے متعلق آپ سے اپنی تسکین و تشفی کر لی تھی۔ چنانچہ عباسیوں کے پورے تسلط ہو جانے کے بعد جیسا کہ عموماً سواد اعظم میں مشہور ہے اسی (منصور) نے آپ کو الصادق (علیہ السلام) کا لقب بھی دیا تھا۔ مگر یہ تمامی امور اور یہ اُس کے ظاہری محبت و اخلاص اور نمائشی عقیدت و اتحاد صرف وقتی حیلے تھے اور کچھ بھی نہیں۔ امام علیہ السلام کی صداقت پر جمیع انبیائے مرسلین سلام اللہ علےٰ نبینا و آلہ و علیہم اجمعین اور ملائکۂ مقربین اور خود وہ اصدق الصادقین شاہد ہے تو پھر بے مقدار منصور کس شمار و قطار میں آسکتا ہے۔

بہرحال۔ جب منصور کا تسلط پورے طور سے ملک پر ہو گیا تو اُس نے کچھ سادات بنی حسن علیہ السلام ہی پر منحصر نہیں۔ تمام بنی فاطمہ علیہا السلام کو اور ان حضرات کے وجود کو اپنی اغراض و مقصود کے بالکل خلاف سمجھا۔ اور اس مبارک سلسلہ کے استیصال و بیخکنی کی فکریں کرنے لگا۔ اسکی بائیس ۲۲ برس کی طویل سلطنت انہی فکروں میں تمام ہوئی۔ ان حضرات میں جن سے وہ زیادہ مشتبہ تھا اُن کو پہلے تباہ و برباد کیا۔ پھر اور حضرات کو بتدریج اور رفتہ رفتہ جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔

ہو کر اپنی حیات ستودہ آیات کے ایام صرف کرتے تھے۔ اُن کو نہ مُلک سے واسطہ تھا اور نہ مال سے غرض مگر منصور کی خونخوار طبیعت نے ان کو بھی چین سے اپنے گوشۂ عافیت میں بیٹھنے نہ دیا۔ اور اپنی مقدس حیات کے ایام کو جس عافیت سے وہ تمام کرنا چاہتے تھے بسر کرنے نہ دیا۔

ان حضرات میں منصور کی بدبین اور خونی نگاہیں جس مقدس بزرگ کی طرف گئیں وہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔ سلطنت عباسیہ کے ابتدائی حالات میں ہم جناب صادق آل محمد علیہ السلام کے ساتھ منصور کے خلوص و عقیدت کی کیفیت دکھلا چکے ہیں اور مقام ابوا کے شورے میں آپکی پیشین گوئی کو پوری تفصیل کے ساتھ درج کر چکے ہیں جو آپ نے تمام سادات بنی حسن علیہ السلام کے مقابلہ میں بنی عباس کے حصول سلطنت کی نسبت ارشاد فرمائی تھی اور عبداللہ محض سے صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ اس میں آپ لوگوں کی کوششیں محض بے سود اور فضول ہیں۔ امر امارت تو بنی عباس کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔

اس کے بعد پھر یہ بھی دکھلا چکے ہیں کہ ان ارشادات کو سُنکر منصور نے کیسے استحکام اور مضبوطی سے اس پر یقین کامل کر لیا اور کس عقیدت اور خلوص سے آپ کے ساتھ ساتھ دولت سرا تک حاضر ہوا اور آپ سے ان پیشین گوئیوں کی بدفعات تصدیق کرا کے اپنی خاطر خواہ تشفی کر لی۔ ان واقعات کو پڑھ کر کیا کوئی عقل والا منصور کی جانب سے امام علیہ السلام کی خدمت میں کسی بدعنوانی مظالم اور ایذا رسانی کے کیے جانے کی کبھی سوتے جاگتے بھی امید رکھتا تھا۔ نہیں۔ کبھی نہیں، بلکہ بخلاف اس کے آپ کی پیشین گوئی کو جو بائیس تیئیس برس کے بعد ظاہر ہوئی۔ اپنے حسب حال اور مطابق ارشاد پا کر اس امر کا پورا یقین ہوتا تھا کہ منصور کیا بلکہ تمام بنی عباس آپکو اور زیادہ قدر و منزلت اور خلوص و محبت کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ اور ہر امر میں آپکی اقتدا کو اپنا فخر و اعزاز سمجھیں گے۔ مگر خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ یہاں تو سلطنت مل گئی۔ رنگ بدل گئے طبیعتیں متغیر ہو گئیں۔ نیتیں اور ہو گئیں۔ قلوب اِدھر سے اُدھر ہو گئے۔ خلوص و عقیدت۔ اتحاد و محبت کے تمام امور درہم و برہم ہو گئے۔ اور اپنی شقاوت قلبی اور عداوت دلی کے باعث منصور اُسی فرشتہ خصال بزرگوار کی ہلاکت و استیصال کی فکریں کرنے لگا۔ جس کے کلام ہدایت التیام کو ایک بار نہیں کئی بار معیار صداقت پر کس چکا تھا۔ اور اُن کی ذات بابرکات کو صادق علیہ السلام کے معزز لقب سے موسوم اور مشہور کر چکا تھا۔ مگر منصور نے سابق کے تمام مراسم کو تقویم پارینہ سمجھ کر پارہ پارہ کر دیا اور اپنے خلوص و عقیدت کے گزشتہ خیالوں کو اجزائے بوسیدہ سمجھ کر بالکل نسیاً منسیاً کر دیا۔ اور اپنی ضلالت اور شقاوت کی جدید تجویزوں میں کمبخت نے آپ کے وجود ذیجود کو بھی اپنے مقصود کے خلاف سمجھا۔ اور اس انوار ہدایت کے گُل کر دینے کو اپنی سلطنت کی ترقی

قائم رکھنے کی ضرورت سے ۔ضروری جانا۔ اور اپنی انہی تدبیروں میں اُس نے اپنے مکروحیلہ کے وہ نیرنگ دکھلائے جو کبھی کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے ہونگے۔

بنی فاطمہ سے منصور عقائد میں خلاف تھا

سب سے بڑھکر جو اسنے اپنے زمانہ میں قیامت کی وہ یہ تھی کہ اس نے بنی ہاشم کے عقائد میں بھی اپنا پورا اختلاف ظاہر کیا۔ حالانکہ اس وقت تک تمام بنی ہاشم عام اس سے کہ بنی فاطمہ ہوں۔ بنی حسنؑ ہوں یا بنی عباس۔ عقائد میں متفق اور متحد سمجھے جاتے تھے اور انکا مسلک ایک جانا جاتا تھا۔ وقتاً فوقتاً انکے غیر معصوم افراد میں بعضوں کو بعض مسائل شرعیہ میں اگر کوئی شک یا شبہہ ہو جاتا تھا تو وہ دوسری بات ہے۔ مگر انکے اصول عقائد میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔
منصور کے ایسے ننگ خاندان نے حصول دنیا کے جنون میں جہاں تمام محاسن کو کھو دیا اور اپنی تمام خوبیوں کو ڈبو دیا وہاں اُس کو بھی۔ اسی کے وقت سے۔ بنی عباس اور بنی فاطمہ علیہا السلام میں پوری تفریق ہو گئی۔ بنی فاطمہ علیہا السلام تو اپنے آبائے طاہرینؑ کے مسلک پر قائم رہے مگر منصور نے بنی امیہ کی قائم مقامی اور جانشینی کی رعایت سے حفظ سلطنت والی پالیسی کو مدنظر رکھکر عقائد میں خلفائے سابقین کی پیروی اختیار کی۔ اور خدا کی شان! ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت سے ایسے شخص کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے مقابلہ میں عالم دہر کا خطاب دیکر بلاد اسلامیہ کا مفتی اور قاضی بنایا ؎

کسی کا پردہ عزت جنوں کتاں نہ کرے
خدا برہنہ کرے ننگ خانداں نہ کرے

ابوحنیفہ کا مبلغ علم اور مقدار استعداد اسلام کے علمی ارباب پر اچھی طرح روشن ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان کو جو کچھ شدبد ہوئی وہ جناب امام محمد باقر اور امام جعفر صادق سلام اللہ علیہما کی خدمات میں۔ مناسب تھا کہ ہم اُن کے پوست کندہ احوال تمام و کمال لکھتے۔ مگر اپنے مدعائے تالیف سے زائد سمجھ کر مرفوع القلم کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔
بہرحال۔ ابوحنیفہ کی شاگردی اور انکے اس بے جوڑ مقابلہ کو پروفیسر شبلی صاحب نے اپنی دونوں تالیفوں (سیرۃ المامون اور سیرۃ النعمان) میں باطیب خاطر قبول فرما لیا ہے۔ اس لیے ہم کو اس مضمون پر زیادہ بحث کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔
منصور نے اپنی ان گمراہانہ تجویزوں کے متعلق جو جو کارروائیاں کیں اور جیسی جیسی تکلیفیں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو پہنچائیں۔ وہ آپ ہی کی ذات بابرکات تک منحصر نہیں تھیں۔ آپ کے

خواص اور متبعین کو بھی ایسے ہی ایسے انواع و اقسام کے آزار پہنچائے وہ بہت جلد ہمارے سلسلۂ بیان میں آتے ہیں۔

اب ہم کو یہ لکھنا ہے کہ منصور کے اس ارتداد کی کیا وجہ ہوئی تو اس کی وجہ یہی سلطنت دنیاوی اور سطوت شاہی کا غرور ثابت ہوتا ہے اور کوئی دوسرا نہیں۔ جن کے نشہ میں وہ مخمور ہو کر اپنی فرعونیت اور انانیت کا دعوےٰ کرنے لگا۔ منصور کا یہ گمان تھا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام اگر اور پہلی خلافتوں کو نہیں تو میری خلافت کو تو ضرور بنی ہاشم ہونے کی رعایت سے خلافت حقّہ تسلیم کرینگے۔ کیونکہ اس کی بشارت سب سے پہلے آپ ہی نے دی ہے۔ اور دیگر سادات کے مقابلہ میں اس امر امارت کو ہمارا ہی حصّہ بتلایا ہے۔

مگر بخلاف اس کی امیدوں کے بنی عبّاس کی حکومت کو بھی آپ نے دنیا کی معمولی سلطنتوں سے زیادہ نہ سمجھا جس کے ایسی ہزاروں کیا لاکھوں ہو چکی تھیں۔ بنی عباسیوں نے اپنی سلطنت کو بنی ہاشم میں شامل ہونے کے باعث اُس امامت حقّہ سے تعبیر کرنے کی کوشش کی تھی جس کے منجانب اللہ ہونے میں نصوص الٰہی اور احکام رسالت پناہی بہت سے شاہد تھے۔ اور اسی کے ساتھ ہی اپنے آپ کو بنی عبّاس ہونے کی رعایت سے جناب رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُنہی اوصیائے برحق میں داخل کرنے کی سعی کرتے تھے جو منجانب اللہ عروۃ الوثقےٰ اور حجۃ علےٰ اہل الدّنیا کے حقیقی مفہوم بتلائے گئے تھے۔

عبّاسیوں کے ان خیالات کا پتہ اُس خطبہ سے لگتا ہے جو السفّاح کی بیعت کے وقت داؤد ابن ابن عبد اللہ نے کوفہ کی مسجد جامع میں تمام اہل اسلام کو سُنایا تھا۔ اور اپنی خلافت کو جناب امیر المومنین علیہ السّلام کی خلافت کے مساوی بتلایا تھا۔ اور آل محمدؐ کی رعایت سے اپنے امر حکومت کو تا بہ قیام قیامت مستقر اور مستمر کرنا چاہا تھا جیسا کہ تاریخ روضۃ الصفا کی اسناد سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ مگر اُن کی ان ابلہ فریبیوں پر وہی ایمان لاتے اور اعتقاد کرتے جو امام زمانہ کی معرفت سے معذور اور حجّۃ اللہ کی صفات سے ناواقف تھے۔ اس لئے اُن کی یہ تدبیر پیش نہ چلی۔ نہ کسی نے اُن کی امارت کو امامت برحق تسلیم کیا۔ اور نہ اُن کو جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا وصی مطلق۔ دنیا کے امر پرستوں نے جن معنوں میں اور جن طریقوں سے پہلی حکومتوں کو خلافت حقّہ تسلیم کر لیا تھا ویسے ہی لوگوں نے ان کی سلطنت کو بھی۔

ان کی حکومت اور ان سے پہلے کی سلطنتوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ دین کی آڑ پکڑ کر سب کے سب دنیا کے پیچھے پڑے تھے ع ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش کردند کے اصول پر

بہر حال منصور بھی اپنی سلطنت کو وہی امارت حقہ تسلیم کیے جانے کی امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت سے امید رکھتا تھا اور کوشش کرتا تھا کہ آپ بھی میرے احکام سلطنت کے مطیع و منقاد ہو کر میری بیعت اختیار فرمائیں۔ اور میرے آئین حکومت کو احکام شریعت قرار دیکر چون وچرا نہ کریں۔ یہاں نتیجہ بالعکس ہوا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسکی سلطنت کو انہی سلطنتوں میں شمار کیا جو اس سے پہلے گزر چکی تھیں۔ اور اسکے تمام احکام کو بھی دنیاوی سیاست کے مطابق بتلایا۔ نہ آئین شریعت کے موافق۔ اور اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنی علیحدگی اور تفرقی کے وہی طریقے اختیار کیے جو اس سے پہلے چھ سات سلطنتوں کے زمانہ میں آپ نے اختیار فرمائے تھے اور اپنے تمام متعلقین اور مومنین خالص کو بھی اس کی تقلید اور اقتدا سے خصوصاً امور شریعت میں جدا رکھا۔ ان وجہوں سے منصور کو اپنے ان ارادوں میں پوری ناکامیابی ہوئی۔ اور وہ تمام سادات کو قتل کرکے آپ کی ہلاکت کے درپے ہوا۔ اپنے زور سیاست اور قوت حکومت کے ظاہر کرنے میں تو حتی المقدور کوئی ایسی بات اٹھا نہیں رکھی جس سے جناب صادق آل محمد علیہ السلام کی ہدایت۔ تعلیم دینیات اور احیائے شریعت کی تمام راہیں بند ہو جائیں۔ مگر وہ مدت العمر اپنی جی توڑ کوششوں میں کبھی کامیاب نہ ہوا۔ وہ زور پہ زور لگاتا رہا اور نہ ہو سکا۔ آپ جس طرح سے رہروان مسلک حقہ کو تعلیم دینیات فرماتے تھے۔ فرماتے رہے۔ اس میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا۔

بہر حال۔ اتنی تمہید کے بعد اب ہم اپنے سلسلۂ بیان میں منصور کی اُن ترکیبوں کو مندرج کرتے ہیں جو اُس نے صرف اس امر کی کوشش میں صرف کیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے منصب امامت کے فرائض پورے اطمینان سے انجام نہ دے سکیں۔

شیعوں کی گرفتاری

یہ تو معلوم ہے کہ اُس کی ہر چیز کی ابتدا اور اُس کی ہر تدبیر کا آغاز انتہا درجہ کے ظلم و شقاوت کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ اس لیے ان تدبیروں کے متعلق بھی منصور نے وہی طریقے قائم رکھے۔ اور جناب صادق آل محمد علیہ السلام کے ساتھ اپنی خصومت و عداوت کے اظہار ایسی سختی اور بیرحمی سے کیے کہ امام علیہ السلام اور آپکے شیعوں کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے۔ وہ ہمہ دم انہی فکروں میں غرق رہتا تھا اور چالوں پر چالیں نکالتا تھا جس سے آپ کے دامان عصمت پر کوئی دھبہ لگے اور جس کی وجہ سے اُس کو آپ کی ہلاکت کا عذر معقول ہاتھ لگے۔ اسی طرح شیعوں کے لیے بھی طرح طرح کے حیلے ڈھونڈھا کرتا تھا۔ اطراف و جوانب میں ایسے مخبر اور جاسوس چاروں طرف لگا رکھے تھے

جو شہر شہر اور قریہ قریہ میں شیعوں کے تفحص احوال کرتے رہتے تھے اور وہ ان کے متعلق ذرا ذرا کی خبر اُسکو پہنچایا کرتے تھے۔ جہاں کہیں انکا پتہ لگا گرفتار کیا گیا جس کسی سے محبت اہلبیت علیہم السلام کی بو پائی گئی۔ یا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا نام سُنا۔ گرفتار کر کے سخت سے سخت ایذاؤں کے ساتھ قتل کیا گیا۔ عوام شیعہ آپ کا اسم مبارک علانیہ نہیں لے سکتے تھے۔ اس وجہ سے آپ کی حدیث کو کبھی ابو صالح۔ ابو اسمٰعیل اور کبھی صرف الرجل کہکر بیان کرتے تھے۔ حمید ابن قحطبہ اور داؤد ابن علی وغیرہ عام طور سے شیعوں کی گرفتاری پر مامور تھے۔ اور ان کے ماتحت مخبر اور جاسوس ببر و بحات اور مفصلات میں ان غریبوں کا سراغ لگاتے پھرتے تھے۔

اس مقام پر ہم ذیل کے واقعہ کو اپنے مدعا کے ثبوت کیلیے کافی سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

معلّٰے ابن خنیس کی گرفتاری

داؤد ابن علی ابن عبداللہ منصور کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا۔ اس نے اپنے عہد حکومت میں شیعیان علی علیہ السلام کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا منجملہ اُن مقتولین کے معلّٰے ابن خنیس مولائے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔ مدینہ منورہ میں معلّٰے بہت بڑے ذی وجاہت اور با اثر بزرگ تھے۔ داؤد کو ان کی خبر لگی تو انہیں گرفتار کرایا۔ جب یہ حاضر کیے گئے تو ان کو حکم دیا کہ تم مدینہ کے شیعہ باشندوں کے نام بتلاؤ اور اُن کی فہرست لکھواؤ۔ معلّٰے نے کہا اے امیر! میں اپنے کاروبار میں لگا رہتا ہوں میں کسی کو کیا جانوں۔ داؤد نے کہا کہ اگر تم نہیں بتلاؤ گے تو تمہیں اسی وقت قتل کر ڈالونگا۔ معلّٰے ابن خنیس نہایت مستقیم العقیدہ اور دلیر بزرگ تھے۔ نہایت استقلال سے داؤد کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم اگر ان شیعوں میں سے ایک بھی میرے پاؤں کے نیچے چھپا ہوا ہو تو تیرے حکم سے ڈر کر میں اپنا پاؤں نہ اُٹھاؤں اور کبھی نہ دکھلاؤں۔

داؤد معلّٰے کا جواب سُنکر غصہ سے آگ ہو گیا اور اُن کے قتل کا فوری حکم دیا۔ معلّٰے نے کہا اے امیر! میں تو بہت جلد تیرے حکم سے مارا جاتا ہوں مگر میری آخری وصیت تو سُن لے اور اُس پر شاہد رہ۔ وہ یہ ہے کہ میں اپنی جائداد اور مقبوضات کی ہبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام نامی سے کرتا ہوں۔ معلّٰے نے داؤد کے علاوہ اور دیگر حاضرین کو بھی اس امر پر شاہد کیا۔ اس کے بعد معلّٰے داؤد کے حکم سے قتل کیے گئے۔

ان کے بعد داؤد نے اُن کی تمام جائداد اور مال و متاع کو ضبط کر لیا اور اُن کے ہبہ کی شرائط قائم نہیں رکھیں داؤد کا جو نتیجہ ہوا وہ ہم آپ کے اعجاز امامت کی بحث میں انشاءاللہ تعالےٰ عنقریب لکھیں گے۔

دارومدار تھا۔ غلبہ اور استیلا کے اصول۔ تعین خلیفہ کے متعلق جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والے قانون کے اجرا کو پورے طور سے صحیح ثابت کر رہے تھے۔ نہ کوئی اصول ایسے تھے جن کا ثبوت نصوص و احادیث معتبرہ سے ملتا ہو۔ اور نہ آئین ملکی ہی ایسے تھے جن کو احکام شریعت سے کوئی واسطہ ہو۔ پھر ایسی معمولی اور دنیاوی سلطنت کو جو اتنے مظالم اور مفاسد کا باعث ہو چکی ہو امامت و خلافت حقہ سے تعبیر کرنا کسی عقل والے کا کام نہیں۔ چہ جائیکہ ایسی خلافت شریعت سلطنتوں کے برحق تسلیم کرنے کی امام حق ناطق حضرت جعفر صادق علیہ السّلام کی ذات بابرکات سے امید کیجائے ع ایں خیال است ومحال است وجنوں۔

کسی امر کی پیشین گوئی تسلیم کی دلیل نہیں ہو سکتی

اب اس مقام پر ہم اُس شبہہ کی اصلاح بھی کیے دیتے ہیں کہ آپ نے بنی عبّاسیوں کی سلطنت کی پیشین گوئی فرمائی تھی اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ آپ نے عباس کی سلطنت کو خلافت حقہ تسلیم کر لیا۔ نہیں۔ ایسا کبھی نہیں۔

آپ نے جس صحبت میں ان کی سلطنت کی خبر دی وہ سادات کا خاص جلسہ تھا۔ عبداللہ محض اُس عام جلسہ میں اس امر کے مدعی تھے کہ ہمارا بیٹا محمد نفس زکیہ۔ اس امت کا مہدی ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مہدی آل محمدؐ علیہ السّلام کا زمانہ بہت دور ہے۔ تمہارا بیٹا وہ مہدی نہیں ہو سکتا"۔ اس امر خلافت کے حصول میں تم لوگوں کی کوششیں بیکار ہیں۔ یہ امر عباسیوں کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔

آپ کی اس تقریر سے پورے طور پر معلوم ہو گیا کہ وہ امامت حقہ جس کا اختتام مہدی آل محمدؐ علیہ السّلام پر بتلایا گیا ہے وہ نہ بنی حسن کی امارت ہے اور نہ بنی عباس کی حکومت۔ وہ ایک جُداگانہ شے ہے۔ جس کو ان دونوں فریق سے کوئی علاقہ نہیں۔ تو ایسی حالت میں آپ کی مجرد پیشین گوئی فرما دینے سے۔ اس کی تصدیق کیسے سمجھی جا سکتی ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ یہ سلطنت، وہ خلافت کبھی نہیں ثابت کیجا سکتی ہے جس کی خبر جناب احدیت نے اپنی کتاب مقدس میں بیان فرمائی ہے۔ کیونکہ ابومسلم کے اُس خط کے جواب میں جو اُس نے بار دیگر جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں قبول خلافت کے لئے لکھا تھا۔ آپنے کھُل کھُل کر صاف صاف لفظوں میں لکھدیا تھا کہ یہ زمانہ میرا زمانہ نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ جس خلافت کے قبول کرنے کے لیے تو مجھ سے خواستگار ہو رہا ہے۔ وہ میری خلافت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کسی اور کی۔ جیسا کہ امام یافعی کی اسناد سے اوپر لکھا جا چکا ہے

امام جعفر صادق علیہ السّلام کی ایذا رسانیاں اور قتل و ہلاکت کی تدبیریں

اب ہم اپنے سلسلۂ بیان میں منصور کے اُن حیلے اور مکّاریوں کو مندرج کرتے ہیں جو اُس نے جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی ایذا رسانی اور قتل کر دینے کی تجویزوں میں ظاہر کیں۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ منصور آپ کے وجود ذی جود کو اپنے اُن مقاصد کی کامیابیوں کے لیے ضرور سدِّ راہ سمجھتا تھا جو اُس کو اپنی خلافت حقّہ تسلیم کرانے کے متعلّق پیش نظر تھیں۔ اُسنے یقین کر لیا تھا کہ جب تک بانفس نفیس آپ قائم رہیں گے ہمارے حقوق کبھی ارادت و عقیدت کے ساتھ نہیں تسلیم کیے جائیں گے۔ اور امور شرعیہ میں اور احکام دینیہ میں ہماری اقتدا نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے وہ اکثر آپ کی نسبت کہا کرتا تھا ھٰذا الشّجی المعترض فی حلقی میرے لیے آپ کی مثال اُس ہڈی کی سی ہے جو گلے میں اٹک جاتی ہے۔ کیونکہ آپ کے مقابلہ میں منصور دینی پیشوا ہونے کی نہایت سخت تمنّا رکھتا تھا۔ اور اُس کی تقریر سے ان امور کی خواہش اور حسرت کے پورے ثبوت ملتے ہیں۔

منصور کی امام حدیث بننے کی تمنّا

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفا میں اُسکی ان تمناؤں کے متعلق لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ منصور کے مصوصین نے اُس سے پوچھا کہ دنیوی لذّتوں سے کوئی ایسی لذّت ڈھونڈ رہی ہے جو تمہیں نہ حاصل ہوئی ہو۔ منصور نے کہا ہاں۔ ایک لذّت ابھی ایسی باقی ہے جس سے میں اب تک البتّہ محروم ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میری دلی خواہش ہے کہ میں محفل درس میں بیٹھا ہوں اور طالبان حدیث میرے گرد جمع ہوں اور پوچھنے والا مجھ سے پوچھتا ہو کہ من ذکرت رحمک اللہ خدا تم پر رحم کرے۔ تم نے کس کا ذکر کیا۔

[illegible] خواہشوں نے اسکی حسرت [illegible] خوشی سے اپنے بچوں کو اخذ حدیث کے لیے [illegible] بھی [illegible] حدیث کی [illegible] میں حلقہ باندھے [illegible] کی خدمت [illegible] منصور انھیں [illegible] نہیں۔ تو لوگ وہاں [illegible] وہ [illegible] میں [illegible] پڑے [illegible] کثرت سے [illegible] ہوتے [illegible] حدیثوں کے طلب کرنے والے ہوتے ہیں۔

اس واقعہ سے منصور کی دلی تمنّا کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں بھی منصور نے اپنی خود [illegible] کی شان نہ چھوڑی اور اس امر میں بھی اپنی کوتاہی اور کمی کے نقص کا اعتراف نہ [illegible]

حالت خاص میں آپ خدمت میں کسی قسم کی گستاخی یا تعرض کرسکوں۔ لامحالہ ٹھہرا رہا جب امام
جعفر صادق علیہ السلام نماسے فارغ ہوچکے تو میں نے آپکی آستین پکڑکر عرض کی کہ آپکو منصور نے بلایا ہی
یہ سُنکر آپ نے بیساختہ فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر مجھ سے ارشاد کیا کہ اچھا میں چلتا ہوں
مگر اتنی مہلت مجھے اور دے میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ میں نے منظور کرلی۔ آپنے نماز پڑھی اور وہ
دعا پڑھی جسکا آغاز اللھم ثقتی (مہج الدعوات میں یہ دعا تحریر ہے) ہے۔ پھر آپنے فرمایا کہ
جس طرح اُسنے تجھے حکم آیا ہے تو اُسی طرح مجھے لے چل۔ ابراہیم بولا مجھ سے آپکی خدمت میں ایسی گستاخی
کبھی نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ منصور اس نافرمانی کی سزا میں مجھے مار بھی ڈالے۔

القصہ ابراہیم آپ کا ہاتھ پکڑکر منصور کے پاس لایا۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ مجھ کو اُس وقت
یقین کلی تھا کہ آج انکو منصور ضرور مار ڈالیگا۔ جب ہم لوگ اُس کے دروازے پر پہنچے تو امام علیہ السلام
نے دعائے یا الٰہ جبریل کی تلاوت فرمائی اور منصور کے پاس پہنچے۔
وہ آپ کو دیکھتے ہی درست ہو بیٹھا اور گردن اُٹھا کر کہنے لگا کہ آج میں تمہیں ضرور قتل کرڈالونگا
آپنے نہایت متانت اور آہستگی سے جواب دیا کہ اے امیر میری عمر اب بہت باقی نہیں ہے۔ اور میرے
تیرے درمیان تمام مراسم بہت جلد منقطع ہونیوالے ہیں۔ اب میری معدودے چند دنوں کی حیات تک
تم مجھ سے نرمی اور آہستگی پیش آلو۔ آپ کی اس سحر نما تقریر نے اُس سنگدل اور شقاوت پیشہ
کے قلب پر ایسا قیامت کا اثر پیدا کیا کہ وہ دفعتہً خاموش ہوگیا اور اُسی وقت آپ کو مدینہ کی طرف واپس
جانے کی اجازت دیدی۔

جب آپ باہر آئے تو عیسٰے ابن عبداللہ کو بھیجکر پوچھوایا کہ میری آپ کی مفارقت جو ہونیوالی ہے
اُس پہلے کون قضا کرے گا۔ آپ کہ میں۔ عیسٰے نے کہا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں۔ اسکی ابتدا میری
طرف سے ہوگی اور تو میرے بعد بھی زندہ رہیگا۔ عیسٰے نے جاکر اُسکو یہ مژدہ سُنایا تو وہ بہت مسرور
ہوا اور فی الجملہ مطمئن ہوگیا۔

اس واقعہ سے ہمارے مدعا کی پوری تصدیق ہوتی ہے اور منصور کے اُن ارادوں کی ابتدا معلوم
ہو جاتی ہے جو وہ جناب امام علیہ السلام کی ہلاکت کے متعلق رکھتا تھا اسکے علاوہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا
کہ منصور دنیا میں زندہ رہنے پر کتنا حریص تھا جو مومنین اور صالحین کی سیرت سے عموماً خلاف ہے
وہ اپنے خیالوں میں ولا تمنوہ ابدا واللہ علیم بالظالمین کا پورا مصداق تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی عراق میں طلبی

سب سے پہلے۔ اس کارروائی کے بعد جو دوسری تدبیر آپ کے متعلق اُسنے سوچی وہ یہ تھی

آپ کو عراق میں طلب فرمایا اور چاہا کہ اپنے پاس رکھکر آپ کے امور کی ہمیشہ نگرانی اور حراست کرتا رہے آپنے بلا عذر اسکی استدعا کو مان لیا اور ترک وطن کی مصیبتیں گوارا فرماکر عراق میں اُس کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ وہی سفر ہے جس میں اپنے اپنے جدّ بزرگوار جناب امام حسین علیہ السّلام کی قبر مطہر کی کربلائے معلّے میں زیارت فرمائی اور پھر وہاں سے نجف اشرف میں تشریف لائے اور عراق کے مخصوصین شیعوں کو جناب امیر المومنین علیہ السّلام کی قبر منورہ کا صحیح صحیح مقام اور نشان لایا ہے۔ جو اس سے قبل بخوف ظلمۂ بنی امیہ کسی معلوم نہیں تھا۔ اس سفر کے حالات بہت طول و طویل میں جو کتب مبسوطہ میں بہت تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ ہم اُن تمام حالات کی کوئی تفصیل نہیں کریں گے مگر اُسکا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ سے۔ بغداد۔ بغداد سے بصرہ اور بصرہ سے کوفہ تک کا سفر آپ کو کرنا ہوا۔ مگر منصور کے شبہوں نے کہیں ایک جگہ آپکو چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ آپکے ایک جگہ قیام فرمانے سے اُس کی یہ غرض تھی کہ وہاں کے لوگوں سے آپکے تعارف اور اتحاد کے ذریعے وسیع نہو سکیں جو اُس کے منشاء کے بالکل خلاف تھے۔

مگر نتیجہ اس کا بالکل خلاف نکلا۔ آپ جہاں تشریف لیگئے وہاں خاص طور پر آپکی خدمت میں اہل اسلام کا رجوع عام ہو گیا۔ اور ہر شخص عام اس سے کہ کسی طریقہ کا پابند ہو آپکی اشتیاق زیارت میں بیچین ہو کر اپنے گھر سے نکلا اور خدمت ہمایوں میں حاضر ہو کر شرف زیارت سے بہرہ اندوز ہوا۔ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ اصول۔ کلام غرض تمام احکام شرعیہ کے متعلق آپ کی زبان سے ارشاد ہدایت بنیاد سنتا رہا۔

خاص دار الحکومت بغداد میں جہاں کثرت سے بنی عباس اور اُنکے ہوا خواہ آباد تھے آپکی خدمت میں عام مرجوعات کی یہ کثرت ہوتی تھی کہ آپ کو اپنے امور ضروریات کی فرصت بھی نہیں رہتی تھی۔ جس وقت دیکھو کاشانۂ امامت دروازے سے لیکر اندر تک طالبان ارشاد سے بھرا رہتا تھا۔ اور عراق کی کثیر التعداد جمعیت آپ کی اطاعت پر کمربستہ پائی جاتی تھی۔ جب منصور نے آپ کے رجوع عامہ کی یہ کثرت دیکھی تو اس کو اپنے مقصود کے بالکل خلاف سمجھا۔ اُس نے ہر چند چاہا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کا کام یہیں تمام کر دیا جائے۔ اور اس غرض سے اُس نے صحبت۔ خلوت اور جلوت میں بدفعات طلب کیا مگر خدا کا حکم نہیں تھا۔ منصور اپنے مکارانہ ارادوں پر قادر نہ ہو سکا۔

فریقین کے علمائے سیر و تاریخ نے بارہ یا چودہ مرتبہ آپکی طلبی کا ذکر کیا ہے۔ مگر ان میں سے کسی ایک بار بھی وہ اپنے مفید ارادوں کی تعمیل نہ کر سکا۔ یہ آپکے اعجاز و کرامت اور ارشاد و جلالت کی روشن دلیل ہے۔ ان میں سے چند واقعات کی کیفیت ہم بھی ذیل میں درج کرتے ہیں۔

امام علیہ السّلام کی دربار میں طلبی

مُلّا عبدالرحمٰن جامی شواہد النبوۃ میں لکھتے ہیں۔ منصور کے معروف و مشہور حاجب ربیع کا بیان ہے کہ ایک دن منصور نے مجھے خلوت میں بُلا کر حکم دیا کہ جب جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام میرے پاس آئیں تو میں اُنہیں باتوں میں لگا دُونگا۔ تم تلوار لیے آمادہ رہنا۔ جس وقت میرا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر پڑے تو اُسی وقت اپنی تلوار سے اُنہیں قتل کر ڈالنا۔

ربیع بہت بڑا نیک نہاد اور خوش اعتقاد تھا۔ اُس نے امام علیہ السّلام کی اجازت سے منصور کی موجودہ ملازمت اختیار کی تھی۔ ربیع کا بیان ہے کہ اسکے بعد منصور نے ایک چٹائی اور شمشیر منگائی۔ اُسکا دستور تھا کہ جب وہ کسی کے قتل کا قصد کرتا تھا تو یہ دونوں چیزیں پہلے سے منگا رکھتا تھا۔ اور مقتول کو اُسی چٹائی پر بٹھلا کر اپنے سامنے قتل کرا دیتا تھا۔ اس غرض سے کہ شاید غیبت میں جلاد اُس کو چھوڑ دے۔

بہرحال جب منصور آپکے قتل کا سامان کر چکا تو ربیع سے کہا کہ جاکر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کو بُلا لاؤ۔ ربیع تعمیل حکم کے لیے چلا تو۔ مگر اُسکا بیان ہے کہ میں نے اُسی وقت اپنے دل میں یہ ارادہ بھی مصمم کر لیا کہ اگر یہ ظالم مجھے قتل امام علیہ السّلام کا حکم دیگا تو میں اُنکے عوض منصور ہی کا سر اُڑا دونگا۔ بعد اسکے میرے لیے جو ہوتا رہیگا اُسکا مجھے غم نہیں ہے۔

الغرض ربیع گئے اور امام علیہ السّلام کو بُلا لائے مگر منصور کی جونہی نظر آپ کے جمال مبارک پر پڑی فوراً تخت سے اُٹھا اور نہایت تعظیم و تکریم سے آپ کا استقبال ادا کیا اور اپنے پہلو میں بٹھلا لیا۔ اور کہنے لگا کہ اہلاً و سہلاً یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔ میں نے آپ کو صرف اس غرض سے زحمت دی ہے کہ جس قدر قرض آپ کے ذمہ ہو اُسے ارشاد کریں تاکہ میں اُسے ادا کر دوں۔ کیونکہ اعانت اہلبیت علیہم السّلام واجب ہے۔ آپنے سکوت اختیار کیا اور کچھ نہ کہا۔ پھر اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے آپکی خدمت میں اپنی طرف سے دیر تک برابر عذر خواہی کرتا رہا۔ پھر ربیع سے بلا کر کہا کہ تین دن تک آپ کو یہاں رکھکر باآرام تمام مدینۂ طیبہ کی طرف رخصت کر دو۔

جب امام علیہ السّلام اپنی قیامگاہ کو واپس گئے تو ربیع کا بیان ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ منصور نے آپ کو تو قتل کرنے کی غرض سے بُلایا تھا۔ آپنے کونسی دعا پڑھی جس نے اُس کے تمام ارادوں کو اُسکے دل سے نسیاً منسیا کر دیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے وہ دعا ربیع کے سامنے پڑھی اور یاد بھی کرا دی۔

یہاں سے ہو کر ربیع منصور کے پاس آیا اور اُس سے بھی یہ کیفیت پوچھی تو اُسنے جواب دیا کہ

اے ربیع حقیقت امر تو یہ ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی قدر و منزلت خدا کے نزدیک ایسی ہی ہے۔ وہ اہلبیت نبوت علیہم السلام میں سب سے زیادہ بلا شک و شبہ سزاوار امامت وخلافت ہیں۔ جس وقت وہ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا اژدہا اُنکے ساتھ چلا آتا ہے اور وہ اژدہا مجھ سے کہتا ہے کہ اگر تو نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو ذرا بھی ایذا دی تو میں تیرا گوشت و پوست ہڈیوں سے اُتار لونگا۔ یہ دیکھکر خوف کے سبب سے میرے تمام بدن میں لرزہ پڑ گیا۔

دوسری بار طلبی

محمد ابن عبداللہ اسکندری جو منصور کے مخصوص ندیموں سے تھا بیان کرتا ہے کہ میں ایک دن منصور کے پاس گیا تو اُس کو نہایت ملول پایا۔ وجہ ملال پوچھی تو اُس نے کہا کہ میں نے اولاد حضرت علی اور جناب فاطمہ علیہا السلام سے کثیر التعداد جماعت کو قتل کیا مگر اُن کے راس الرئیس اور پیشوا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ابھی تک زندہ باقی ہیں۔ میں نے کہا وہ تو ایسے زاہد۔ عابد اور ابرار ہیں جنکی کثرت عبادت نے اُن کے بدن کو بالکل لاغر بنا دیا ہے۔ میرے یقین میں تو اُنہیں دنیا طلبی کی طرف کوئی التفات نہیں۔ اُن سے تو آپ کو کسی قسم کا اندیشہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سُنکر منصور نے جواب دیا کہ تو مجھے پہلے ہی سے معلوم ہے کہ تو اُن کی محبت کا دم بھرتا ہے اور امامت کا قائل ہے۔ میں بھی خود اُنکی شرافت و فضیلت کا قائل ہوں۔ مگر کیا کروں۔ امور ملکی اور ضروریات سلطنت نقیض اور عقیم کا حکم رکھتے ہیں میں نے قسم کھالی ہے کہ آج غروب آفتاب تک اُنکے قتل سے اپنی دلجمعی کر لونگا۔

پھر جلاد کو بُلایا اور کہا کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلاتا ہوں۔ اُنہیں میں باتوں میں مصروف کر لونگا۔ مگر تو ہمہ تن میری طرف متوجہ رہنا۔ جس وقت میں اپنا ہاتھ سر کی طرف لیجاؤں تم اُسی وقت اُنکو قتل کر ڈالنا۔

بہر حال۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بُلائے گئے آپ تشریف لائے تو آپ کے لبہائے مبارک جنبش میں تھے۔ محمد ابن عبداللہ اسکندری کا بیان ہے کہ اسکے بعد میں نے دیکھا کہ منصور کے تمام قصر میں دفعتہً زلزلہ کے آثار پیدا اور آشکار ہیں۔ اور در و دیوار سے حرکت کے آثار ایسے محسوس ہو رہے ہیں جیسے کسی طوفان خیز سمندر میں تموج پیدا ہو جانے سے عموماً کشتی تلاطم اور سخت حرکت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ منصور کا یہ حال ہوا کہ آپ کو دور سے آتا ہوا دیکھکر سر و پا برہنہ آپکے استقبال کو دوڑا حالانکہ اُسکا بند بند خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ فوراً آپ کے دست مبارک تھام لیے اور تخت پر اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور پوچھا کہ اس وقت آپ کے تشریف لانیکا کیا باعث ہوا۔

آپ نے اسکے جواب میں ارشاد فرمایا۔ سبحان اللہ! میں تیرے ہی بُلانے سے آیا ہوں اور تجھی کو اس کا
خبر نہیں۔ منصور نے شرما کر کہا اچھا جواب آپ کی غرض ہو بیان کیجیے۔ میں اُسے رفع کردوں۔
آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری اتنی ہی غرض ہے کہ تو مجھے بار بار نہ بُلایا کر۔ میرا جب جی چاہیگا تجھ سے
آکر مل لیا کرونگا۔ اُس نے جلدی سے کہا بہتر اور فوراً ہی آپ کو رخصت کر دیا۔ شاید یہ واقعہ اُس زمانہ
ہے جب آپ منصور کے پاس عراق میں تشریف رکھتے تھے۔ جب آپ وہاں سے واپس آئے تو
منصور اس قدر پریشان ہوا کہ فوراً لباس شب خوابی پہنکر اپنے فرش استراحت پر جا پڑا اور آدھی رات
تک پڑا سوتا رہا۔ ظہر، عصر، مغرب اور عشا چاروں نمازیں متواتر قضا گئیں۔ محمد کا بیان ہے کہ آدھی
رات گئے جاگا تو چاروں وقتوں کی نماز ادا کر کے مجھ کو بُلا بھیجا اور بیان کیا کہ جس وقت جناب امام
جعفر صادق علیہ السلام یہاں تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ اُنکے ساتھ ساتھ اژدہا ہے اور وہ
جانور بزبان فصیح مجھ سے کہتا ہے کہ مجھ کو خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے یہاں اس غرض سے بھیجا ہے کہ اگر
صادق آل محمدؐ کو ذرا بھی گزند پہنچائیگا تو میں تجھے قصر سمیت کھا جاؤنگا۔ یہ دیکھ کر میرا قلب ہل گیا
ہوش وحواس جاتے رہے خوف کے مارے کانپنے لگا۔

محمد اسکندری کا بیان ہے کہ میں نے یہ روئداد سُنکر کہا کہ یہ سحر ہے۔ منصور نے ڈانٹ کر کہا
اُن سے ایسے ایسے امور ہر گز جائے تعجب نہیں ہوسکتے کیونکہ اُن کے پاس اسم اعظم ہے جو جناب
رسول خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ کے پاس تھا۔ اسی کی وجہ سے جو چاہتے تھے ہو جاتا تھا۔
امور جادو سے تعلق نہیں رکھتے۔

اس واقعہ کو مُلا عبد الرحمٰن جامی نے شواہد النبوۃ میں اور شیخ فرید الدین عطار نے
حلیۃ الاولیاء میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

تیسری بار طلبی

ایک دن منصور نے ربیع حاجب کو بُلایا اور حکم دیا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو حاضر
کرو۔ ربیع حسب الحکم آپ کو بُلا لایا۔ جب آپ منصور کے سامنے آئے تو منصور نے نہایت خشمناک ہو کر کہا
کہ اے جعفر! تم ہی میری سلطنت میں عیب نکالتے ہو اور مجھ کو قتل کرانا چاہتے ہو۔ آپ نے نہایت
نرمی سے جواب دیا کہ میں نے تو کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی۔ شاید کسی جھوٹے اور افترا پرداز نے
تجھ سے یہ باتیں کہی ہیں۔ اور اگر بالفرض میں نے تیرے حق میں ایسے کلمات کہے تھے تو کیا حضرت
یوسف علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام پر اُن کے بھائیوں نے ظلم کیا۔ اُنہوں نے عفو فرمایا۔ حضرت ایوب
علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام مبتلائے مصیبت ہوئے۔ صبر فرمایا۔ حضرت سلیمان علےٰ نبینا وآلہ

علیہ السلام کو سلطنت ملی خدا کا شکر بجا لائے۔ یہ سب پیغمبر تھے اور تیرا سلسلہ بھی انساب انبیا علیہم السلام تک پہنچتا ہے۔ تجھے بھی انکی پیروی کرنی چاہیے۔

منصور کے دل پر آپ کی اس تقریر نے ایسی تاثیر کی کہ اُس نے آپ سے مخاطب ہو کر آپ کو اپنی مسند پر پہلو میں بٹھلا لیا اور کہا کہ مجھ سے فلاں ابن فلاں نے ایسا ایسا کہا تھا۔ جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا کہ اے امیر! اُس کو بلوالو کہ میرے مُنہ پر کہے۔ منصور نے اُس شخص کو بلایا۔ جب وہ آیا تو کہا کہ تجھ سے جو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہا تھا اُسے انکے مقابلہ میں بیان کر۔ اُسنے کہا کہ آپ نے ایسا ایسا کہا تھا۔ منصور نے کہا تو اس پر قسم کھا سکتا ہے؟ اُسنے کہا ہاں۔ یہ کہکر اُس نے یوں قسم کھائی۔ باللّٰہ الّذی لآ الٰہ الّا ھو عالم الغیب والشّھادۃ وہ اتنا کہنے پایا تھا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جس طرح کہوں یہ اُس طرح قسم تو کھائے۔ منصور نے کہا کہ تو اس شرط کے ساتھ بھی قسم کھا سکتا ہے۔ اُس بیباک نے کہا ہاں۔ آپنے فرمایا۔ اے شخص تو اب یوں قسم تو کھا برئت من حول اللّٰہ وقوّتہ والتجأت الیٰ حولی وقوّتی لقد فعل جعفر کذا وکذا۔

یعنی میں حول و قوتِ خدا سے بری ہو کر اپنی قوت و طاقت کی طرف رجوع ہو کر کہتا ہوں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایسا ایسا فرمایا تھا۔

وہ شخص اس پر ذرا جھجکا مگر منصور کی چشم نمائی پر راضی ہو گیا۔ اور بعبارت مذکورہ قسم کھائی۔ قسم کھانا تھا کہ زمین پر گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔ منصور نے حکم دیا کہ پاؤں پکڑ کر گھسیٹیں اور باہر لیجائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ربیع کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام جب وہاں سے واپس آئے تو میں نے آپ سے پوچھا کہ آپنے اُسے بطور خود کیوں قسم کھانے نہیں دی۔ فرمایا میں نے یہ پسند نہ کیا کہ وہ خدا سبحانہ تعالےٰ کو اُسکی بزرگی اور وحدانیت سے یاد کرتا۔ تاکہ حق تعالےٰ اُس پر عذاب عاجل نازل کرنے سے حیا فرماتا۔ اس لیے اس صورت سے قسم دی اور وہ فی الفور عذاب الٰہی میں گرفتار ہو گیا۔

ربیع نے پھر عرض کی کہ جب آپ منصور کے پاس داخل ہوئے تو لبہائے مبارک آپ کے جنبش میں تھے اور جیوں جیوں لب ہلتے تھے۔ منصور کی آتش غضب ٹھنڈی ہوتی جاتی تھی۔ اس کا کیا سبب۔ حضرت اُس وقت کیا پڑھ رہے تھے۔ فرمایا میں اُس وقت اپنے جدّ بزرگوار حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی یہ دعا پڑھتا تھا۔ وہ یہ ہے۔ یا عدّتی عند شدّتی یا غوثی عند کربتی احرسنی بعینك الّتی لا تنام واکفنی بارکانك الّذی لا یرام۔

اس واقعہ کو صاحب روضۃ الصّفا نے بھی مع اس دعا کے تحریر فرمایا ہے اور شواہد النبوۃ میں مُلّا جامی نے۔ امام شبلنجی مصری نے نور الابصار میں اور علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں بھی تحریر

فرمایا ہے۔

چوتھی بار طلبی

خود جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک بار منصور نے مجھے طلب کیا حاضر ہوا تو نہایت ترشرو ہوکر مجھ سے کہا کہ اے ابو عبد اللہ علیہ السلام تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے محمد ابن عبد اللہ نفس زکیہ کا کیا حال کیا اور اُن کو کس طرح قتل کیا۔ اب میں اسکا منتظر بیٹھا ہوں کہ تم میں سے (بنی فاطمہ علیہم السلام) اگر کوئی کسی قسم کی ذرا بھی حرکت کرے تو میں اُسے فوراً قتل کر ڈالوں۔ اُس کے یہ کلام خصومت انضمام سُنکر میں نے جواب دیا کہ اے امیر! مجھ کو جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے سلسلہ سے پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بسا اوقات آدمی کی عمر سے صرف تین سال باقی رہتے ہیں اور وہ صلۂ رحم ادا کرتا ہے تو تیس سال کا اضافہ ہوکر تینتیس سال ہو جاتے ہیں اور اکثر انسان سے ہوتا ہے کہ تینتیس سال عمر میں باقی رہتے ہیں اور وہ قطع رحم کا مرتکب ہوتا ہے تو تیس برس کم ہوکر صرف تین ہی سال رہجاتے ہیں۔ منصور جو اپنے ہمیشہ زندہ رہنے کا از حد متمنی تھا یہ سُنتے ہی حواس باختہ ہو گیا۔ اور قسمیں دے دیکر آپ سے بار بار پوچھنے لگا کہ سچ فرمائیے ایسی کوئی حدیث آپ کو اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ذریعہ سے پہنچی۔ میں نے کہا واقعی یہ حدیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجھ کو ملی ہے۔ پس تین مرتبہ اُس نے اُس امر پر مجھ سے اقرار لیا اور مجھے فوراً وہاں سے رخصت کر دیا۔ نور الابصار شبلنجی مصری۔

صاحب کاشف الحقائق کا بیان ہے کہ یہ حدیث بحار الانوار میں بھی بلفظہ اسی طرح وارد ہوئی ہے جیسے اوپر نقل کی گئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ منصور اس حدیث کو بڑے شوق سے سُنتا تھا اور بار بار سُنتا تھا اور رہ رہ کر جس قدر قطع رحم کا وہ مرتکب ہوا ہے کمتر دنیا میں کوئی ایسا قاطع رحم ہوا ہوگا۔ تاہم اُس کو اپنی عمر بڑھانے کے نسخے اور اُس کی ترکیبیں معلوم کرنے میں بہت مزہ آتا تھا کیونکہ وہ زندگانی دنیا پر بہت حریص تھا۔

منصور زندگانی دنیا پر نہایت حریص تھا

ایک مرتبہ یہی حدیث اسنے اپنے بیٹے مہدی کو بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے سُنوا دی تھی:
ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت اُسکے پاس تشریف رکھتے تھے۔ اُسنے التماس کی کہ اے ابو عبد اللہ

علیہ السلام) وہ حدیث صلۂ رحم جو آپ بیان فرماتے تھے پھر اُسکو ارشاد فرمائیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نیکی و صلۂ رحم باعث آبادی عالم و موجب درازی عمر ہے۔

منصور نے کہا نہیں۔ یہ نہیں۔ آپ نے فرمایا جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُس کو موت بھول جائے گی اور وہ ہمیشہ صحت و عافیت سے دنیا میں رہیگا جو اپنے اعزّہ و اقارب سے صلۂ رحم ادا کیا کریگا۔

منصور نے کہا۔ یہ بھی نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میں نے رحم و قرابت کو دیکھا کہ عرش الٰہی میں لٹکے ہوئے قاطع رحم کی شکایت کر رہا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اُنکے درمیان کتنا فصل تھا؟ کہا سات پشتوں کا۔

منصور نے کہا۔ یہ بھی نہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرد ابرار نیکوکار پر حالت احتضار طاری تھی اُس کے ہمسایہ میں ایک شخص قاطع رحم رہتا تھا۔ حق تعالےٰ نے دریافت کیا کہ اے ملک الموت اسکی (قاطع رحم کی) کس قدر عمر باقی ہے؟ عرض کی تیس ۳۰ سال۔ ارشاد ہوا کہ وہ تیس ۳۰ سال اس نیک مرد واصل رحم کو دیدو اور قاطع رحم کی روح قبض کر لو۔

یہ سُنکر منصور نہایت مسرور الحال ہوا اور کہنے لگا کہ ہاں۔ یہ وہی حدیث ہے جسے میں آپ سے سُننا چاہتا تھا۔ پھر غالیہ دان منگا کر آپکے موئے سر و ریش کو اپنے ہاتھ سے خوشبو کیا۔

پانچویں بار طلبی

سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں کہ اکثر دشمنان دین نے حضرت کی طرف سے چند خطوط اہل خراسان کے نام منصور کی مذمت اور اپنی اطاعت کی نسبت لکھکر یہ ظاہر کیا تھا کہ ہمنے یہ خطوط چند قاصدوں سے خراسان کے راستہ میں چھینے ہیں اور اُن خطوں کو منصور کو دیکر اُسکو قتل امام پر اغوا کیا۔

منصور کو اُس وقت یہ سُنکر ایسا غصہ آیا کہ اُسنے اُسی وقت اپنے حاجب ربیع کو بلایا اور کہا آج میرا مصمم ارادہ ہو گیا ہے کہ میں حضرت جعفر ابن محمد علیہما السلام کو ضرور قتل کر ڈالوں تو اسی وقت جا اور وہ جس حال میں ہوں لے آ۔ خبردار۔ اُنہیں اتنی مہلت بھی نہ دینا کہ وہ تبدیل لباس یا تغیّر وضع کریں۔

اُس روز منصور نے اپنے مشہور و معروف قصر احمر میں جلوس کیا تھا اور اُسکے معمول سے
تھا کہ جب کسی کو قتل کرنا منظور ہوتا تھا تو وہ اسی حصہ عمارت میں بیٹھتا تھا اور اُس روز کا نام
روز ذبح ہوتا تھا۔ ربیع کا بیان ہے کہ اُس کے یہ کلام سُنکر مجھے صدمۂ عظیم ہوا۔ اور یقین کامل ہو گیا
کہ امام علیہ السّلام آج ضرور قتل کیے جائیں گے۔ میں نہایت متردد ہوا کہ اگر حسب الحکم امام
علیہ السّلام کو اُس کی خدمت میں حاضر کرتا ہوں تو میں بھی ایک گونہ آپ کے قتل میں شریک ہو جاتا
ہوں۔ اور میری آخرت برباد جاتی ہے۔ اور جو حکم نہیں مانتا تو یہ خونخوار مجھے میرے بال بچّوں سمیت
مارڈالیگا۔ اور میرا مال و متاع سب لوٹ لیگا۔ پس اُس وقت میرا دل دین و دنیا کے اختیار کرنے
میں متردد ہوا۔ آخر میں نے دنیا کو آخرت پر اختیار کیا اور اپنے بیٹے محمد کو بُلا کر وصیت کی کہ تو میرے
تمام مال و متاع کا مالک ہے اور تو میرے تمام بیٹوں میں قوی اور جری ہے۔ جلد جا اور دیوار خانہ کی
بام پر چڑھ کر داخل خانۂ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ہو اور جس حالت و حیثیت میں اُنکو پا؛
یہاں لے آؤ۔

محمد سیڑھی لگا کر بام خانہ سے چڑھا۔ گھر میں اُترا تو دیکھا۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام
لباس کہنہ پہنے۔ رومال پارینہ کمر مطہر سے لپیٹے مشغول عبادت ہیں۔ خوف الٰہی سے عجیب حالت آپکی ہو رہی
ہے۔ محمد کو اتنی جرأت تو نہ ہوئی کہ حالت نماز میں خلل انداز ہو۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو محمد نے عرض کی کہ
جلد چلیے خلیفۂ وقت نے آپکو بُلایا ہے۔ وہ قصر احمر میں بیٹھا ہوا آپ کا انتظار کر رہا ہے۔

یہ سُنکر حسب عادت آپنے استرجاع کی یعنی آیۂ شریفہ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھی اور فرمایا
کہ اتنی مُہلت دے کہ میں غسل کر کے تبدیل لباس کر لوں۔ محمد نے کہا خلیفہ کا حکم نہیں اور بجبر اُس
برگزیدۂ انام کو مصلے سے اُٹھایا۔ اور سر و پا برہنہ لے چلا۔ حضرت علیہ السّلام چاروں طرف حسرت سے
دیکھتے تھے اور خاموش رہجاتے تھے۔ ضعف و نقاہت سے یہ عالم ہوا تھا کہ آپ کو راہ چلنا دشوار
ہو رہا تھا۔ کیونکہ سن مبارک اُس وقت ستّر برس کے قریب پہنچ گیا تھا اور منصور کا مکان فاصلہ پر تھا
جب شدّت نقاہت سے قدم رہجاتے تھے تو محمد ابن ربیع آپ کو اپنے خچّر پر سوار کر لیتا تھا۔ تا کہ جلد
منصور کے حضور میں آپ کو پہنچا دے۔

القصّہ آپ منصور کے سامنے اُس وقت پہنچے کہ منصور ربیع سے کہہ رہا تھا کہ رات آخر ہوئی
جاتی ہے اور مطلب میرا ہنوز حاصل نہیں ہوا۔ یعنی جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام اب تک نہیں
آئے۔ یہ سُنکر ربیع باہر دروازے پر آیا تو آپ کو اس شکل سے دیکھکر سخت بیتاب ہوا۔ اپنا سر جھکا لیا
اور آپکے حال زار پر بہت رویا کیونکہ وہ حقیقت میں آپ کے ہی خواہوں میں سے تھا۔ جناب امام
جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ اے ربیع تو مجھے پہچانتا ہے تو اس قدر مہلت دے کہ میں دو رکعت

نماز ادا کرلوں۔ ربیع نے کہا کیا مضائقہ۔ پڑھ لیجیے۔ گو منصور چیختا اور چلاتا رہا مگر حضرت نے دو رکعت نماز پڑھ لی۔ تب منصور کے سامنے تشریف لے گئے۔

منصور آپکو دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ اور وہ خطوط مصنوعی آپ کے سامنے ڈال دیے۔ اور کہنے لگا کہ اے آل ابوطالب علیہ السّلام تم براہ حسد بنی عبّاس کی خرابی کے خواہاں ہو۔ آپنے فرمایا جو کچھ تم کہتے ہو وہ ہرگز درست نہیں ہے۔ میں نے کبھی کسی سے ایسی تحریک نہیں کی۔ اور نہ کسی کو ایسے خط لکھے۔ ہم کو جاہ و مال کی خواہش نہیں۔ صرف توکل بخدا ہمارا شعار ہے۔ اور اسی پر دار و مدار ہے۔ جب عالم جوانی میں میں نے ظالمین بنی امیہ کا دعیہ نہیں چاہا تو اس ضعف و پیری میں بنی عبّاس کے کاروبار میں کیونکر خلل انداز ہو سکتا ہوں۔ بنی اُمیہ کے متواتر اور مسلسل ظلموں سے اب تک ہماری آنکھیں خشک نہیں ہوئی ہیں۔ یہ فرماتے تھے اور رقّت آپ پر طاری تھی۔ مگر منصور کے دل پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اور ویسا ہی شدّتِ غیظ و غضب میں اپنے ہونٹھ چبا رہا تھا۔ اور بار بار اپنی تلوار میان سے کھینچ لیتا تھا۔

ربیع کا بیان ہے کہ میرا یہ حال تھا کہ میں امام علیہ السّلام کی حالت زار دیکھکر سخت پریشان اور مضطرب الاحوال ہو رہا تھا اور قریب تھا کہ اُسی کی تلوار لیکر اُس کے ٹکڑے کر ڈالوں۔ بارے یکایک اُس سنگدل کی حالت میں انقلاب عظیم واقع ہوا۔ یا تو پہلے اس شدّت سے قتل امام علیہ السّلام پر تلا ہوا تھا یا بہت نرمی اور آہستگی سے بولا درست ہے۔ خطا میری ہی جانب سے ہے۔ یہ کہکر اپنے پاس مسند پر آپ کو بٹھالیا اور غالیہ دان منگا کر آپ کی ریش مقدّس کو اُس سے خوشبو کیا۔ اور مجھ سے (ربیع سے) کہا کہ میرے خاصہ کا گھوڑا آپ کی سواری کے لیے تیار کرو اور دس ہزار درہم آپ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیشکش گزرانے۔ اور مجھ سے کہا کہ نہایت عزّت و احترام سے آپ کو آپ کے مقام تک پہنچا دو۔

ہم خوشی خوشی وہاں سے نکلے۔ راستہ میں میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام سے عرض کی۔ یا ابن رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔ یہ آپ کی دعا کا اثر ہے۔ ایک دعا تو حضور نے نماز کے بعد پڑھی۔ پھر جب آپ صحن خانہ میں پہنچے تو اُس وقت بھی لبہائے مبارک حضرت کے جنبش میں تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔ ہاں۔ پہلی دعا جو میں نے پڑھی وہ دعائے کرب و بلا تھی۔ جس کو معمولاً میں تعقیبات نماز کے ساتھ روزانہ پڑھا کرتا ہوں اور دوسری دعا جو میں نے پڑھی وہ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وہ دعائے ماثورہ ہے جسے آپ نے جنگ خندق میں اُس وقت پڑھا تھا جب مشرکین نے حلقۂ انگشتری کی طرح تمام مدینۂ منورہ کا محاصرہ

کرلیا تھا۔

اتنا فرما کر آپ نے ربیع سے کہا کہ میں نے اپنی وہ قطعۂ زمین جسے تو مجھ سے خریدنا چاہتا تھا اور میں تجھ کو نہ دیتا تھا۔ وہی زمین۔ میں نے بلا کسی معاوضہ کے تیرے نام ہبہ کر دی۔ ربیع نے عرض کی کہ مجھے مال و جائداد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اتنی بندہ نوازی کافی ہے کہ وہ دونوں دعائیں مجھے تعلیم فرمادی جائیں۔ ارشاد فرمایا کہ ہم اہلبیت (علیہم السلام) جو چیز کسی کو دیتے ہیں پھر واپس نہیں لیتے۔

اس کے بعد جناب امام جعفر صادق علیہ السلام مکان تشریف لے گئے اور مدینۂ منورہ پہنچکر آپ نے دونوں دعائیں بھی لکھ کر بھیجدیں اور زمین مذکورہ کا ہبہ نامہ دستخطی و مہری اپنا اُسی کے ساتھ عنایت فرمایا۔

ربیع کا بیان ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت سے واپس ہو کر منصور کے پاس آیا اور اُس سے اُس کی اتنی گرمی اور پھر اتنی نرمی کا سبب دریافت کیا تو اُسنے مجھ سے کہا کہ یہ واقعہ عجیب و غریب ہے۔ اگر شیعیان جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کو معلوم ہو جائیگا تو اُنہیں ایک دلیل محکم ہاتھ آجائے گی۔ مگر چونکہ مجھے تجھ سے ایک محبت خاص ہے اس لیے کہتا ہوں کہ جب میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے قتل کرنیکے لیے تلوار نیام سے نکالی تو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو نظر آئے کہ مارے غیظ و غضب کے تیغ ہاتھ میں لیے فرماتے ہیں کہ اگر تو جعفر علیہ السلام کو ستائیگا تو میں بھی تجھے اسی تیغ سے ابھی ابھی قتل کر ڈالونگا۔ پس خوف عظیم مجھ پر طاری ہوا اور پھر سوائے امام علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کے اور کچھ بن نہ پڑا۔ اے ربیع! بنی فاطمہ علیہا السلام کی قدر و منزلت خدا کے نزدیک عظیم ہے کسی مسلمان پابند شرع کو جائز نہیں ہے کہ اُنکے حقوق سے غافل رہے۔ تجھ کو مکرر تاکید کرتا ہوں کہ یہ راز سربستہ میرا افشا نہ ہونے پائے ورنہ تجھے قتل کرونگا۔

محمد ابن ربیع سے مروی ہے کہ میرے باپ نے منصور کی زندگی میں یہ روایت کبھی کسی سے بیان نہیں کی۔ اُسکے مرنے کے بعد مجھ سے کہدی۔

ہم نے متعدد واقعات جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے قتل و ہلاکت کے متعلق جو خاص منصور کی تجویزیں تھیں۔ اپنے سلسلۂ بیان میں قلمبند کر دیے۔ جس سے کامل طور پر ثابت ہوتا ہے کہ منصور نے ایک بار نہیں کئی بار۔ ایک طرح نہیں کئی طرح سے امام علیہ السلام کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا تھا بلکہ اپنے حسابوں وہ آپ کو قتل ہی کر چکا تھا۔ مگر خدا کی قدرت تھی کہ آپ کی جان بچ گئی ورنہ آپکو تو ہر بار اپنی طلبی پر اپنی جان سے پوری مایوسی ہو جاتی تھی۔

اہل خراسان کے خطوط منصور کی کھُلی حرفت تھی

اہل خراسان کے خطوط کا جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کے نام آنا جیسا کہ اوپر کے ایک واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے منصور کی ایک مخالفانہ تدبیر تھی جو اُسنے آپ کے اوپر بغاوت اور سرکشی کے صرف الزام لگانے کی غرض سے تجویز کی تھی کیونکہ اُسنے سمجھ لیا تھا کہ سادات بنی حسن سے زیادہ آپکی ذات مجمع الصفات پر ان امور کا شبہہ ہوسکتا ہے۔ اور بنی حسنؑ سے زیادہ آپ کے اعوان وانصار تمام بلاد اسلامیہ کے دیار وامصار میں بتلائے جا سکتے ہیں۔ اس لیے اُسنے چند خراسانیوں کو اپنی سازش سے لاکر ان مصنوعی خطوط کو آپکے نام لکھوایا اور آپکے نام بھجوایا۔ اور پھر خود انتظام کرکے راستہ میں اُن خطوط کو اُنہی قاصدوں سے چھنوایا۔ منصور کی یہ مخالفانہ تدبیروں کی ایک دوسری ترکیب تھی۔ چنانچہ ہمارے فاضل معاصر مؤلف کاشف الحقائق منصور کی ان ترکیبوں کی تمہید میں تحریر فرماتے ہیں" امام جعفر صادق علیہ السّلام کے آخری ایام اُسی کے زمانہ میں بہت تردد اور تلخی میں بسر ہوئے۔ کیونکہ وہ آپ کی طرف سے کمال درجہ حسد وعداوت رکھتا تھا۔ اور محض اپنی خلافت کا ظاہر کرکے درپئے ایذا وآزار تھا۔ اور ہمیشہ اس گھات میں لگا تھا کہ کوئی حیلہ اُن جناب کے قتل کا ہاتھ آئے۔ مخبر اور جاسوس ادھر اُدھر چھوڑ رکھے تھے کہ دم دم کی خبریں اُسے پہنچایا کریں۔ مصنوعی خطوط آپ کی جانب سے شیعوں کے نام لکھے جاتے تھے اور راہ میں پکڑے جاتے تھے۔ اور اُس کی پاداش میں سخت تکالیف پہنچائی جاتی تھیں" کاشف ص ۲۰۸۔

منصور کی تمام تدبیریں اُس کے مقصد کے خلاف نکلیں

یہ تو اوپر کے واقعات سے معلوم ہوچکا کہ منصور نے آپ کے قتل کو اپنے امکان سے باہر سمجھ کر آخر آپ کو مدینہ تشریف لیجانے کی اجازت دیدی اور آپ مدینہ میں واپس آئے۔ مگر مدینہ میں مراجعت فرمائی۔ جانے کے بعد بھی منصور کی خونخوار طبیعت آپکی طرف سے مطمئن نہیں ہوئی۔ مدینہ منوّرہ کی مراجعت فرمانے کی اجازت بھی کس مجبوری کی وجہ سے دی گئی تھی۔ اُسے بھی سمجھ لینا چاہیے۔ وہ مجبوری اور معذوری یہ تھی کہ منصور آپکی طرف مرجوعۂ عامہ دیکھکر سوچنے لگا کہ آپ کا زیادہ عراق میں قیام رکھنا میرے مقاصد کے لیے مفید کیا ہوگا بلکہ اور مُضر اور سخت نقصان کا باعث ہوگا اور حقیقت امر بھی ایسی ہی تھی۔ عراق میں آپ کے ارشاد وہدایت کے دو سکّے جمے اور وہ قبولیت حاصل ہوئی اور آپ کی طرف تمام اہل اسلام کا ایسا رجوع عام ہوا کہ منصور کی گرم درباری بالکل ٹھنڈی پڑ گئی۔ منصور نے اگرچہ اس کی بہت روک تھام کی اور آپ کو بغداد سے بصرد بھیجدیا

مگر جب بصرہ میں بھی عام مرجوعہ کی یہی کیفیت ہوئی تو کوفہ کے عامل کے حوالہ کیا۔ مگر وہاں بھی اُس
شمع امامت کے گرد اگرد تمام اہل اسلام پروانہ وار جمع ہوتے دیکھے تو آخر کار پھر بغداد واپس بُلایا اور
جو سوچا تھا اُس کے خلاف ظاہر ہوا۔ منصور اس وجہ سے اور آپکے زیادہ آزار پہنچانے میں عجلت
نہ کرسکا کہ آپکے خلاف ذراسی تحریک پر عراق اور اُسکے اطراف کے تمام لوگ جو آپ کے خلوص ارادت
کا دم بھر رہے تھے۔ اگر اُس وقت بے ادبی کی کوئی حرکت فوراً اُس سے ظاہر ہوتی تو تمام عراق
میں عام بغاوت اور شورش پھیلا دیے جانیکا پورا یقین لگا ہوا تھا۔

اگر بصیرت کی آنکھیں اور حقیقت کے کان کھُلے ہوں تو بنی عباس کے مؤیدین دیکھ لیں کہ منصور
کی تمام پولیٹکل چالیں اور مُلکی تدبیریں امام برحق اور حجت اللہ مطلق کے مقابلہ میں کچھ بھی کارگر نہو سکیں
بلکہ اُسکی تمام کوششیں اس کے خلاف ثابت ہوئیں۔ مثال کے لیے عراق کی طلبی ہی کافی ہے منصور
نے تو سوچا تھا کہ آپ کو اپنے پاس رکھکر آپ کے ارشاد و ہدایت کے راستوں کو بند کردیا جائے جب
سلسلۂ ارشاد ہی منقطع ہوجائیگا تو اجماع اور کثرت مومنین کہاں باقی رہیگی۔ تھوڑے دنوں میں
آپ فرقۂ شیعہ نیست و نابود ہوجائیگا۔

مگر اس کے خلاف جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہوا۔ جناب سید شہید رضی اللہ عنہ
کے بعد عراق والوں کے رسم و راہ اور خلوص و عقیدت اہلبیت طاہرین اور ائمہ معصومین سلام اللہ
علیہم اجمعین کی طرف بہت کم ہوگئے تھے۔ امام شعبی۔ عمر ابن عبید۔ حسن بصری اور ابوحنیفہ کے قیاسی اجتہاد
کے رنگ چاروں طرف جمے ہوئے تھے۔ عراق والوں میں بہت کم ایسے لوگ تھے جو مسلک اہلبیت
علیہم السلام پر قائم تھے۔ مگر ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا عراق
تشریف لیجانا تھا کہ بہت سے سرگشتگان بادیۂ ضلالت آپکے فیضان صحبت اور ارشاد و ہدایت
سے مستفید ہوکر طریقۂ حقہ پر راسخ العقیدہ ہوگئے۔ اور بغداد سے بصرہ اور بصرہ سے کوفہ تک
آپ کے ارشاد و ہدایت کا کامل اثر پہنچ گیا۔ اور ہزاروں اہل اسلام کے مشتبہ اور مشکوک خیالوں کی
پوری اصلاح ہوگئی۔ وہ سلطنت کی تجویزیں تھیں۔ یہ مشیت کی تدبیریں جو بمصداق وما یعلمہ
الا ھو اُسی کی ذات اقدس تک محدود و منحصر تھیں۔

منصور کے فساد طبیعت اور غرور سلطنت نے اُسکو محمد و ابراہیم پر دسترس دلاکر اُسکو
یقین دلایا تھا کہ ہم جناب صادق آل محمد علیہ السلام کے معاملات میں بھی ویسے ہی کامیاب
ہوتے جائیں گے اور اُن کے معاملات کو بھی ویسا ہی درہم و برہم کردینگے جیسا کہ اُن لوگوں کے
امور کو۔ اگر اُس کے دل میں امام علیہ السلام کی معرفت کُلّی باقی رہی ہوتی تو اس سے پہلے محمد
نفس زکیہ اور جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرق مابہ الامتیاز کو اُس نے سمجھ لیا ہوتا۔ مگر

اُسنے بنی ہاشم ہونے کی مسادات پر جیسا اپنے آپ کو شرف وفضیلت میں امام علیہ السّلام کا ہمسر سمجھا تھا۔ اُسی طرح محمد وابراہیم کو بھی۔ اسی بنا پر اُس نے یہ تدبیریں کیں اور یہ سوچا کہ اگرچہ محمد کا قتل بھی خون ناحق ضرور تھا۔ مگر جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کا خون۔ خون ناحق ہونے کے علاوہ خون امام بھی تھا۔ اُس کی حفاظت و مدافعت میں خدا کی حمایت واعانت لازمی تھی جیسا کہ اوپر کے واقعات سے ایک بار نہیں کئی بار ظاہر ہو چکی۔ اور حقیقت تو یوں ہے کہ جب تک امام وقت اور حجۃ العصر (علیہ السّلام) کی جاہ وجلالت اور قدر ومنزلت قدرتی اور آسمانی ذریعوں سے بتواتر اور مسلسل اس پایہ تک نہ پہنچے وہ امام نہیں ہو سکتا۔

امام علیہ السّلام کے گھر میں آگ لگادی گئی۔

یہاں تک تو معلوم ہو چکا ہے کہ منصور نے ہر طرف سے مایوس اور ہر طرح مجبور ہو کر جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کو مدینہ واپس بھیجدیا۔ مدینۂ منورہ میں پہنچکر آپ اپنے معمولی مشاغل ارشاد وہدایت میں مصروف ہو گئے۔ مگر چاہیے منصور آپ کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے خیالوں سے علیٰحدہ ہوا ہو۔ نہیں کبھی نہیں۔ اب اُس نے آپ کی ایذا رسانی کی ایک نئی چال سوچی۔ حیلہ۔ مکر اور دغا کا بیشک وہ پُتلا تھا۔ سوچا کہ آپ کی ہلاکت کی تدبیر اب آپ کے گھر والوں میں سے کسی کے ذریعہ سے کرکے خود علیٰحدہ رہنا چاہیے۔ اگر یہ جوڑ چل گیا اور یہ ترکیب کارگر ہو گئی تو پھر ہم الزام سے بال بال بچ جائیں گے۔ جو کچھ ہوگا وہ کرنے والے کے سر جائیگا۔

اس خیال سے اُسنے اپنے چچازاد بھائی داؤد ابن علی کو مدینہ کی امارت سے معزول کیا اور اُنکی جگہ حسین ابن زید ابن حسنؑ کو مدینہ کا عامل مقرر کیا۔ ان کے باپ زید ابن حسنؑ کے حالات ہم اس سلسلہ کی پانچویں کتاب موسوم بہ مآثر الباقریہ میں پوری تفصیل کے ساتھ درج کر چکے ہیں۔

یہ وہ ذات شریف ہیں جو شام کے پاس شام میں جاجا کر حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام کی طرف سے خلاف خلاف باتیں بیان کرتے تھے۔ اور اُس کو ہمیشہ آپ کی مخالفت پر اُبھارا کرتے تھے۔ یہاں تک اُس کے کان بھرے کہ آخر اُسنے مدینہ سے شام میں آپ کو طلب کرلیا اور انواع واقسام کی تکلیفیں پہنچائیں اور آخر انھی کی سازش سے آپ کو قتل کرایا۔

یہ اُسی باپ کے بیٹے تھے۔ غرضکہ منصور نے اپنی ریشہ دوانیوں کے لیے اسی ننگ خاندان کو تجویز کیا اور امارت مدینہ کا سبز باغ دکھلاکر اس ترکیب سے جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کے قتل پر ان کو راضی کرلیا۔ اور یہ ہدایت کی کہ جس وقت آپ اپنے مخصوصین کے ساتھ سب کے وقت بیٹھے ہوں دفعتہً مکان میں آگ لگادی جائے اور اس طرح اُس شمع امامت کو گُل کر دیا جائے۔

حسین ابن زید نے منصور کے حکم کے مطابق ایک رات کو دفعتہً دولت سرا کے اُس حصّہ میں آگ لگادی جس میں آپ اپنے اصحاب مخصوصین کے ساتھ بیٹھے ارشاد و ہدایت کی تعلیم و تلقین میں مصروف تھے کہ یکایک سقف خانہ سے آگ کے سر بفلک شعلے بلند ہونے لگے۔ اور دود گرد آلود سے چاروں طرف مکان بھر گیا۔ اور گھر سے باہر تک سخت اضطراب و انتشار کی حالت پیدا ہوگئی۔

آپ کے غلام اور اصحاب باوفا آگ کے گُل کرنے میں مصروف ہوئے مگر اُس کی شدت میں کوئی کمی نہیں ہوئی تو آخر کار آپ بالنفس نفیس اپنے مقام سے اُٹھے اور حسین ابن زید کی اس خفیف الحرکاتی پر متحیر ہو کر عبا کے دامن کو شعلوں کی طرف حرکت دیتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے انا ابن اعراق الثریٰ انا ابن ابراھیم خلیل اللہ۔ میں حضرت اسمٰعیل و جناب ابراہیم علےٰ نبیّنا وآلہ و علیہما السلام کا فرزند ہوں۔

اُس فخر خاندان خلیل اللہ علیہ السلام کے ان کلمات کی معجز نما تاثیروں نے اُس نار منقلا کو دم کے دم میں بجھا دیا اور آپ کے تمام متعلقین اور اصحاب مخصوصین بال بال بچ گئے۔ اور گھر سے باہر تک کچھ نقصان نہ ہونے پایا۔ کتاب کافی میں بھی یہ واقعہ اسی تفصیل کے ساتھ تحریر ہے۔

کتابوں میں منصور کی ان جوڑ بندیوں کا سُراغ لگایا جائے اور دیکھا جائے اور واقعات تاریخی میں ان امور کا معائنہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ منصور کا عضو عضو حرفت اور فریب کی ایک جداگانہ مشین (آلہ) تھا۔ جس سے رنگ رنگ کی ترکیبیں اور طرح طرح کی تدبیریں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ اپنی تدبیروں کے اُلجھاوے میں کسی انسان کی مخلصی اور جانبری کی امید نہ پہنچا سکے؟ مگر اس کی پوشیدہ اور خفیہ کارروائیاں ایسی ہی راز سربستہ اور عقدۂ مالاینحل کی صورتوں میں ہوا کرتی تھیں کہ حقیقت میں تدبیر ربّانی کے سوا ترکیب انسانی سے اُس کو علم ہونا اگر محال نہیں تو قریب المحال تو ضرور تھا۔

منصور کی ایک نئی عیّارانہ حرفت

جہاں اُس نے بہت سے حیلے آپ کے قتل کے متعلق سوچے تھے وہاں ایک یہ بھی تھا کہ آپ کی ذات ستودہ صفات پر کسی نہ کسی طرح بغاوت۔ سرکشی۔ یا کم سے کم طمع حکومت کا الزام لگا کر آپ کو مستوجب عقوبت اور واجب القتل ٹھیرایا جائے۔

جس زمانہ میں سادات بنی حسنؑ کی شورشیں گرم تھیں اُسنے (منصورنے) بنی حسنؑ کے استیصال کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قتل کی بھی تدبیر کی۔ وہ یہ تھی کہ جعفر ابن محمد ابن اشعث کو جو فتنہ پردازیوں میں طاق اور شہرۂ آفاق ہو رہا تھا بُلایا اور کہا یا بن المہاجر (تالیف قلوب

کی غرض سے) مجھ سے یہ روپیوں کی تھیلیاں لے لو اور مدینۂ منورہ میں جاکر جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام۔ محمد نفس زکیہ اور عبداللہ محض بزرگان خاندان بنی فاطمہ علیہا السّلام سے ملاقات کرو۔ اور اُن سے کہو کہ مجھ کو شیعیان خراسان نے یہ مال دیکر کہا ہے کہ اسے آپکی خدمات میں پہنچا دوں کہ آپ اس کے ذریعہ سے بادشاہ عصر پر خروج کریں۔ ہم سب آپکی خدمت اور اطاعت کے لیئے حاضر ہیں۔ جعفر ابن محمد ابن اشعث کا بیان ہے کہ میں یہ مال لیکر بغداد سے مدینہ آیا۔ اور ان حضرات سے ملا۔ دو بزرگواروں نے (محمد اور عبداللہ) تو اپنے نام کے مال لے لیے اور مجھے رسید کے خطوط بھی لکھدیے۔ سوائے جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کے۔

میں جب آپ کی خدمت میں گیا تو آپ اُس وقت مسجد جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رونق افروز تھے۔ اور عبادت الٰہی میں مصروف تھے۔ میں ٹھہر گیا۔ یہانتک کہ آپنے نماز کو جلد تمام کیا۔ اور مصلے سے اُٹھ کر میرے پاس آئے اور نہایت نرمی اور آہستگی سے فرمانے لگے کہ اے محمد کے بیٹے! خدا سے ڈر اور ہمارے دُکھ دینے اور ستانے سے باز آ۔ اپنے بھیجنے والے سے کہدے کہ ہم اہلبیت رسالت علیہم السّلام نے تیرا کیا بگاڑا ہے کہ تو حق ناحق ہمارے ستانے پر آمادہ ہے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے کہ ہم ظالمین بنی امیہ کے پنجۂ ستم سے چھوٹے ہیں۔ اور حد سے زیادہ تنگدست ہو رہے ہیں۔ اور تجھ کو صلۂ رحم کے تقاضہ سے ہماری امداد و اعانت کرنی چاہیے نہ کہ جھوٹی تہمتیں لگاکر مورد عتاب و مستوجب انابت کرنا۔

محمد ابن اشعث کے بیٹے کا بیان ہے کہ یہ فرماکر جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے مجھے اپنے قریب بُلا کر آہستہ آہستہ وہ تمام تقریریں جو منصور نے مجھ سے کی تھیں دُہرادیں۔ گویا آپ اُس وقت ہمارے ساتھ تھے جس وقت منصور مجھ سے یہ باتیں کرتا تھا۔ حالانکہ ہمارے اور اُسکے سوا اُس وقت کوئی دوسرا نہیں تھا۔

القصہ منصور کے پاس واپس جاکر میں نے ساری روداد بیان کردی تو منصور نے کہا سچ ہے۔ ہم اہلبیت (علیہم السّلام) میں ایک شخص محدّث ہوتا ہے کہ علوم الٰہی اور اسرار لا متناہی مبدأ فیض سے اُس پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور اس زمانہ کے محدّث بیشک جناب امام جعفر صادق علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہیں۔ اے جعفر! خبردار۔ اسکا ذکر کسی دوسرے سے کہیں اور نہ کیجیو۔

کیا حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام حکومت و سلطنت کی خواہش رکھتے تھے

ہمنے اتنے متعدد واقعات منصور کی اُن ایذا رسانیوں کی تفصیل میں لکھدیے جو اُس نے مختلف اوقات اور متفرق ترکیبوں کے ساتھ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کے قتل و ہلاکت کی

کوششوں میں ساموش کیے تھے۔

اب اس مضمون میں ہم ثابت کیے دیتے ہیں کہ منصور کے یہ الزام امام علیہ السلام پرکسی طرح عائد ہی نہیں ہو سکتے۔ نہ آپ کو امارت وحکومت کی خواہش تھی اور نہ محمد نفس زکیہ یا کسی دوسرے مخالف سلطنت سے سازش۔ اور یہ منصور کو بھی اچھی طرح معلوم تھا۔ خلافت و امارت کے متعلق بھی اُسے ثابت ہو چکا تھا کہ آپ کو اسکی تمنا نہیں۔ اور مقام ابوا والے مشورہ کے دن آپ ہی نے صاف صاف لفظوں میں کہدیا تھا کہ امر حکومت وریاست سادات بنی ہاشم میں بنی حسن کا مقدر نہیں ہے۔ بلکہ بنی عباس کا حصّہ ہے۔

اگر منصور کے دیدۂ بینا اور گوش شنوا ہوتے تو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف یہی تقریر اُسکی تشفی کے لیے کافی تھی۔ کیا منصور کو آپ کی یہ تقریر اُس وقت یاد نہیں تھی نہیں ضرور یاد تھی اور چونکہ اُسکے مطلب کی تھی اس لیے امید ہے کہ تا دم الحیات یاد رہی ہوگی۔

اس تقریر کے علاوہ اور دوسرے موقعوں پر بھی آپ نے دیگر امیدواران سلطنت کے مقابلہ میں بھی ایسی ہی تقریر کی ہے جو منصور کے خلاف۔ حصول امارت کی کوششیں کر رہے تھے۔ اور اُن کو حتے المقدور آپ نے ان امور سے باز رکھنا چاہا۔ اس کے ثبوت کے لیے سب سے پہلے ہم عبد اللہ محض سے آپ کی دوسری تقریر درج کرتے ہیں جو آپ نے اُن سے ابوسلمہ اور ابومسلم کے خطوط آنے کے وقت کی تھی۔ چنانچہ صاحب روضۃ الصّفا اپنی جلد سوم میں یہ عبارت تحریر فرماتے ہیں۔

چوں نامۂ ابوسلمہ بعبد اللہ ابن حسن رسید۔ وا و غافل آنکہ مکتوبے بہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نیز مثل ایں نامہ نوشتہ است پیش او رفت و بر سبیل مفاخرت گفت کہ ابوسلمہ نیز دمنا مکتوبے نوشتہ است و نیز از ما استدعائے خلافت کردہ۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام فرمود بمن نیز مکتوبے نوشتہ بود۔ من اورا ناکشودہ در آتش سوختم۔ زنہار و زنہار بر قبول ایں مہم ہمد استان نگردی کہ خلافت بما نرسد۔

عبد اللہ محض اس وقت بنی ہاشم میں سب سے زیادہ کبیر السّن تھے اور قرابت میں جناب صادق آل محمد علیہ السّلام کے چچا تھے۔ مگر تاہم آپ نے منصب امامت کی رعایت اور اعلائے کلمۃ الحق کی ضرورت سے انکی پند و موعظت کے متعلق ایک لمحہ کے لیے بھی دریغ نہ فرمایا۔ ارشاد کیا کہ میں جب کسی مسلمان کی خیر خواہانہ ہدایت سے باز نہیں رہ سکتا تو پھر آپ کے مقابلہ میں تو بدرجۂ اولے خموشی نہیں اختیار کر سکتا۔

کیا اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا واقعہ آپ کی عدم رغبت بخلافت کو ثابت کر سکتا ہے

کیا ایسی صاف اور روشن تقریر سے قبول امارت کے متعلق آپ کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔ حق تو یہ ہے کہ جن کے دیدۂ حقیقت کشادہ ہیں وہ اسی تقریر سے آپکے استغنائے طبیعت اور سیر نفسی کے جوہر پورے طور سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اگر حقیقت میں آپ کی خاطر فیوض مآثر کا رجحان اس طرف ہوتا تو آپ بھی عبداللہ محض کی طرح ان امور کی طرف اپنا میلان اور خواہش ظاہر فرماتے۔ اور اسکے دستیاب ہونے کی حتی المقدور کوشش کرتے۔

اچھا اسکو بھی جانے دیجیے۔ ابوسلمہ اور ابومسلم کے خطوط آپ کے نام بھی آئے تھے۔ اور قبول خلافت کے لیے آپ سے بھی استدعا کی گئی تھی بلکہ باسناد روضۃ الصفا و تاریخ یافعی سب سے پہلے آپ ہی کی خدمت میں یہ استدعا پیش کرنے کے لیے قاصد کو سخت تاکید کی گئی تھی۔ مگر آپ نے اس کا کیا جواب دیا۔ وہ بالتفصیل پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اگر آپ کو یہ امر سراً و علانیتہً منظور ہوتا تو آپ ابتداہی سے انکار نہ فرماتے اور خط کو بے پڑھے چراغ کی لو سے نہ لگاتے۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ یہ طائف الملوکی کا خاص زمانہ تھا۔ اور امیدواران خلافت کے لیے قسمت آزمائی کا مغتنم وقت۔ اگر یہ امور جناب صادق آل محمد علیہ السلام کے بھی مرکوز خاطر ہوتے تو ضرور تھا کہ آپ بھی اُنکی طرف اپنی رغبت ظاہر فرماتے۔ اور دوسرے امید داران خلافت کی طرح آپ بھی اپنے اعوان و انصار کے ساتھ اس کے دستیاب ہونے کی کوشش کرتے اور اس میں بھی شک نہیں کہ سادات بنی حسن وغیرہم سے بدرجہ اولےٰ آپ اسکے لیے شایان و سزاوار تھے۔ مگر اس کے بالکل برعکس۔ آپ نے کبھی سوتے جاگتے بھی ان امور کی طرف خیال نہ فرمایا اپنی آمادگی اور مستعدی تو در کنار۔ دوسروں کو اس پر آمادہ اور تیار پاکر منع فرمایا اور باز رکھنا چاہا۔ تو پھر ایسے کریم النفس اور مستغنی المزاج بزرگوار کو اس امر پر حریص بتلانا یا کم سے کم اُسیر ان امور کے خواہشمند ہونے کا صرف شبہہ کرنا انصاف کا گلا کند چھری سے ریتنا ہے۔

خلافت کی تمناؤں کی تو یہ حالت تھی۔ اب محمد نفس زکیہ کے ساتھ سازش میں ہونیکی بھی کیفیت ملاحظہ ہو۔

اور تاریخی اسناد سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ محمد نفس زکیہ کے ہنگامہ میں آپنے سکونت مدینۂ منورہ بالکل ترک فرمادی تھی اور دیہہ افرُیع میں جو مدینہ سے ملا ہوا ایک گاؤں تھا اقامت اختیار فرمائی۔ اور پھر جب تک کہ محمد نفس زکیہ کے امور تمام نہولیے اور شہر میں پھر بار دیگر بطور سابق امن و امان قائم نہو لیا۔ آپ تشریف نہ لائے۔

یہ واقعات آپ کے حزم و احتیاط کے کامل ثبوت ہیں تو پھر ایسے حزم و احتیاط کرنیوالے اور

علیٰحدہ رہنے والے بزرگ کو کون عقل والا کسی کا طرفدار اور معین و مددگار کہہ سکتا ہے۔ کیا منصور کی آنکھیں نہیں تھیں کہ آپ کی اس انتہا درجہ کی حزم و احتیاط کو دیکھتا۔ اور نفس زکیہؒ کے معاملات میں آپ کی بے سروکاری اور علیٰحدگی کو برأۃ العین مشاہدہ کرتا۔ مگر اس پر بھی منصور کو اطمینان نہوا۔ تو اُس نے آپ کو مقام ربذہ میں بُلایا۔ اور آپ سے اپنے تمام شبہوں کے متعلق استفسار کیا۔ تو آپ نے صاف صاف لفظوں میں ترک وطن اور اپنی غیر سروکاری کی واضح اور روشن دلیلیں بیان کرکے اُس پر اپنی برأت ثابت کر دی۔ اور منصور نے بھی اُس وقت مطمئن ہوکر آپ کو رخصت کر دیا۔

محمد نفس زکیہؒ کے معاملات میں تو مقام ابوا والی مشورت کے وقت ہی سے آپ کو اختلاف تھا۔ جیسا کہ اوپر کئی بار بیان کیا گیا تو پھر ایسی حالتوں میں ایسے بزرگ پر جو ابتدا ہی سے ان امور کا برابر مخالف ہوتا چلا آتا ہو اور ظہور مخالفت کے زمانہ میں ان امور سے بالکل علیٰحدہ اور غیر سروکار رہا کیا ہو۔ ان امور کا شبہہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔

بہرحال۔ ان واقعات نے کامل طور پر ثابت کر دیا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی ذات مستغنی الصّفات کے متعلق یہ تمام الزام سراپا لغو اور مہمل ہیں۔ اور خود منصور کی طرف سے ایسے جھوٹے اور بے اصل الزاموں کا آپ کی نسبت مشہور کرانا۔ اُس کی محسن کُشی اور سخت کافر نعمتی کی دلیل ہے۔

حقیقت امر تو یوں ہے کہ ان معاملات میں جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی بے لوثی۔ علیٰحدگی اور غیر سروکاری اپنی آپ مثال اور اپنی آپ نظیر ثابت ہوتی ہے۔ اور دنیا کے کارنامہ میں ایسے مستغنی المزاج اور سیر نفس بزرگواروں کی صورتیں بہت کم دکھلائی دیتی ہیں۔ یہ الزام جو منصور نے لگانا چاہے تھے وہ بھی صرف ابلہ فریبی کی غرض سے تھے۔ منصور عزّ و سلطنت میں چور اور اپنی انانیت کے نشہ میں مخمور ہوکر اپنے معاصر حجۃ اللہ زمانہ کی دل آزاریوں کی مختلف فکریں عمل میں لایا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ جن حضرات کو علم تاریخ کا مذاق سلیم حاصل ہے وہ اولیاؑ و اتقیا، اللہ کے مبارک طبقہ میں اسکی ایسی سینکڑوں اور ہزاروں مثالیں بتلا سکتے ہیں۔ منصور کی ان ایذا رسانیوں میں جناب صادق آل محمد علیہ السّلام کی اہانت اور تنقیص مراتب بھی شامل تھی جس طرح سابق سلاطین جابرہ نے اپنے علم و فضل کی ہمسری کا دعوےٰ بھی اور دعووں کے ساتھ اپنے معاصر حجۃ اللہ کے مقابلہ میں کیا تھا اُسی طرح منصور نے بھی جس طرح اُن فرمانروایان سیتین نے اپنے معاصر حجۃ اللہ کے تلقین و تعلیم ہدایت و ارشاد کے امور میں پورے طور سے خلل ڈالے اُسی طرح منصور نے بھی بلاد اسلامیہ کے تمام اہل اسلام

تو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی تقلید واقتدا سے روکا اور منع کیا اور اسی ضرورت کی بنا پر ابوحنیفہ کوفی کو سہ کس نیا موختہ علم تیر از من کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد۔ اپنے تمام ممالک محروسہ کا مفتی اور قاضی بنایا اور عالم الدہر کا خطاب دیا۔ ان امور کے استحکام واشاعت کے لیے اُس نے علی الاعلان حکم دیدیا کہ جو شخص ابوحنیفہ سے کوئی مسئلہ پوچھے گا تو اُس پر **ایک اشرفی انعام** میں دی جائے گی۔ اور جو شخص جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے کوئی مسئلہ پوچھیگا اُسے **ایک اشرفی جرمانہ** دینی ہوگی۔ اس حکم عام کے نافذ ہوتے ہی ہزاروں فاقہ مستوں اور لاکھوں زرپرستوں کی چاندی کٹ گئی۔ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے بیٹھے بٹھائے تحصیل معاش کا بہت آسان ذریعہ حاصل ہوگیا نتیجہ یہ ہوا کہ دارالقضا پر وہ ہجوم ہونے لگے کہ منصور کے ایوان شاہی کی گرم درباری بھی ٹھنڈی پڑ گئی۔

مگر بایں ہمہ۔ جب ان امور کے نتیجوں پر غور کرو تو معلوم ہوجائیگا کہ منصور کی ان ایلہ فریبیوں نے اُس خام عقیدہ والی جماعت پر اپنا جو کچھ اثر نہ ڈالا ہو۔ اور اپنی دولت دنیا کے لالچ سطوت سلطانی کے دباؤ اور خوف کی وجہ سے اس عام حکمنامہ کی جہاں تک تعمیل نہ کی ہو۔ ہم کو اس سے بحث نہیں۔ مگر بخلاف ان کے منصور کی ان تجویزوں نے خالص الاعتقاد اور راسخ الایمان حضرات پر اپنا کوئی اثر پیدا نہیں کیا۔ جن کی آنکھیں ضیائے ایمانی سے روشن اور جن کے قلوب انجلائے روحانی سے منور تھے تمام عالم میں یہ زرپرستیاں اور ناحق پرستیاں پھیلی ہیں مگر اُنکے پائے استقلال صراط مستقیم سے نہ ہٹنے والے تھے نہ ہٹے۔ نہ ہٹے۔ اور اپنے عقائد پر کانہم بنیان مرصوص کی پوری مثال بنکر ہمیشہ قائم رہے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام منصور کی لگاتار اور بار بار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آگئے تھے اور سخت ضیق النفسی کے عالم میں بسر فرماتے تھے نہایت احتیاط سے وعظ و ہدایت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ آپ کی ان مجبوریوں کی تھوڑی بہت کیفیت اوپر لکھی جاچکی ہے۔ چنانچہ ان امور میں منصور کے ظلم سے تنگ آکر آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر حکام جور مجھ کو منع نہ کریں تو میں ملک کے کسی گوشہ میں چلا جاؤں کہ وہاں شیعہ میرے پاس جمع ہوں۔ میں اُن کو تعلیم کروں اور اُن کے قرب و نزدیکی سے اُنس گیر ہوں۔ اور وہ مجھ سے مانوس ہوں اور اگر منصور مجھ سے معترض نہ ہو تو میرا مدعائے دلی یہ ہے کہ ایک مکان وسیع بنا کر رہنا اختیار کروں اور اپنے شیعوں کے ساتھ اُس میں جا بیٹھوں اور شب و روز درس قرآن و حدیث میں مصروف ہوں۔ اور میں اس کی ضمانت کرنے کو موجود ہوں کہ کوئی امر منصور کے خلاف طبع مجھ سے صادر نہیں ہوگا۔

کیا منصور کو آپ کے ان خیالات کی اطلاع نہیں ہوئی ہوگی۔ نہیں۔ آپ کے یہ اقوال جاسوسوں کے ذریعہ اُس کے کانوں تک ضرور پہنچے ہونگے۔ مگر چاہیے ایسی صاف اور واضح تقریر پر بھی ظالم منصور کی تسکین ہوئی ہو۔ نہیں۔ وہ ان کلمات پر ذرا بھی یقین نہ کرسکا اور جو آپ کی اہانت مراتب اور تنقیص مناقب کے متعلق سوچ چکا تھا اُسی کے مطابق کام کرتا رہا۔

ارشاد و ہدایت سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام روکے گئے

منصور کے یہ مخالفانہ احکام روز بروز ترقی کے ساتھ اطراف عالم میں پھیلتے گئے۔ انعام و جرمانہ کے اعلان عام کے بعد بھی جب اُس کی بدبین نگاہوں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی ہدایت اور تعلیم و موعظت کو اُسی طرح مشتہر اور مستقر پایا تو اُسکی روک تھام میں اُسنے ایسی سختی اور شدت سے کام لینا شروع کیا کہ آخرکار لوگوں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آنا بہت کم کر دیا۔ بلکہ ترک ہی کر دیا۔ تعلیم و ارشاد اور استماع حدیث کی تمام صحبتیں موقوف ہوگئیں تسئیل مسائل اور تحصیل علوم کے جلسے بند کر دیے گئے۔ یہانتک کہ شرف حضوری اور زیارت کے تمام ذریعے جاتے رہے۔ بڑی احتیاط اور سخت مشکلوں کے ساتھ صرف معدودے چند خالص بزرگوار۔ وہ بھی کبھی کبھی شرف زیارت سے بہرہ اندوز ہوتے تھے ان امور کے باعث سے مومنین خالصین کی جانوں پر مصیبتیں پڑی تھیں۔ اور جن جن دقتوں کا اُن کو روز سامنا ہوتا تھا وہ میری کسی تفصیل و تصریح کی محتاج نہیں ہیں۔

ابوحنیفہ کو امام امت بنانے سے منصور کی اصلی غرض کیا تھی

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ابوحنیفہ کی امامت سے بھی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایذا اور قتل و ہلاکت منصور کی اصلی غرض تھی۔ منصور نے اس امر میں یہ سوچا تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ابوحنیفہ سے احکام مسائل میں منازعت پیش کرینگے اور اس طرح ہم کو آپکی اور آپکے متبعین کی سیاست کا پورا موقع ملجائے گا مگر یہاں اور کا اور ہوگیا۔ آپ کو ابوحنیفہ کے مخالفانہ احکام شریعت کی خبریں تو روزانہ ہوا کرتی تھیں۔ مگر آپ کبھی کانوں کان بھی اُنکی طرف خبر نہیں ہوتے حق تو یہ ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُس کی ان مخالفانہ کارروائیوں کے مقابلہ میں جس سکوت اور خاموشی سے کام لیا وہ آپ کے حسن احتیاط و مصلحت بینی۔ اور

نیک آئینی پر دال اور اپنی آپ مثال ہے۔ ابو حنیفہ کے اختلاف کے متعلق جب آپکو ایسے مخالف
احکام کے اخبار معلوم ہوتے تھے اور آپکے خالص الاعتقاد اصحابؓ اس پر چیں بہ جبیں ہوتے تھے
تو آپ کسی معارضہ یا مناظرہ کے تمام خیالوں سے درگزر فرما کے اُن کو ہمیشہ خموش رہنے اور سکوت
اختیار کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ ہم نمونہ کے طور پر صرف ایک مثال ذیل میں مندرج کرتے ہیں
اور اسی کو اپنے مدعا کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

امام علیہ السلام کی بے نظیر احتیاط

محمد ابن نوفل ناقل ہیں کہ ہم چند اشخاص ایک صحبت میں بیٹھے تھے کہ ابو حنیفہ نعمان ابن
ثابت کوفی آئے۔ بیٹھ گئے۔ اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب
علیہ السلام کا ذکر نکلا تو ابو حنیفہ نے کہا کہ حدیث غدیر کا اقرار نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے اپنے
اصحاب کو اس سے منع کر دیا ہے۔ ہشیم ابن حبیب صیرفی یہ سنکر برہم ہوئے اور کہنے لگے
کہ ہم کیوں نہ اقرار کریں۔ کیا تم کو یہ حدیث نہیں پہنچی ہے کہ حبیب ابن ثابت نے ابوالطفیل
اُنسے زید ابن ارقم صحابی سے روایت کی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے رحبہ کوفہ میں قسم دیکر صحابہ
سے اس حدیث کی تصدیق کرائی ہے۔

امام صاحب (ابو حنیفہ) نے اس کا یہ جواب دیا کہ حدیث کی صحت میں کوئی کلام نہیں
مگر یہ لوگ (شیعہ) اس میں زیادہ خوض کرتے ہیں اور لوگوں کو تنگ کرتے ہیں۔

ہیثم نے کہا تو پھر جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی تکذیب کرو یا
اسکی رد کر دو۔ ابو حنیفہ نے کہا نہ اسکی تکذیب کرو نہ رد۔ الّا اتنا خیال رکھو کہ اس کے
تذکرے والے غلو کرنے والے غلو کرتے ہیں۔

ہیثم نے جواب دیا سبحان اللہ! جناب رسالتماب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بر سر منبر
خطبہ پڑھا۔ اور اُس میں علے الاعلان اور علے رؤس الاشہاد اسکا ذکر فرمایا اور کسی غلو
کرنے والے کے غلو کا کوئی اندیشہ نہ فرمایا تو ہم غالیوں کے غلو کا کیوں اندیشہ کریں سلسلۂ کلام
یہانتک پہنچا تھا کہ کسی شخص نے ابو حنیفہ سے کوئی مسئلہ پوچھا اور یہ گفتگو بند ہو گئی۔

کچھ عرصہ کے بعد اس گفتگو کا ذکر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور میں ہوا
تو آپ نے اس کے سننے سے خاص طور پر کراہت کا اظہار کیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ ایسی باتوں سے
یہ لوگ ہمارے اور تمہارے دشمن ہو جاتے ہیں۔

اب تو ثابت ہو گیا کہ آپ ان معاملات میں کس قدر حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے

اور اپنی ذات ستودہ آیات کے ساتھ ہی اپنے تمام اصحاب کرام کو ظالمین وقت سے بچایا جا سکے تھے۔ اُن کی ان اشتعال انگیز تقریروں پر بھی جو واقعی اہل اعتقاد اور صاحبان خلوص و اتحاد کے سامنے ضرور ناقابل برداشت ہوتی ہیں۔ جن کی اصلی اغراض آپ کے اور آپ کے شیعوں کو غصہ دلا کر کسی نہ کسی طرح حدود سیاست تک پہنچا دینا ہے۔ آپکی طرف سے کوئی اعتنا نہیں فرمائی جاتی تھی۔ بلکہ اُن کا ذکر بھی مصلحت وقت کے بالکل خلاف سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ ان چالوں کی وجہ سے آیندہ جن جن مصیبتوں سے دوچار ہونے کی امید تھی وہ سب آپکے پیش نظر تھیں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی احتیاط اور مصلحت بینی کے علاوہ اس واقعہ سے یہ امر بھی اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب مٹانے میں مخالفین کی طرف سے کیسی کیسی بلیغ کوششیں عمل میں لائی جاتی تھیں۔ انکا کوئی زمانہ اور کوئی وقت ان امور کے استیصال اور استخفاف سے خالی نہیں جاتا تھا۔ حدیث غدیر ہی کو دیکھا جائے۔ جب کسی طرح اس کی تضعیف و تردید نہیں ہو سکی اور کوئی تدبیر مفید کار نہ ہو سکی تو آخر اسپر اڑ بیٹھے کہ اسکا ذکر نہ کیا جائے۔ غرض یہ تھی کہ یہ واقعہ کسی نہ کسی طرح دنیا کے دل سے بھلا دیا جائے مگر ان تدبیروں کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وظهر الحق ان کنتم کارھون۔ حق ظاہر ہی ہو گیا اور حق سے انکار کرنیوالے انکار کرتے ہی رہے۔

ہم نے جہاں تک ان واقعات پر نظر ڈالی ہے اور منصور کی ایذا رسانیوں کے مقابلہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خموشی اور سکوت کے حالات پر غور کیا ہے اور شروع سے لیکر اخیر تک ان امور میں اس امر کا سراغ لگایا ہے کہ منصور کے دل میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف سے جو اندیشے یا شبہے لگے ہوئے تھے آیا وہ صحیح تھے یا نہیں۔ وہ امام علیہ السلام کے کبھی مرکوز خاطر تھے یا نہیں۔ اور ان واقعات میں یا انکے علاوہ آپکے متعلق اور دیگر حالات میں آپ کی جانب سے کہیں ان امور کا اظہار پایا جاتا ہے یا نہیں۔ اور ان امور کے آثار اُن میں پائے جاتے ہیں یا نہیں

ہم نے کتب سیر و تواریخ سے لیکر احادیث کے معتبر اسانید تک ان امور کی تلاش کی ہے مگر تمام کتابوں میں سوائے اسکے کہ انکی جگہ منصور کی مکاری اور عیاری ثابت ہوتی گئی آپکے متعلق اُسکی ان بدگمانیوں میں سے کسی ایک کا شوشہ بھی معلوم نہ ہوا۔ بلکہ جہاں کہیں ایسے امور کا پتہ بھی لگا۔ وہاں منصور کی غلط فہمیوں کے خلاف جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی بے لوثی۔ بے غرضی۔ سلامت نفسی اور علیحدگی پورے طور سے ثابت ہوئی۔

امامت ابوحنیفہ کا جو طوفان اُٹھایا گیا وہ بھی منصور کی انہی ایذا رسانیوں کا ایک جھونکا تھا۔ اُس میں بھی جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے جس سنجیدگی اور خاموشی و احتیاط سے کام لیا وہ ابھی ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے۔

سادات بنی حسن کی فوج کشی کی بنا پر آپ کی طرف جو شبہہ کیا جاتا ہے اُسکی حقیقت تھوڑی بہت اوپر بھی لکھی جا چکی ہے۔ اور مزید اطمینان کے لیے بار دیگر پھر کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذیل میں قلمبند کیجاتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک سنجیدہ مدبّر کے نزدیک سادات بنی حسن کے معاملات کبھی بغاوت کی صورت نہ پکڑتے اگر منصور اُن سے صلۂ رحم کے محاسن سلوک قائم رکھتا۔ اور نرمی اور ملائمت سے پیش آتا۔ عبد اللہ اور محمد نفس زکیہ منصور کی بیعت کر لینا بھی اُسکے محاسن سلوک قائم رکھنے کے مقابلہ میں بھول جاتے۔ مگر منصور کو تو محمدؐ کی بیعت کا خیال بے چین کیے دیتا تھا۔ اسی وجہ سے اُس نے بنی امیہ کی تقلید اختیار کی۔ بدعہدی، محسن کُشی اور عام مردم آزاری کو اپنا شعار بنایا۔

واقعات صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ اگر منصور غریب سادات سے برفق و مُدارا پیش آتا اور صلۂ رحم کے مسالک قائم رکھتا تو محمد نفس زکیہ منصور کی بیعت کرنا بھی بھول جاتے۔ اور کبھی جھوٹوں اس کا نام بھی نہ لیتے۔ مگر منصور کو سادات کے مقابلہ میں جو مشکلیں پیش آئیں وہ مصداق آنکہ از ماست کہ بر ماست۔ خود منصور ہی اُن کا باعث تھا۔ نہ سادات۔ جیسا کہ اوپر بیان بھی ہو چکا ہے۔ اور شمس العلماء پروفیسر مولوی شبلی صاحب نعمانی کے اسناد سے اس کی کامل تصدیق بھی کر دی گئی ہے۔

سادات بنی حسن نے اپنی حقیت یا اپنی بیعت کے دعووں سے منصور کا مقابلہ بھی کیا۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے تو کبھی اشارتاً یا کنایتاً اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔ اور نام بھی نہیں لیا۔ پھر آپ کی طرف یہ شبہے اور اندیشے کیسے صحیح ہو سکتے ہیں۔ قرائن بتلا رہے ہیں کہ آپ بنی حسن کے مقابلہ میں ان امور کے لیے بدرجہا اولےٰ مناسب اور موزوں تھے۔ آپ کے حقوق بھی محفوظ تھے۔ اور ذرائع بھی وسیع اور مستحکم تھے۔ مگر آپ نے کبھی ان امور کی طرف کوئی اعتنا نہیں فرمائی۔ بلکہ ان باتوں کے خلاف جس طرح جناب زید شہید علیہ الرّحمہ کو حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے اور اُن کے بعد خود آپ نے بھی ان معاملات سے علٰحدہ رہنے کے لیے ہدایت فرمائی تھی اُسی طرح اس وقت جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے بھی عبد اللہ محض اور اُن کے بیٹے محمد و ابراہیم کو ان معاملات سے علٰحدہ رہنے کے لیے ایک بار نہیں کئی بار ہدایت فرمائی۔ جیسا اوپر لکھا گیا۔ اور عنقریب ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ اگر سادات بنی حسن

کے ساتھ آپ شریک ہوتے یا کم سے کم آپ اُن کے ہمخیال ہوتے تو آپ اُنکو ان معاملات سے علحدہ رہنے کے لیے اتنی بار بار کی تاکیدوں کے ساتھ کبھی ہدایت نہ فرماتے۔

عبداللہ محض سے امر خلافت پر گفتگو

کتاب کافی کی عبارت جس میں عبداللہ محض کی گفتگو درج ہے ان معاملات پر کافی روشنی ڈالتی ہے۔ اُسکا خلاصہ مطلب یہ ہے۔

عبداللہ محض اپنے بیٹے موسےٰ کے ساتھ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اگرچہ میں تم سے سن میں زیادہ ہوں اور میرا بیٹا محمد (نفس زکیہ) بھی تم سے سن میں بڑا ہے۔ لیکن خدائے سبحانہ و تعالےٰ نے تمہیں وہ فضیلت عطا کی ہے جو ہماری قوم و قبیلہ میں کسی شخص کو نہیں دی ہے۔ اور تم کو اپنا معتمد علیہ بنایا ہے کہ تمہاری فضیلتیں سب پر جاری ہو جائیں۔ ایسی حالت میں لا۔میں تم پر قربان۔ اگر تم میری اس وقت کی استدعا کو قبول کر لوگے تو پھر تمہارے اصحاب (شیعہ) میں کوئی شخص ہم سے خلاف نہ ہوگا۔ اور نہ قریش یا کسی دوسری قوم کے لوگ ہمارے مخالف ہونگے۔

اُن کی استدعا کی اصلی غرض کو سمجھ کر جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ اے چچا! اس امر خاص میں مجھ کو معاف فرما کر کسی دوسرے شخص کو اختیار کیجیے تاکہ وہ آپکا زیادہ مطیع ہو۔ اور مجھ سے آپکی غرض بھی نہیں نکلے گی۔ اور آپ کو خود بھی معلوم ہوگا کہ میں ان مکروہات کو سُن کر ارادہ کر چکا ہوں کہ اس پر آشوبی اور عام فسادی کے مخصوص زمانہ تک اپنی موجودہ گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کو بھی ترک کر دوں۔ اور اُس کی جگہ صحرا نوردی اور بادیہ نشینی اختیار کروں۔ یا حج بیت اللہ معظم کے قصد سے مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر کے گھر سے باہر نکل جاؤں۔ میں ان مصیبتوں کو ان مکروہات سے بچنے کی غرض سے برداشت کرنے والا ہوں۔ اے چچا۔ ایسی حالت میں آپ کسی اور کو تجویز فرمایئے اور اُس سے اپنے مطلب نکالیے۔ اور میرے پاس اپنے آنے اور گفتگو فرمانے کا ذکر بھی کسی سے نہ کیجیے۔

یہ سُنکر عبداللہ کہنے لگے کہ تمام لوگوں کے فرق اطاعت تمہاری طرف جُھکے ہوئے ہیں اور سب کی آنکھیں تم پر لگی ہوئی ہیں۔ اگر تم میری درخواست کو قبول کر لوگے تو پھر کسی شخص کو ہم سے اختلاف کرنے کی جرأت نہ ہو سکے گی۔ اور ہم اسی وقت سے آپ کے لیے یہ شرط کیے دیتے ہیں کہ آپکو ان معاملات میں دست بہ شمشیر یا کم سے کم میدان جنگ میں تشریف لیجانے کی بھی زحمت نہ دی جائیگی۔ اور کوئی ایسا امر نہیں کیا جائے گا جو آپ کی طبع ہمایوں کے خلاف ہو۔

سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچا تھا کہ چند لوگ آ گئے اور بات منقطع ہو گئی۔ اب ہمارے ناظرین اس واقعہ سے جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کے حزم و احتیاط کا پورے طور سے اندازہ کر لیں کہ آپ ان امور سے کس قدر بچنا چاہتے تھے۔ اور اپنے علاوہ اُن لوگوں کو بھی حتی المقدور اس سے علٰحدہ رہنے کی ہدایت فرماتے تھے جو اس کے متمنی اور خواہشمند تھے۔ آپ کے کمال احتیاط کی منتہائی مثال آپ کے اس کلمہ سے ثابت ہے کہ آپ نے عبد اللہ سے یہ بھی کہدیا کہ ہماری آپکی گفتگو کا ذکر بھی کسی سے نہ کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ امور کہاں تک آپ پسند کرینگے۔ ان اقسام کے ذکر و اذکار کو بھی گوارا نہ فرماتے تھے۔ عبد اللہ محض کی استدعا پر آپ کا فوری اور قطعی انکار صاف صاف بتلا رہا ہے کہ انکے مدعائے دلی آپ کی طبع ہمایوں کے سراسر خلاف تھے۔ آپکی سلامت نفسی اور سنجیدہ مزاجی کبھی اس شورش اور پُر آشوبی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ انہی وجہوں سے آپنے عبد اللہ ابن حسن سے یہاں تک اپنا ارادہ ظاہر کر دیا کہ اس عام خونریزی اور مفاسد کے زمانہ میں میرا قصد مصمم ہے کہ میں عزلت نشینی کو ترک کر کے صحرا کی طرف نکل جاؤں۔ اگر نہیں تو حج بیت اللہ کے قصد سے ترک وطن اختیار کروں۔ غرضکہ کسی طرح مدینہ میں رہکر ان شورشوں میں شریک ہونیکے الزام سے اپنے آپ کو بچا لوں۔

کیا ایسا صاف جواب دینے والا بزرگ اتنی صفائی اور برات دکھلانے کے بعد بھی منصور یا اُس کے ہمخیالوں کے نزدیک مشتبہ خیال کیا جائے گا۔ اور اتنے ثبوتوں کے بعد بھی۔ وہ ناہموار سازشوں میں شریک سمجھا جائیگا۔

بہرحال۔ اتنا اوپر لکھا گیا ہے کہ لوگوں کے چلے آنے کی وجہ سے سلسلۂ کلام منقطع ہو گیا تھا۔ اور عبد اللہ ابن حسن بھی یہ کہکر کہ پھر کسی دوسرے وقت حاضر ہونگے چلے گئے تھے۔

اندر جانے سے خادموں نے عبد اللہ کو روکا

دو دن کے بعد پھر عبد اللہ محض دولتسرا پر حاضر ہوئے۔ خادمان امام جعفر صادق علیہ السّلام نے خلاف معمول اُن کو روکا اور امام علیہ السّلام سے اجازت ملنے تک انکو ٹھہرایا۔ موسےٰ ابن عبد اللہ کا بیان ہے کہ اس سے قبل ہم کبھی در دولت پر روکے نہیں جاتے تھے۔ بلا ضرورت اذن شرفیاب خدمت ہوا کرتے تھے۔ آج یہ نیا واقعہ پیش آیا۔ بہرحال۔ خادم اذن لیکر آیا اور یہ حضرات اندر گئے۔

عبد اللہ ابن حسن نے پھر اپنا باقیماندہ سلسلۂ کلام یوں شروع کیا اور کہا کہ ہم بنہایت درجہ امید لگا کر آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ آپ کی عنایت و التفات پر اعتبار کر کے ہماری امید بیا

اس قدر وسیع ہوگئی ہیں کہ ہمکو توی یقین ہے کہ ابکی بار ہماری استدعا کو ضرور قبول فرمائینگے اور ہماری آرزوؤں کو ضرور پورا کریں گے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں آپکو ان امور کے متعلق خدا کی طرف پناہ لیجانے کے لیے ہدایت کرتا ہوں۔ جس کی فکر میں آپ نے دن کو رات اور رات کو دن کر رکھا ہے۔ کیونکہ ہم کو ان امور کی وجہ سے آپ کی طرف سے بہت خوف لگا ہے کہ شاید ان معاملات کے باعث آپ کو بہت سی مشکلات اور دشواریوں سے سامنا کرنا نہ ہو۔

آپ کے یہ کلام صداقت التیام سُنکر عبداللہ ابن حسن بہت افسردہ خاطر ہوئے اور اپنے صاحبزادے محمد نفس زکیہ کی شجاعت و دلیری کے ذاتی اوصاف دیر تک بیان کرتے رہے۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اُن کی طول و طویل تقریر کو سُنتے سُنتے عاجز آ گئے تو آپ نے اُن کے سامنے یہ مصرعہ پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ اپنی بکری کو بھیڑیے کے مُنہ میں جانے نہ دیجیے۔ آپ کے نفس کو طمع دنیاوی نے گھیر لیا ہے۔ اور آپ کا نفس گرگ دنیا کے پنجہ سے چھوٹنے والا نہیں ہے۔ خدائے سبحانہ و تعالےٰ کی قسم آپ کے صاحبزادے محمد کی عدود سلطنت مدینہ منورہ کی دیواروں سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اور وہ مدینہ سے زیادہ کے مالک نہیں ہو سکتے۔ اس اتنی حکومت کے حاصل کرنے میں پھر جو مشکلیں اور دقتیں پیش آنے والی ہیں وہ علحدہ ہیں۔ اور سمجھ لیجیے کہ قضائے الٰہی سے چارہ نہیں۔ پس ان شدائد و مصائب سے خوف کیجیے اور اپنے حال زار پر رحم فرمائیے اور اپنے بھائیوں اور بیٹوں پر عنایت کیجیے۔ عبداللہ ابن حسن اب اس تقریر کے بعد کیا کہتے۔ اپنے مکان کو واپس گئے۔

اب اس سے زیادہ آپکی احتیاط۔ صفائی اور ان تمام امور سے علحدگی اور کیا ہوگی کہ آپ نے عبداللہ محض کی آمد و رفت کو بھی اپنے لیے شُبہہ کا باعث سمجھا اور اُن کی صحبت اور باہم گفتگو کرنے سے بھی بچنا چاہا۔ اس سے آپکے حُسن اخلاق پر کوئی حرف نہیں آتا۔ بلکہ زمانہ کی پُر آشوبی اور مفسدہ پردازی کے اعتبار سے آپکی انتہا درجہ کی سلامت نفسی اور احتیاط ظاہر ہوتی ہے۔ جب اجازت پاکر عبداللہ ابن حسن پھر حاضر ہوئے اور فیما بین جو گفتگو واقع ہوئی وہ اوپر لکھی گئی۔ اُس کو پڑھ کر کون عقل کا اندھا آپ پر ان امور کی سازش یا مداخلت کا الزام لگا سکتا ہے۔ اور سوتے جاگتے کہہ سکتا ہے کہ آپ کو ان امور سے کسی قسم کا بھی تعلق تھا۔ اور آپ کسی وقت میں منصور کے خلاف کسی قسم کی کوشش کرنے کا قصد فرماتے تھے۔ یا دوسروں کو اُس کی خلاف ورزی پر آمادہ کرتے تھے۔ بلکہ اس کے برعکس۔ ان واقعات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے کوشش کرنا تو درکنار غیر لوگوں کو بھی جو اُس کی خلاف ورزی پر ہر طرح سے آمادہ اور استادہ تھے اس سے

باز رہنے کی تاکید پرتاکید اور ہدایت پر ہدایت فرماتے تھے۔ اور ملک میں امن و امان اور تمام تسلط و اطمینان قائم رہنا آپ کا اصلی مقصود تھا۔ ملک میں شورش اور ہنگاموں سے علیحدہ رہنا آپکا حقیقی شعار تھا۔ آپ حجۃ اللہ تھے اور اس منصب کی رو سے خلائق کی امن و امان آپ کے فرائض منصبی میں داخل تھی۔ حاکمان جور اور سلاطین جبار کی عقوبت اور مظالم سے اپنے متبعین اور مخصوصین کو بچانا اور اُن کی حفاظت ونگہبانی کی تدبیریں کرنا اور ان تمام آفات و مشکلات سے محفوظ و مصؤن رہنے کی کوششیں عمل میں لانا آپ کے لیے ضروری اور لازمی تھا۔ انہی وجہوں سے آپ نے منصور کے ان تمام مظالم کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور نہ اُس کے مخالفین سے کسی قسم کی سازش کی جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

سمجھنے کے لیے یہی کافی ہے کہ جب جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان امور میں سادات بنی حسن کا ساتھ نہ دیا اور اُن کے امور سے علیحدہ رہے تو اور لوگوں کا کیا ذکر ہے استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔

شیعیان کوفہ کی استدعائے خلافت پر آپ کا قطعی انکار

بنی حسن کو آمادۂ پیکار اور خلافت کا دعویدار پاکر آپ کے بعض ہوا خواہوں نے آپ کو بھی ان امور پر آمادہ کرنا چاہا۔ مگر چونکہ شروع سے یہ امر آپ کی طبع ہمایوں کے سخت مخالف تھا اس لیے آپ نے اُن کی استدعا کو فوراً استرد کر دیا۔ اور اُن کی تجویزوں کے ساتھ اتفاق کرنے سے قطعی انکار فرمایا چنانچہ ذیل کے واقعہ سے ہمارے اس دعوے پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

بحار الانوار میں مرقوم ہے کہ شیعیان کوفہ میں سے چند شخصوں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں لکھا کہ کوفہ کا اس وقت وہ حال ہو رہا ہے جو زن مطلقہ کا ہوتا ہے۔ جو چاہے اُس کے ساتھ نکاح کر لے۔ اس پر اس وقت قبضہ و قابو پانا دشوار نہیں ہے۔ شہر ہر ایک قسم کی مزاحمت اور رکاوٹ سے بالکل خالی ہے۔ آپ اجازت دیں تو ہم اُس پر قبضہ کر لیں۔

غالباً یہ اُس زمانہ کا مراسلہ ہے جب ابراہیم ابن عبداللہ محض نے بصرہ میں خروج کیا تھا اور منصور کی فوجیں محمد ابن عبداللہ کے ساتھ مصروف جنگ تھیں اور منصور تنہا بیرون کوفہ پڑا ہوا تھا۔ اور شہر خالی تھا۔

بہرکیف۔ آپ نے شیعیان کوفہ کی درخواست کو منظور نہ فرمایا اور جواب میں صاف صاف

لکھ بھیجا کہ اگر تم لوگوں کو میری اطاعت میں رہنا ہے تو اس خیال سے باز آؤ۔

شیعیان خراسان کی استدعا پر فوری انکار

مامون رقی سے منقول ہے کہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں گیا۔ اتنے میں سہل ابن حسن جو خراسانیوں میں بہت بڑے مشہور و معروف رتبہ والا تھا آیا اور عرض کی یابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ معدن رحمت و رافت ہیں۔ اہلبیت امامت و رسالت ہیں۔ پھر کیوں خاموش بیٹھے ہیں۔ اور کیوں اپنا حق طلب نہیں کرتے خراسان میں ایک لاکھ شیعہ آپ کے ہمراہ لڑنے اور جان دینے کو تیار ہے۔ فرمایا اے مرد خراسانی! ذرا صبر کر۔ اتنے میں محلسرا سے ایک خادمہ حاضر ہوئی۔ آپ نے اُس سے پوچھا تنور روشن ہے؟ اُسنے عرض کی ہاں۔ آپ سہل ابن حسن کو لیکر تنور کے پاس گئے اور کہا کہ اس میں داخل ہو جاؤ مرد خراسانی صورت حال دیکھکر کانپنے لگا۔ اور عرض کرنے لگا کہ مجھے اس سے معاف فرمایئے اور آگ میں نہ جلایئے۔ فرمایا میں نے تمہیں معاف کیا۔ یہ کہکر نظر مبارک جو اُٹھائی تو دیکھا کہ ہارون مکی کھڑے ہیں۔ آپ نے اُنہیں اشارہ کیا کہ اس میں کود پڑ۔ وہ کامل الایمان اور راسخ الاعتقاد اشارہ پاتے ہی تنور میں کود جاتا رہا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام وہیں بیٹھ گئے اور سہل ابن حسن سے باطمینان تمام باتیں کرنے لگے۔ آپ کے چہرہ سے انتشار و اضطرار کے مطلق آثار ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد سہل سے فرمایا کہ ہارون مکی کو تنور میں دیکھو گے؟ سہل نے کہا ہاں۔ اور یہ کہکر پھر وہ تنور کے پاس گئے تو دیکھا کہ ہارون محفوظ۔ صحیح و سالم۔ باطمینان تمام تنور میں بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد ہارون تنور سے صحیح و سالم باہر نکل آئے۔

آپ نے سہل سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کیوں سہل۔ خراسان میں ایسے شیعہ کتنے ہونگے؟ عرض کی حقیقت میں ایسے تو ایک بھی نہیں۔ آپنے فرمایا کیا ایک بھی نہیں؟ اُسنے عرض کی جی ہاں۔ ایک بھی نہیں۔ یہ سُنکر ارشاد فرمایا تو پھر تم ہی کہو کہ ہم ایسے لوگوں کا کیا اعتبار کریں۔ اے سہل ہم ہر امر کے وقت مقررہ اور موقع کو بخوبی جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں۔

ہم انہیں دو واقعات کو اپنے مدعا کے ثبوت کے لیے کافی سمجھتے ہیں شیعیان کوفہ کی درخواست کا حال پہلے معلوم ہو چکا۔ خراسان کے ایک لاکھ شیعہ کی کیفیت ابھی ابھی معلوم ہوئی۔ اس سے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اگر جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کو حقیقتاً ان امور کی خواہش ہوتی تو آپ ایسے موقع کو ہاتھ سے نہ دیتے جو دنیا پرستوں اور زر پرستوں کے لیے نعمات

غیر مترقبہ تھے ہرگز کم نہیں تھا۔ مگر یہاں تو ابتدا ہی سے اس خیال کی طرف سے علیحدگی اور بے پروائی تھی۔ اور شروع ہی سے ان طریقوں کی جانب سے قطعی انکار کیا جاتا تھا۔ تو پھر اسکے متعلق کسی کی درخواست یا کسی کی استدعا منظور فرمائی جاتی۔ تو کیسے۔ جن حضرات کو علم تاریخ سے مذاق سلیم حاصل ہے وہ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی اس خموشی اور سنجیدگی کی عدیم المثال رفتار کو آپ کے جد بزرگوار حضرت امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ السّلام کی اُس بے نظیر احتیاط اور سلامت روی کے مقابل اور مساوی پائیں گے جو آپ نے انعقاد سقیفہ کی پُر آشوبی اور عام فسادی کے زمانہ میں اختیار فرمائی تھی

بہرحال جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ان امور میں سکوت اور خاموشی کو خاصکر اس غرض سے اختیار فرمایا تھا کہ آپکے فرائض منصبی کی ادا کاریوں میں جو احکام الٰہی اور سنن حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پورا تعلق رکھتے تھے کوئی خلل واقع نہ ہو۔ یہ صرف دینیات کی تعلیم وتلقین ہی تھی جس کی ضرورتوں کے لیے اپنی عزلت گزینی اور خانہ نشینی کے محدود اوقات کو بھی اس حزم واحتیاط کا پابند بنا رکھا تھا۔ تعلیم وترویج شرعی ہی اور وہ حضرت بس غنیمت سمجھتے تھے۔ اور ظلمہ وقت بادشاہان جور پر خروج بالسیف کا ارادہ مطلقاً دل میں نہیں رکھتے تھے۔ مگر منصور کی احسان فراموشی جناب صادق آل محمد علیہ السّلام کے ان محاسن اخلاق۔ سلامت روی۔ احتیاط اور خاموشی کی کوئی قدر نہ کرسکی۔ اُسکی خصومت وعداوت کی مضطربانہ پُرجوشیاں اور سادات کشی کی مجنونانہ حرکات جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی اس بے لوثی اور غیر سرکاری کو آنکھوں سے دیکھکر بھی مطمئن نہ ہوسکیں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی وفات

منصور نے جب کسی طرح ان ترکیبوں سے بھی اپنی دلی تمناؤں کو پوری ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جو وہ آپ کی ہلاکت اور جان لینے کے متعلق پہلے سوچ لیا تھا تو اُسنے اپنی ان مخالفانہ آرزوؤں کے پیدا کرنے کے لیے آخرکار وہی خفیہ سازشیں اختیار کیں جو ہمیشہ سے ان اولیا اللہ سلام اللہ علیہم کی مقدس جان لینے اور خون ناحق کرنے کے لیے بانیان جور اور ظالمان زمانہ اختیار کرتے آئے ہیں۔

اپنی حکومت کے دسویں برس ۱۴۸ھ میں منصور نے محمد ابن سلیمان والی مدینہ کے پاس انگور زہر آلود بھیجے اور تاکید کے ساتھ لکھ بھیجا کہ جس طرح ممکن ہو یہ انگور کے دانے جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کو کھلا دیے جائیں۔

حسب الحکم والی مدینہ محمد ابن سلیمان نے وہ انگور کے دانے اپنے ایک معتمد شخص کے ہمراہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دیے۔ آپ نے اُن میں سے چند دانے نوش فرمائے۔ اُن دانوں کے کھاتے ہی زہر کی قاتل سمیّت آپ کے تمام جسم مبارک میں سرایت کر گئی۔ وہ رات بسر کر کے پندرھویں رجب اور بروایت کافی شوال ۱۴۸ھ کو عنقائے روح مبارک اعلےٰ علیّین قدس کی طرف پرواز کر گیا۔ انا للہ وانّا الیہ راجعون وکل شیٔ ھالک الا وجہہ۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی وصیتیں

منقول ہے کہ جب آپ کا وقت وفات قریب آیا تو آپ نے اپنے جمیع اعزہ و اقربا کو اپنے پاس جمع کر کے اُن کو ہر قسم کے پند و نصائح فرمائے اور منجملہ اُن کے نماز کے لیے بہت سخت تاکید کی۔ حتےٰ کہ فرمایا کہ جو شخص نماز کو ہلکا اور خفیف جانیگا اُس کو ہماری شفاعت نصیب نہیں ہوگی اور نیز صلۂ رحم و دیگر خصائل حسنہ کی تاکید شدید فرمائی اور ہر ایک کو اُن میں سے علےٰ قدر مراتب اپنے انعام و اکرام سے بہرہ ور فرمایا اور رہگرائے عالم بقا ہوئے۔

جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے پدر عالیمقدار کو پانچ پارچوں میں کفن دیا جس میں دو چادر مصری تھیں۔ اور یہ وہی چادریں تھیں جن میں حضرت نے احرام باندھے تھے۔ ممکن ہے کہ یہی وہی چادریں ہوں جو سبز انگور کے ساتھ کوہ ابو قبیس پر حضرت کے لیے بہشت سے آئی تھیں۔ جس کا ذکر پوری تفصیل کے ساتھ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں کیا ہے۔

ایک عمامہ باندھا جو جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی میراث میں آپ تک پہنچا اور کچھ تعجب نہیں کہ وہی ہو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلسلہ بسلسلہ پہنچا ہوا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تک پہنچا تھا جسکا تفصیلی ذکر محدث مرحوم شیرازی نے کتاب لسان الواعظین میں فرمایا ہے۔

الغرض۔ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے تجہیز و تکفین کے بعد اپنے پدر بزرگوار کی لاش مطہر کو جنت البقیع میں مدفون فرمایا۔ اس مقام مقدس پر اس وقت تک ایک ضریح کلاں گنبد موجود ہے۔ اس کے اندر سوائے حضرت عباس ابن عبد المطلب عم محترم جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار امام معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین مدفون ہیں۔ وہ بزرگوار ہیں۔ جناب امام حسن مجتبےٰ علیہ السلام۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام۔ حضرت امام

محمد باقر علیہ السّلام اور جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام۔

اس مقام مطہر پر ایک پارہ سنگ رخام پر ذیل کی عبارت کندہ آج تک موجود ہے:

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم الحمد للّٰہ مبید الامم ومحی الرّمم ھٰذا قبر فاطمۃ بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم سیّدۃ نساء العٰلمین وقبر الحسن ابن علی وعلی بن الحسین ومحمّد ابن علی وجعفر ابن محمّد رضی اللّٰہ عنھم۔

یہ اسی بقعۂ مبارکہ اور عتبۂ مقدسہ کا مخصوص شرف ہے کہ چار معصومین علیہم السّلام یہاں مدفون ہیں۔ دنیا میں سوائے اس کے اور کسی مقام کو یہ شرف اس وقت تک حاصل نہیں ہوا۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا حق تعالےٰ اُس کے گزشتہ اور آیندہ گناہ بخشدے گا اور وہ کبھی محتاج وفقیر نہ ہوگا۔

امام علیہ السّلام کی ازواج مطہرات

آپ کی زوجۂ محترمہ فاطمہ بنت حسین اصغر ابن جناب امام زین العابدین علیہ السّلام تھیں۔ سوائے ان معظّمہ کے مشکوئے امامت میں کوئی دوسری اور خاتون ثابت نہیں ہوتی۔ بعض علماء نے انکو حسین اثرم ابن حسن ابن علی علیہما السّلام کی صاحبزادی بتلایا ہے۔ بہرحال یہ خاتون حسین اثرم کی دختر ہوں یا حسین اصغر کی حسنی سادات ہوں یا حسینی۔ اس میں شبہہ نہیں کہ وہ بہت غیور اور تند مزاج تھیں۔

بعض مؤرخین نے انکے علاوہ آپکی ازواج میں ایک بی بی کا اور نام لکھا ہے مگر اُن کا ٹھیک حال معلوم نہیں ہوتا کہ وہ محترمہ کون تھیں اور کس قوم وقبیلہ سے تھیں۔ اگر بالفرض وہ تھیں بھی تو بے اولاد ضرور رہیں۔ کیونکہ علّامہ ابن شہر آشوب نور اللّٰہ مرقدہ اور دیگر علمائے کرام رضوان اللّٰہ علیہم نے سوائے فاطمہ کے باقی آپ کی اولاد کو حرم سے بتلایا ہے۔ اور حرم میں بھی سوائے علیا مکرّمہ حمیدہ خاتون کہ معروف بہ حمیدہ مصفّا والدۂ ماجدہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام حال نہیں کھُلتا کہ کس قدر تھیں۔ اور اُن کے کیا کیا نام تھے۔

امام علیہ السّلام کی اولاد

جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کے سات صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تھیں۔ اوّل اسمٰعیل المدعو بامین۔ دوم عبد اللّٰہ الملقب بہ ماہون۔ سوم امّ فروہ۔ یہ تینوں بھائی بہن ایک ماں فاطمہ بنت حسین اصغر کے بطن سے تھے۔ چہارم حضرت امام موسیٰ کاظم

علیہ السلام ۔ پنجم اسحٰق ۔ ششم محمد ۔ ایک ماں جناب حمیدہ خاتون کے بطن سے تھے ۔ ہفتم عباس ۔ ہشتم علی ۔ نہم اسماء ۔ دہم فاطمہ صغرا ۔ یہ مختلف ماؤں سے تھے ۔ رحمہم اللہ علیہم اجمعین ۔

محاسن اخلاق و مکارم عادات

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی مبارک حیات کے تمام و کمال حالات کو روز ولادت سے لیکر یوم وفات تک ہم اپنے سلسلۂ بیان میں تحریر کر آئے ۔ اب ہم اپنے آیندہ سلسلۂ بیان میں آپ کے محاسن اخلاق اور مکارم عادات اور آپ کے وہ ارشاد و اقوال اُسی تفصیل کے ساتھ مندرج کرتے ہیں ۔ جن سے آپکے محاسن اخلاق ۔ آپ کی تہذیب اور شائستگی کی پوری حقیقت معلوم ہو جائے گی ۔

عام اہل اسلام کو سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ وہی مقدس سلسلہ ہے جس پر تمام اہل اسلام نے اور اسلام پر کیا منحصر ہے تمام اہل عرب نے ۔ تہذیب ۔ شائستگی اور اخلاق و آداب سیکھے ۔ یہ وہی بزرگوار ہیں جن کے اعلٰی محاسن اخلاق کے ثبوت میں انک لعلی خلق عظیم کی نص صریح موجود ہے ۔ یہ وہی مبارک طبقہ ہے اور مقدس سلسلہ جسکے فیض تعلیم نے عرب کی وحشی اور جاہل قوموں کو اخلاق کی تعلیم دی ۔ معاشرت کے طریقے بتلائے ۔ شائستگی کے آئین سکھلائے ۔ غرض ان بادیہ نشینان وحشت کو حضیض ذلت سے کمال کے اوج عزت تک پہنچا دیا اور اُن کو دنیا کی نگاہوں میں آدمی بنا دیا ۔

جب ان ذوات مقدسہ اور نفوس مطہرہ کے محاسن اخلاق ایسے وسیع ہوں کہ اُن کے فیض و برکت سے تمام قومیں مستفیض ہوکر تہذیب و شائستگی کے عرش الکمال تک پہنچ گئی ہوں تو پھر اُن کے خاص اخلاق و شائستگی کا کیا کہنا ۔ ان کے محامد ذاتی کالشمس فی النصف النہار ظاہر و آشکارا ہیں ۔ جن کے لیے کسی تصریح و تشریح کی مطلق ضرورت باقی نہیں ہے ۔ مگر تاہم اپنے سلسلۂ بیان قائم رکھنے کی غرض سے ہم ذیل میں چند واقعات بطور مشتے از خروارے و یکے از ہزار درج کرتے ہیں ۔

مہماں نوازی

یہ تو ظاہر ہے کہ اکرام ضیف اور اطعام مہمان اس خاندان اعلٰی اور دودمان والا کے خاص معیار ہیں جو حضرت ہاشم کے وقت سے ان کی مبارک ارث میں چلا آتا ہے ۔ مہماں نوازی اور طعام داری سے آپ کو خاص شوق تھا ۔ اور ان امور میں بانفس نفیس اہتمام فرماتے تھے

کبھی آپ کا خوان کرم مسافرین - واردین اور صادرین سے خالی نہیں رہتا تھا۔ اور اپنے جد بزرگوار جناب ابراہیم علی نبینا و آلہ وعلیہ السلام کی طرح بغیر مہمان کے خاصہ نوش نہ فرماتے تھے۔ آپ کا وسیع دسترخوان طرح طرح کے الوان نعمت سے برابر آراستہ و پیراستہ رہتا تھا
ع برایں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست۔ مختلف قوم و قبیلہ کے لوگ آپ کے فیض عام سے فیضیاب ہوتے تھے۔

آپ کی مہمان نوازیوں میں خاطر و مدارات کے ایسے وسیع انتظام اور اہتمام کیے جاتے تھے کہ تمام مہمان حیرت سے نقش بدیوار بنجاتے تھے۔ برابر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ کہ ایک لقمہ جو کوئی برادر مومن میرے ساتھ کھائے وہ میرے نزدیک ایک غلام کے آزاد کرنے سے افضل ہے۔

سلیمان ابن خالد بیان کرتے ہیں کہ منصور کے عمال شاہی میں سے کوئی شخص آپ کا مہمان ہوا۔ کھانے کا وقت آیا۔ مختلف قسم کی ترکیبوں سے گوشت پکائے گئے تھے۔ اور طرح طرح کی روٹیاں لائی گئی تھیں۔ حاضرین بسم اللہ کہکر کھانے لگے۔ جب لوگ خوب سیر ہو گئے تو ہر شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ اتنے میں آپ کے خادم چاول لیکر حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا کہ انہیں بھی کھاؤ۔ لوگوں نے عرض کی کہ ہم تو خوب سیر ہو چکے۔ اب کیا کھائیں۔ فرمایا کہ یہ تو کچھ بات نہیں۔ جو ہمارا دوست ہے وہ ہمارے کھانا کھانے کا بھی زیادہ مستحق ہے۔ آپ کے اصرار کے مطابق سب لوگ پھر کھانا کھانے لگے تو آپ نے اُن کے مزید اطمینان کے لیے فرمایا کہ ایک بار جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں خاصہ کے وقت چاول حاضر کیے گئے جو تحفہ کے طور پر بعض انصار کے ہاں سے آئے تھے۔ اُس وقت حضرات سلمان فارسی - مقداد اور ابو ذر رضی اللہ تعالے عنہم حاضر تھے۔ ارشاد ہوا کھاؤ تو انہوں نے عذر کیا۔ ارشاد فرمایا ما صنعتم شیئًا اشدکم حبالنا احسنکم اکلا عندنا۔ خوب کھاؤ۔ ہمارا بڑا دوست وہی ہے جو ہمارے پاس اچھی طرح کھائے۔ یہ سنکر حضرات صحابۂ کبار نے خوب نوش فرمایا۔

اسی طرح ابو حمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ اتنے میں نہایت خوش مزہ اور لطیف کھانے آپ کی خدمت میں لائے گئے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ایسے صاف و شفاف کھانے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس کے بعد عمدہ اور اعلےٰ اعلےٰ قسم کے خرمے لائے گئے جو صفائی میں آئینہ سے بات کرتے تھے۔ ہم سب مل کر کھانے لگے۔ ہم میں سے ایک صاحب بول اُٹھے ولتسئلن یومئذ عن النعیم یعنی یہ نعمات گوناگوں جو تم اس وقت کھا رہے ہو ان کا روز قیامت تم سے

حساب لیا جائے گا۔

یہ سُنکر جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہ و تعالےٰ اس سے کہیں بزرگتر اور غنی تر ہے کہ طعام خوشگوار سے جو تمہارے حلق سے اس وقت اُتر رہا ہے تم سے حساب لے۔ خدا کی قسم اس آیۂ وافی ہدایہ میں نعمت سے مراد ہم اہلبیت علیہم السّلام کی محبت مراد ہے۔ یعنی روز قیامت سوال ہوگا کہ تم نے اس نعمت الٰہی کی کہاں تک قدر کی۔ اور ان کے ساتھ کیسے کیسے سلوک کیے۔ دیکھو اسی نعمت کو دوسرے مقام پر خدائے سبحانہ وتعالےٰ یوں یاد دلاتا ہے۔ اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اس نعمت سے وہی نعمت یعنی نصب امام علیہ السّلام ہے

محمد ابن زید شخام ناقل ہیں کہ میں مسجد جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں نماز پڑھتا تھا کہ مجھ پر جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی نظر پڑ گئی۔ مجھ کو اپنے پاس بُلایا۔ اور جب آپکو یہ معلوم ہوا کہ میں شیعیان کوفہ سے ہوں تو مجھ کو اپنے ہمراہ دولتسرا پر لے گئے اور شب کو مجھے اپنا مہمان رکھ کر ممتاز و سرفراز فرمایا۔ صبح ہوئی تو مجھ سے استفسار کیا کہ زاد راہ کی قسم سے تیرے پاس کیا ہے؟ میرے پاس جو کچھ تھا وہ میں نے بیان کیا۔ یہ سُنکر آپ نے اپنے پاس سے دو اشرفیاں اور بیس درہم اُس جمع میں اضافہ فرما دیے۔ میں رخصت ہوا۔ دوسری رات کو حاضر خدمت نہ ہو سکا۔ خاص اپنا خادم بھیجکر مجھے بُلوایا۔ میں حاضر ہوا تو ارشاد کیا گیا کہ بار بار کہنے اور دعوت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک تم مدینہ میں رہا کرو میرے مہمان ہو۔ اتنا فرما کر پھر بکمال اشفاق مجھ سے بیان فرمایا کہ تمہیں جس چیز کی ضرورت یا جس شے کا شوق ہو مجھ سے بلا تامل کہدو۔ میں نے عرض کی مجھے دودھ سے بہت شوق ہے۔ فوراً ایک دودھ دیتی ہوئی بکری منگا کر عنایت فرمائی اور ایک دعا تعلیم فرمائی اور حکم کیا کہ ماہ رجب میں ہر نماز کے بعد پڑھا کرو۔ اسکا پڑھنا سُنت ہے۔

محمد ابن راشد سے مروی ہے کہ مجھے گرمی کے دنوں میں آپکے ساتھ کھانا کھانے کا فخر حاصل ہوا۔ ایک خوان پُر از نان اور ایک کاسۂ بزرگ گرما گرم گوشت سے لبلب جس سے بھاپ اُٹھ رہی تھی حاضر کیا گیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک اُس پر رکھا اور فرمایا نستجیر باللہ من النّار و نعوذ باللہ من النّار۔ ہم کو اس گرمی کی تاب نہیں تو آتش جہنم کی کیونکر تاب لائیں گے۔ ان کلمات کو مکرر فرمایا تا اینکہ طعام سرد کھانے کے قابل ہو گیا۔ ہم سب نے ملکر کھایا۔ پھر وہ اُٹھ گیا تو اعلےٰ قسم کے خُرمے مُنہ میٹھا کرنے کے لیے لائے گئے۔ میں نے عرض کی کہ یہ فصل تو انگوروں کی ہے اور دوسرے میووں کی بھی۔ فرمایا ہذا طیّب۔ یہی

خوب ہے۔

آپ کے خصائص کے متعلق تمام احادیث کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اعلےٰ قسم کے کھانے مثل گوشت اور دیگر نعمات کے مہمانوں کو کھلاتے تھے۔ اور خود نان و سرکہ پر قناعت فرماتے تھے۔ اور ارشاد کرتے تھے کہ پیغمبروں کا طعام یہی ہے۔ اور ہم بھی یہی کھاتے ہیں چنانچہ عبدہ واسطی عجلان سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ بانتظار مہمان رات کو دیر سے کھانا کھاتے تھے۔ اُس دن رات کو بھی وقت مقررہ پر دسترخوان بچھایا گیا اور سرکہ۔ روغن زیت اور گوشت حاضر کیا گیا۔ گوشت توڑ توڑ کر تو میرے آگے رکھ دیتے تھے اور سرکہ اور روغن زیت کے ہمراہ خود روٹیاں تناول فرماتے تھے۔ اور ارشاد کرتے تھے کہ یہی انبیاء علیہم السلام کا طعام ہے۔

عبد اللہ ابن بکیر ناقل ہیں کہ آپ اپنے مہمانوں کے ساتھ صبح کو کھانا کھا رہے تھے اور اُس میں ہمیشہ نان و حلوا۔ مکھن اور فیرینی وغیرہ وغیرہ انواع و اقسام کے کھانے ہوا کرتے تھے۔ کسی نے آپ سے کہا خرچ کرنے میں تدبیر معاش اور دور اندیشی لازمی اور ضروری ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہماری تدبیر معاش خدا کے حوالے ہے۔ جب خدائے تعالےٰ ہمارے رزق میں وسعت دیتا ہے تو ہم بھی وسعت دیتے ہیں۔ جب اُدھر سے تنگی ہوتی ہے تو یہاں بھی تنگی ہوتی ہے۔

ابو الہیّاج بسطامی کا قول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام لوگوں پر اس قدر انفاق فرماتے تھے کہ اپنے اہل و عیال کے خرچ کے لیے بھی کچھ نہیں رہنے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ طعام چاشت تناول فرماتے تھے کہ ایک شخص آپ کے قریب آگیا مگر اُس نے آپ کو سلام نہ کیا۔ آپ نے اُسے دیکھکر کھانے کی دعوت کی۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کی کہ یہ شخص جب سلام کرلیتا تو کھانے کی دعوت کی گئی ہوتی۔ اسنے عمدًا ترک سلام کیا تو دعوت طعام کی کیا ضرورت تھی۔ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ عراق کی فقہ ہے اور اس سے بخل و کنجوسی کی بو آتی ہے۔

کسی کام کی ضرورت پیش آئی۔ خدام سامنے حاضر نہیں تھے۔ ایک مہمان نے اُٹھ کر چاہا کہ وہ کام انجام دیدیں۔ یہ دیکھکر امام جعفر صادق علیہ السلام نے انہیں روک دیا اور اُٹھ کر خود وہ کام انجام دیا اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے جدّ بزرگوار جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت ممانعت فرمائی ہے کہ میزبان کو لازم ہے کہ اپنے مہمان سے کسی قسم کی خدمت نہ لے۔

پھلوں کی دعوت عامہ کا اہتمام

آپ کی ملکیت میں خرموں کا ایک باغ تھا جسے عین الزیاد کہتے تھے۔ اُس میں نہایت خوش مزہ اور خوش ذائقہ خرمے ہر سال کثرت سے پیدا ہوا کرتے تھے۔ اُس کی سالانہ پیداوار کی قیمت کا تخمینہ پانچ ہزار روپیہ کیا جاتا تھا۔ مگر آپ کبھی اس کے محاصل کی طرف خیال نہیں فرماتے تھے۔ اور یہ رقم کبھی آپ کے پاس نہیں آتی تھی۔ اس لیے کہ اُس کی فصل کے تمام میوے آپ لوگوں کو کھلا دیتے تھے۔ جب اس دعوت سے کچھ باقی رہجاتا تھا تو وہ بیچدیا جاتا تھا جس کی قیمت کبھی چارسو دینار سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔

اس کی دعوت کے چلسے مشہور نزدیک و دور تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک خاص اصحاب کی زبانی یوں مرقوم ہے کہ میں نے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ جس طرح عین الزیاد کے محاصل کو صرف فرماتے ہیں اُس کی تفصیل آپ ہی کی زبان مبارک سے سُننا چاہتا ہوں۔ امید کہ آپ میری خاطر سے اُسے خود بیان فرمائیں گے ارشاد فرمایا۔ ہاں۔ جب خرموں کے پکنے کے دن آتے ہیں تو میں حکم عام دیدیتا ہوں کہ باغ کی چہار دیواری توڑ کر ہر طرف راستہ کر دیا جائے تاکہ ہر طرف سے لوگ آکر اُس کے پھل کھایا کریں۔ یہ دیکھکر چاروں طرف سے کھانے والے لوٹتے ہیں۔ جب سب جمع ہو جاتے ہیں تو دس دس بڑے بڑے اور اُتنے ہی چوڑے ٹوکرے جن پر دس دس آدمی بفراغت بیٹھ سکیں خرموں سے بھر کر اُن کے آگے دھر دیے جاتے ہیں۔ اوّل فی کس ایک مُد یعنی تین (دستار) دیا جاتا ہے۔ پھر اسکے بعد جس قدر وہ کھا سکیں دیا جاتا ہے۔ جب وہ کھا چکتے ہیں تو پھر سو آدمی کا عوال آکر بیٹھتا ہے۔ وہ کھا چکتے ہیں تو پھر دوسرے لوگ آتے ہیں۔ یہی سلسلہ برابر لگا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام چھوٹے بڑے۔ بوڑھے۔ جوان۔ بچے۔ مرد اور عورت اطراف و جوانب کے کھا جاتے ہیں۔ جو حاضر نہیں ہو سکتا اُس کا حصّہ بحساب فی کس ایک مُد اُسکے گھر بھیجدیا جاتا ہے۔ جب خوشے کاٹے جاتے ہیں تو باغ کے ملازموں۔ نگہبانوں۔ مرد و عورت کی اجرت دیکر مابقی کو مدینہ منورہ میں لاتے ہیں۔ اور وہاں بھی تقسیم کا سلسلہ ایسا ہی جاری رہتا ہے۔ تا اینکہ جملہ ہمسایوں اور جملہ مستحقین کو کھلائے جاتے ہیں۔ حتّٰے کہ کئی بار تو یہاں بھی خرمے صرف ہوتے ہیں۔ اس تقسیم کے بعد جو کچھ بچ رہتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ چارسو کی مالیت ہوتے ہیں۔

اضطراب و انتشار کی خاص حالتوں میں بھی مہمان نوازی اور اکرام ضیف کے اہتمام فراموش

نہیں کیے جاتے تھے اور نہ اُن میں کسی قسم کا تغیّر و تبدّل ثابت ہوتا تھا۔ حضرت اسمٰعیل کے ایسے چہیتے اور آپ برابر کے بیٹے کے مرنے کی خبر آئی تو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اُس وقت اپنے اصحاب مخصوصین کے ساتھ خاصہ تناول فرما رہے تھے۔ اثناء طعام میں حسب معمول اُسی طرح کمال شگفتہ روئی اور نہایت دلجوئی کے ساتھ اپنے دست مبارک سے کھانا مہمانوں کی طرف برابر سرکاتے رہے اور اُن کو خوب سیر ہو کر کھانے کے لیے بار بار تاکید فرماتے رہے یہ تمام باتیں فرماتے تھے اور چہرۂ اقدس پر حزن و ملال کے کوئی آثار نمایاں نہیں تھے۔ اصحاب میں سے کسی نے عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو ایسی خبر قیامت اثر پہنچی اور تاہم کوئی اثر نہ ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اصدق الصادقین نے خبر دی ہے کہ میں اور تم اور یہ تمام عالم فنا ہو جانے والے ہیں۔ بندگان خدائے تعالےٰ میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو موت کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں۔ جب اُن میں سے کوئی مرجاتا ہے تو اُن پر نہ کوئی حالت طاری ہوتی ہے اور نہ اُن کے معمول میں کوئی فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ تابع حکم خدا ہوتے ہیں۔ اور راضی بہ رضا رہتے ہیں۔

خفیہ صدقات اور اُسکے فوائد

یہ محاسن بھی اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے خصائص میں داخل ہیں۔ اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرح آپ اس محاسن کے اظہار میں بھی ید طولےٰ رکھتے تھے۔ چنانچہ آپکے خادم خاص معلےٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ۔

ایک مرتبہ میں اندھیری رات میں جب پانی برس کر کھل گیا تھا اپنے گھر سے باہر نکلا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ محلۂ بنی ساعدہ کی طرف تنہا تشریف لیے جاتے ہیں۔ میں بھی ساتھ ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ کوئی شئے حضرت کے پاس سے گری فرمایا بسم اللہ اللھم ردہ الینا۔ جو شئے گر پڑی ہے۔ پروردگار! پھر اُس کو میری طرف لوٹا دے۔ معلےٰ کا بیان ہے کہ اُس وقت میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ فرمایا معلےٰ ہے؟ میں نے عرض کی۔ ہاں۔ فرمایا جو شئے گر پڑی ہے اُسے اُٹھا کر مجھے دیدے۔ میں نے اُٹھایا تو دیکھا بہت سی روٹیاں زمین پر بکھری پڑی ہیں۔ اور میں زمین سے چُن چُن کر اُس کو آپکو دیتا تھا۔ اور حضرت اُس کو ایک بڑے تھیلے میں جو آپ کے دوش مبارک پر رکھا ہوا ہے بھرتے جاتے تھے۔ جب تھیلا بالکل بھر گیا اور زمین پر بھی کوئی روٹی نہ رہی تو میں نے عرض کی کہ یہ بار مجھے دیدیا جائے کہ میں اسے لیکر ہمراہ چلوں۔ ارشاد ہوا کہ نہیں۔

ہاں ساتھ چلنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

غرض محلہ بنی ساعدہ میں پہنچے تو دیکھا کہ کچھ لوگ وہاں پڑے سو رہے ہیں۔ حضرت ایک ایک دو دو روٹیاں اُن سب کے سرہانے رکھ آئے۔ حتّٰی کہ وہ تمام روٹیاں تقسیم ہو گئیں۔ اور تھیلا خالی ہو گیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ تمام لوگ آپ کے شیعوں سے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر شیعہ ہوتے تو روٹیوں کے ساتھ نانخورش بھی ہمراہ ہوتا۔ پھر ارشاد ہوا کہ اے معلےٰ! ہر نعمت کا جسے خدائے تعالےٰ نے پیدا کیا ہے ایک محافظ اور خزانہ دار بھی ضرور ہے کہ اُس کا خزانہ دار خود حق سبحانہ و تعالےٰ ہے۔ میرے باپ (حضرت امام محمد باقر علیہ السلام) جب کوئی شے خیرات کرتے تو اُسے سائل کو پہلے دیدیتے تھے پھر اُس سے لیکر اُس شے کو چومتے اور سونگھتے تھے۔ بعد ازاں پھر دیدیتے۔ اے معلےٰ! رات کا صدقہ پروردگار کی آتش غضب کو بجھاتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو مٹاتا ہے۔ اور حساب و کتاب کو ہلکا کرتا ہے۔ اور دن کی خیرات عمر و مال کو زیادہ کرتی ہے۔

اے معلےٰ! حضرت عیسےٰ علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام دوران سفر میں دریا کے کنارے پہنچے تو آپ نے اپنے خاصہ کی ایک روٹی نکال کر دریا میں پھینکدی۔ اصحاب نے پوچھا یا حضرت (علیہ السلام)! آپ اپنے رزق کو یوں ضائع فرماتے ہیں اور بیکار پانی میں پھینکتے ہیں۔ فرمایا اُس کو جانوران دریائی کھائیں گے۔ اور اسکا ثواب ہے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ہمیشہ سے معمول تھا کہ کچھ رات گزرے جب اچھی طرح چاروں طرف تاریکی پھیل جاتی تھی تو روٹیاں اور خشک گوشت بورے میں بھر کر دوش مبارک پر رکھتے اور کچھ نقدی پاس رکھ لیتے اور یکہ و تنہا در دولت سے نکل کر فقرا و مساکین کے محلوں میں جاتے اور وہ تمام و کمال اشیاء اُن پر تقسیم فرما دیتے تھے۔ اور اُن کو مطلق خبر نہ ہوتی تھی کہ یہ چیزیں اُن کو کون دے گیا ہے۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا اور وہ روزینہ اُن کا بند ہو گیا اُس وقت اُن غریبوں نے جانا کہ وہ حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام تھے جو قوت لایموت ہمارے بے طلب خود ہمارے گھروں پر پہنچا دیا کرتے تھے۔

ابو جعفر خثعمی بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو ایک مرتبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک کیسہ زر سونپا کہ فلاں مرد ہاشمی کو دے آ۔ اور ایک فرضی نام بتلا دیا کہ اُس سے کہدینا کہ یہ رقم تجھے اُس شخص نے دی ہے۔ میں نے حسب الحکم وہ کیسہ اُس کو پہنچا دیا اور اُس فرضی شخص کا نام بھی اُس سے کہدیا۔ تو وہ مرد ہاشمی اُس فرضی نام والے کا بہت ممنون ہوا۔ اور کہنے لگا کہ حق تعالےٰ اُسے جزائے خیر دے۔ وہ ہمیشہ ہمیں مال بھیجتا ہے جسے ہم سال آئندہ

تنگ صرف کیا کرتے ہیں۔ مگر جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام باوجود کثرت مال کے ہم سے کوڑی کا بھی سلوک نہیں کرتے۔

اسی طرح فضل ابن ابی مرہ سے منقول ہے کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کو دیکھا کہ آپ اپنی ردائے مبارک بچھائے ہیں اور اُس پر روپیوں کی متعدد تھیلیاں رکھی ہوئی ہیں۔ آپ اپنے دست مبارک سے ایک ایک تھیلی اُٹھاتے جاتے ہیں اور خادم کو دیکر کہتے جاتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کو دینا اور یہ فلاں آدمی کے حوالے کرنا اور کہنا کہ یہ مال تمہارے لیے عراق سے آیا ہے۔ جب وہ خادم وہ مال اُن لوگوں کو دے دیکر واپس آئے تو کہنے لگے کہ وہ سب لوگ آپ کی شکایت کرتے تھے۔ یہ سُنکر آپ سجدے میں جُھک گئے اور فرمانے لگے اللّٰھم اذل رقبتی لولد ابی۔ خداوندا! میری گردن کو میرے باپ کی اولاد کے لیے جُھکا دے کہ اُنکی زبان سے اپنی مذمت سُنوں اور دم نہ ماروں۔

صلۂ رحم اور قرابت والوں کے ساتھ محاسن سلوک

صلۂ رحم کی ادائیگیوں میں جس قدر آپ کو احتیاط متصور تھی اُس کی مثال سے دنیا کی تمام قوموں کے کارنامے خالی پائے جاتے ہیں۔ صلۂ رحم کی کارروائیوں میں جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام اپنی آپ مثال تھے۔ اور اس امر واجب کے خود عامل ہوتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم فرماتے تھے چنانچہ کتاب کافی میں منقول ہے کہ۔

عبداللہ محض نے ایک بار صبح کے وقت آپکے ساتھ سختی سے کلام کیے جنہیں آپنے نہایت تحمّل کے ساتھ برداشت کرلیا۔ شام کو پھر اُنسے ملاقات ہوئی تو بکمال تازہ روئی اور خندہ پیشانی سبقت فرماکر خود ارشاد کیا کیف امسیت یا ابا محمدؐ اے ابو محمد! جانتے ہو کہ صلۂ رحم کا ادا کرنا باعث تخفیف عذاب ہے۔ کہا تم تو ہمیشہ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہو جنکو ہم قبول نہیں کرسکتے۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ میرے بیان پر نص صریح شاہد ہے۔ یہ کہکر آپنے آیۂ وافی ہدایہ والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویخشون ربھم ولا یخافون سوء الحساب۔ تلاوت فرمایا۔ عبداللہ محض یہ سُنکر قائل ہوگئے۔ اور عرض کی کہ اب مجھے آپ قاطع رحم کبھی نہ پائیں گے۔

جب وقت وفات قریب آیا تو جملہ اعزا و اقارب حاضر تھے۔ ہر ایک کو کچھ مال دینے کی وصیت فرما رہے تھے۔ از آنجملہ ستر دینار طلا آپ نے ایک اپنے پسر عم حسن افطس کو دیے جانیکا حکم فرمایا۔ سالم غلام زادہ حضرت بولا۔ افطس کے واسطے بھی آپ ایسی وصیت فرماتے ہیں

حالانکہ یہ وہی شخص ہے جو خنجر لیکر بارادۂ قتل آپ پر چڑھ آیا تھا۔ یہ سُنکر آپ چیں بہ جبیں ہوئے اور ارشاد فرمایا تو چاہتا ہے کہ میں صلۂ رحم ادا نہ کروں اور اُن لوگوں میں نہ شامل ہوں جن کی مدح حق سبحانہ وتعالےٰ نے اس آیۂ شریفہ میں یوں فرمائی ہے والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویخشون ربھم ویخافون سوء الحساب ہ (وہ لوگ جو بموجب حکم خدا صلۂ رحم کرتے ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی بُرائی سے اندیشہ ناک نہیں ہیں) پھر فرمایا۔ سالم! میں حسن افطس کے لیے عطائے مال کی اس لیے وصیت کرتا ہوں کہ حق سبحانہ وتعالےٰ نے بہشت کو پیدا کیا اور انواع عطریات سے اُسکو خوشبو فرمایا حتےٰ کہ بوئے خوش اُس کی دو ہزار سال کی راہ تک پہنچتی ہے۔ مگر عاق والدین اور قاطع رحم اس سے دور رہیں گے۔ اور اس کی بو تک انہیں نہ پہنچے گی۔ صلۂ رحم کرنا اور اقارب کے ساتھ بہ سلوک پیش آنا تو بہت سے آدمیوں کا معمول ہے۔ اِلّا ایسے احسان فراموش اور ظالم اور خون کے پیاسے کے ساتھ صلۂ رحم کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔

ابونصر بخاری کے اسناد کے مطابق پہلے ستّر دینار کی وصیت فرمائی تھی۔ جب ایک پیرزن نے اہل خانہ سے اعتراض کیا تو حضرتؑ نے سو دینار کا حکم دیا۔

بدی کا بدلہ نیکی

ایک حاجی وارد مدینہ تھا۔ ایک مرتبہ مسجد رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں سو گیا بیدار ہوا تو اُس کو وہم ہوا کہ ہزار دینار کی تھیلی جو میرے ساتھ تھی یہاں سے کسی نے اُٹھا لی ہے۔ اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا۔ کسی کو نہ پایا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام گوشۂ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ شخص آپ کو مطلق پہچانتا نہ تھا آپ کے پیچھے پڑ گیا تم ہی نے میری تھیلی لے لی ہے۔ فرمایا اُس میں کیا تھا؟ کہا ایک ہزار اشرفی۔ یہ سُنکر آپ اُسے دولت خانہ پر لے گئے اور وہاں ہزار کی رقم اُسے گن دی۔ وہ شخص مال لیکر اپنے مقام پر واپس آیا تو اپنی تھیلی وہاں موجود پائی۔ دوڑا ہوا خدمت اقدس میں واپس آیا اور معذرت کر کے واپس کرنا چاہا تو آپنے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ دے چکے۔ پھر نہ لیں گے ہ

زانکہ ما اہلبیت احسانیم ہرچہ دادیم باز نستانیم

ابر جودیم بر نشیب و فراز قطرہ از ما بہ ما نہ گردد باز

آفتابیم بر سپہر علا نہ فتد عکس ما دگر سوئے ما

وہ مرد اجنبی آپ کی یہ عالی ظرفی او بلند ہمتی دیکھکر حیران ہو گیا۔ باہر نکل کر پوچھا

معلوم ہوا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں تو کہنے لگا کہ صحیح ہے۔ اُن کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

توکلِ بخدا

ایک مرتبہ معتب اپنے وکیل سے ارشاد کیا کہ غلّہ روز بروز مدینہ میں گراں ہوتا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں کس قدر غلّہ ہو گا؟ معتب نے عرض کی کہ زمانہ موجودہ کی گرانی سے اور قحط سے کوئی خوف نہیں ہے۔ ہمارے پاس غلّہ کا اتنا ذخیرہ ہے کہ عرصۂ دراز تک کافی ہوگا۔ ارشاد فرمایا کہ اُس کو فروخت کر ڈالو۔ معتب نے کہا بیچنا غلّہ کا مصلحت وقت نہیں۔ پھر ملنا دشوار ہو جائیگا۔ فرمایا۔ تو اس سے کیا۔ جو حال اوروں کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا۔ اب ذخیرہ نہ رہنے پائے۔ حسب الحکم معتب نے تمام غلّہ فروخت کر ڈالا۔ ارشاد ہوا کہ اے معتب! اب ہر روز اوروں کی طرح خریدا کرو۔ اور ضرور نہیں کہ سب گندم ہوں۔ نصف جو نصف گندم ملاکر روٹی پکائی جایا کرے۔ ہر چند کہ ہم کو یہ مقدور ہے کہ برابر گیہوں کھاتے رہیں مگر مواسات چاہیے نیز حق تعالےٰ شانہ اندازہ و تقدیر مشیّت کو درست رکھتا ہے۔

خاص شیعوں کے لیے مال امام علیہ السلام وقف تھا

ابی حنیفہ۔ سائق الحاج کہتا ہے کہ میرے اور میرے داماد کے فیمابین میراث کے بارے میں تکرار ہو رہی تھی کہ مفضل جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے وکیل تشریف لائے۔ اور ہم کو جھگڑتے ہوئے دیکھکر کھڑے ہو گئے۔ اور سُنتے رہے۔ بعد ازاں ہم کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ اور چار سو درہم پر ہمارا اُس کا فیصلہ فرما دیا۔ اور وہ چار سو درہم بھی اپنے پاس سے دیدیے۔ اور ہم سے بازِ دعوے لکھا لیا۔ پھر ہم سے کہنے لگے کہ آگاہ ہو جاؤ کہ یہ روپیہ میں نے اپنے مال سے نہیں دیا ہے۔ بلکہ یہ مال جناب ابو عبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ہے۔ آپ کا حکم عام ہے کہ جب ہمارے شیعوں سے کسی کو مال پر نزاع کرتے دیکھو تو ہمارے مال سے دیکر باہم اُن میں تصفیہ کر دیا کرو۔ اس لیے میں نے یہ چار سو درم امام علیہ السلام کے حسب الحکم آپ کے مال سے دیدیے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کا مال مصالح مومنین کے لیے وقف عام تھا۔ تمام وکلا معین تھے کہ جہاں ضرورت دیکھیں بے تامل اُسکو خرچ کر دیں۔ کوئی ضرورت آپ سے پوچھنے کی بھی نہیں تھی۔

فقراء کے مقابلہ میں امراء کی کم عزت کیجاتی تھی

ایک بار دو فقیر آپ کے یمین و یسار بیٹھے تھے کہ ایک مالدار شخص آیا۔ آپ نے اُس کو اپنی جگہ دی۔ وہ مست بادۂ غرور اس سے چین بجبیں ہوا اور زبان شکایت دراز کی۔ امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے شخص! یہ لوگ (فقراء) بادشاہ علے الاطلاق (خدائے سبحانہ وتعالےٰ) کی درگاہ کے امراء اور سپہساران لشکرکش ہیں۔ اگر رعایا بزانوئے ادب ان کے سامنے بیٹھے تو جائے تعجب نہیں۔ اسی طرح جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کا ایک واقعہ بھی بہت مشہور ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک مردِ غنی صاف ستھرے کپڑے پہنے آپ کے برابر بیٹھا تھا۔ ایک مرد مفلس تنگدست بھی انہی کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اُس مالدار نے اپنے کپڑے اُس کی رانوں کے نیچے سے کھینچ لیے۔ جب جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھا تو شدت غضب سے برافروختہ ہوگئے اور بکمال قہر و طیش ارشاد فرمایا کہ اے مرد کیا تجھ کو خوف ہوا کہ اس کی تنگدستی تجھے لگ جائیگی۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا تو کیا باعث ہوا کہ تو نے اسکے نیچے سے اپنا دامن کھینچ لیا۔ عرض کی کہ شیطان مجھ پر مسلط ہے۔ اور ہر امر معیوب کو میری نگاہ میں خوب اور ہر امر خوب کو معیوب جلوہ گر کر دیتا ہے۔ یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ گواہ رہیں کہ میں نے اپنا نصف مال اس شخص کو اسکی بے حرمتی کے عوض میں دیدیا۔ اُس مردِ غنی نے تو اپنی علو ہمتی کا یوں ثبوت دیا۔ مگر وہ مرد فقیر بھی دل چلا اور ہمت والا تھا۔ اُس نے بھی اس مال کے لینے سے قطعی انکار کر دیا اور کہا کہ دولت مایۂ شر و فساد ہے جس نے اسکو مغرور بنا دیا۔ میں یہ دولت لینا نہیں چاہتا۔ شاید کہ اسکی وجہ سے یہ ناہنجار عادت مجھ میں بھی نہ آجائے۔

سائلوں کے ساتھ سلوک

مُلّا مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مقام منےٰ میں آپ انگور تناول فرما رہے تھے کہ ایک سائل آیا۔ حضرت نے ایک خوشۂ انگور اُسے عنایت فرمایا۔ اُس بدبخت نے کہا مجھ کو اس کی ضرورت نہیں۔ کچھ نقدی ملنی چاہیے۔ آپ نے اُس سے خوشۂ انگور واپس لے لیا۔ اُس کے بعد ایک دوسرا سائل آیا۔ تین دانے کُل اُسے عنایت فرمائے۔ اُسنے کہا خدا کا شکر ہے کہ مجھے رزق عطا کیا۔ آپ نے دونوں ہاتھ بھر کر پھر انگور اُسے دیے۔ اُسنے پھر خدا کی حمد کی۔ تیس درہم بھی عنایت فرمائے گئے۔ سائل پھر شکر خدا بجا لایا۔ جو پیسہ اہن

اُس وقت پہنے ہوئے تھے بدنِ مبارک سے اُتار کر اُسے حوالہ کر دیا۔ اُس نے کہا جزاک اللہ خیراً۔ اور چلا گیا۔

راوی حدیث کا بیان ہے کہ وہ اگر ایسے ہی حمد خدا بجالاتا اور خصوصیت کے ساتھ آپکو دعا نہ دیتا تو آپ اُسے ابھی کچھ اور دیتے۔

مشارق الانوار میں منقول ہے کہ ایک مرد فقیر نے آپ سے سوال کیا۔ غلام کو حکم ہوا کہ چار سو دینار جو تیرے پاس ہیں اسے دیدے۔ چنانچہ وہ رقم اُسے دیدی گئی۔ اور وہ سائل شکر کرتا ہوا چلا گیا۔ غلام سے ارشاد ہوا کہ اُسے واپس بلالے۔ مرد فقیر ڈرا۔ شاید کہ رقم عطیہ واپس لینا چاہتے ہیں۔ آیا اور عرض کی کہ آپ نے جو عنایت فرمایا وہ مجھے مل گیا۔ اب واپس لینے کی کیا وجہ ہے؟ ارشاد کیا کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہترین خیرات وہ ہے جو مرد مستحق کو غنی کر دے۔ چار سو درہم سے تو غنی نہیں ہوسکتا۔ یہ میرے ہاتھ کی انگوٹھی بھی لے لے۔ اس کی قیمت دس ہزار درہم ہیں ضرورت کے وقت اس کو فروخت کرلیجیو۔

اشجع اسلمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو مریض پاکر عیادت اور مزاج پرسی کی باتیں کرنے لگا۔ اور دعائیں دینے لگا کہ خدائے سبحانہ و تعالے آپ کو شفا بخشے اور امراض کو تمہارے جسم سے دور فرمائے۔ حضرت نے فرمایا ان باتوں کو چھوڑ دے اپنی حاجت بیان کر۔ اُسنے کنایۃً اپنی ضرورت و احتیاج بیان کی۔ آپنے غلام سے دریافت کیا کہ تیرے پاس کیا ہے؟ عرض کی چار سو درہم۔ فرمایا کہ اشجع کے حوالے کردو۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

اذا ما طلبت خصال الذی ۔۔۔ وقد عضتك الدهر من جلده
فلا يطلبن الى كالح ۔۔۔ اصاب اليسارة من كده
ولكن عليك باهل العلى ۔۔۔ ومن ورث المجد عن جده
فذاك اذا جئته طالبا ۔۔۔ يجب الجسارة من جده

جب تجھے کسی کے جود و عطا کی ضرورت ہو درآں حالیکہ تجھے زمانہ کی سختیوں نے ایذا دے رکھی ہو تو لئیم الطبع کے آگے دست طلب دراز نہ کرنا جس نے محنت و مشقت سے تونگری حاصل کی ہو۔ بلکہ شرفاء و بزرگان سے مانگو کہ جنہوں نے شرف و بزرگی آباؤ اجداد سے میراث میں پائی ہو۔ پس جب تو ان سے سوال کرے گا تو وہ اپنی طاقت و مقدور سے بڑھ کر تیرے ساتھ احسان کریں گے۔

امالی شیخ طوسی علیہ الرحمہ میں اس قدر اور اضافہ کیا گیا ہے کہ آپنے اُسے ایک

انگوٹھی دس ہزار روپیہ کی عنایت فرمائی۔ اور فرمایا کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے خیر العطایا ما ابقی نعمۃ باقیۃ۔ اشجع سلمی نے جو یہ جود وسخا اُس بحرِ عطا کی دیکھی تو عرض کی یاحضرت! آپ نے مجھے محتاج سے غنی کر دیا۔ اب میرا ایک اور سوال ہے۔ اکثر سفر میں رہتا ہوں۔ اور بعض اوقات خوفناک مقامات میں گزر ہوتا ہے کوئی دعا مجھے تلقین فرمایئے کہ میں جمیع آفات سے محفوظ رہوں۔ فرمایا جب تمہیں ایسا اتفاق پیش آیا کرے تو اپنا ہاتھ سر پر رکھکر باآواز بلند کہا کرو افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعًا وکرھًا والیہ ترجعون۔ اشجع کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ایسی جگہ رہ گیا جہاں جنات کا دخل تھا۔ ایک آواز میرے کان میں آئی کہ اسکو پکڑ لو۔ میں نے فورًا اس آیۂ شریفۂ قرآنی کی تلاوت کی تو دوسری آواز آئی کہ اسکو کیونکر پکڑیں اس نے تو آیۂ قرآنی سے اپنی حراست کرلی۔

انتہا درجہ کی احتیاط

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک ہزار اشرفی اپنے غلام مصادف نامی کو دی کہ آپ کی طرف سے تجارت کرے۔ اُسنے مال تجارت بھرا۔ اور قافلۂ تجارت کے ساتھ مصر کو روانہ ہوا۔ شہر کے نزدیک پہنچا تو معلوم ہوا کہ جو جنس لیکر وہ آیا ہے مصر میں بہت ہی کمیاب ہے۔ یہ سُنکر اُن تمام تجار نے باہم عہد کرلیا کہ کوئی ارزاں فروخت نہ کرے۔ اس سبب سے سب کو نفع کثیر ہوا۔ مصادف کے پاس بھی دونی جمع ہوگئی۔ مگر جب اُس نے اصل اور نفع کے دونوں توڑے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس رکھدیے تو آپ نے استفسار فرمایا کہ اتنا مال کہاں سے آیا ہے؟ مصادف نے ساری روئداد بیان کی۔ اب بجائے اسکے کہ آپ زیادہ فائدے سے خوش ہوتے۔ ناراض ہوئے۔ اور ایک حبہ بھی زرمنافع سے نہ لیا۔ فرمایا سبحان اللہ! مسلمانوں کے ساتھ یہ بے مروتی۔ اے مصادف تلوار کی دھار پر راہ چلنا اکل حلال حاصل کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

زکوٰۃ فطر میں احتیاط

فطرۂ عید صیام میں بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ اسکے نکالنے کی ازبس تاکید فرماتے تھے۔ معتب اپنے وکیل کو حکم عام تھا کہ میرے اہل وعیال۔ خرد وبزرگ۔ بندہ وآزاد سے کوئی ایسا باقی نہ رہے جس کا فطرہ نہ دیا جائے۔ کیونکہ جسکا فطرہ ادا نہوگا مجھے خوف ہے کہ وہ

سال آئندہ تک زندہ نہ رہے۔ اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے تھے کہ صاع بھر خرما اگر فطرہ میں دیا جائے تو یہ حق تعالےٰ کے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع سونا خیرات کیا جائے۔

شکر سفید کو سب سے زیادہ خدا کی راہ میں خیرات کرتے تھے کیونکہ یہ آپکو بہت مرغوب طبع تھی۔ اور اکثر فرماتے تھے کہ تمام اشیائے خوردنی میں شیرینی مجھے زیادہ پسند ہے۔ اسی لیے سب سے زیادہ اسی کو خدا کی راہ میں خیرات کرتا ہوں۔ کیونکہ حق سبحانہ وتعالےٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون ۔ تمکو نیکی نہیں مل سکتی جب تک تم وہ چیزیں خدا میں نہ خیرات کردو جسے تم سب سے زیادہ دوست رکھتے ہو۔

ادائے حقوق میں عجلت

چند مزدور آپکے باغ میں کام کررہے تھے عصر کے وقت تک انتہا تھی۔ فارغ ہوئے تو معتب سے فرمایا کہ انکی اجرت قبل اس کے کہ انکے بدن کا پسینہ خشک ہو ادا کردو۔ یہ سنت جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہے۔ کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے اعطو الاجیر اجرتہ قبل ان یجف عرقہ۔ مزدوروں کی مزدوری انکے عرق بدن خشک ہونے سے پہلے ادا کردو۔

ادائے شکر میں عجلت

معاویہ ابن وہب سے مروی ہے کہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی رکاب میں حاضر تھا اور آپ اپنے درازگوش پر سوار تھے اور بازار مدینۂ منورہ میں تشریف لیجارہے تھے کہ یکایک ایک مقام پر اترے اور سجدۂ خالق میں فرق مبارک جھکا دیا۔ میں نے اس کا باعث دریافت کیا تو فرمایا ایک نعمت نعمات الٰہی میں سے مجھے یاد آئی۔ میرے دل نے نہ چاہا کہ اس کے شکریہ میں کوئی توقف کیا جائے۔

جفاکشی اور محنت

جفاکشی اور محنت بھی آپ کی عادات کریمانہ میں داخل تھی۔ بعض وقت سخت سے سخت کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ اور اسے مطلق عیب نہیں جانتے تھے۔ ابوحمزہ شیبانی کا بیان ہے کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا کہ موٹے کپڑے کا تہبند

باندھے اور بیلچہ ہاتھ میں لیے باغ میں کام کر رہے ہیں۔ اور بدن مبارک تمام عرق عرق ہو رہا ہے۔ عرض کی میں فدا آپ پر یہ بیلچہ مجھے عنایت فرمایا جائے کہ یہ خدمت میں بجا لاؤں۔ ارشاد ہوا کہ طلب معاش میں دھوپ اور گرمی کی تکلیف سہنا عیب کی بات نہیں ہے۔

اسمٰعیل ابن جابر کا بیان ہے کہ میں نے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کو دیکھا کہ ایک کرتہ موٹے گاڑھے کا کہ تنگی سے بدن اقدس پر چپٹا ہے پہنے ہوئے بیلچہ ہاتھ میں لیے درختوں میں پانی پہنچا رہے ہیں۔

داؤد کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا کہ خرمے اپنے ہاتھوں سے وزن کر رہے ہیں۔ عرض کی فدا ہوں آپ پر غلاموں یا لڑکوں میں کسی کو حکم ہو کہ اس کام کو انجام دے۔ آپ نے قبول نہ فرمایا۔

لباس اور روزمرہ کی پوشاک

آپ کا لباس اکثر اوقات موٹے کپڑے یا بالوں کا ہوتا تھا جیسا کہ آپ کے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کا معمول تھا۔ گاہ گاہ اُس میں پیوند بھی لگے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ پیراہن اقدس میں چند مقام پر پیوند بھی لگے تھے۔ اصحاب میں سے ایک صاحب ان کو دیکھنے لگے۔ آپ نے پوچھا کیا دیکھتے ہو؟ عرض کی حضرت کی قمیص میں پیوند لگے ہوئے ہیں۔ ایک کتاب سامنے رکھی تھی ارشاد ہوا اس کو پڑھو تو اس میں کیا لکھا ہے۔ دیکھا تو اس میں لکھا تھا لا ایمان لمن لا حیاء لہ ولا مال لا تقدیر لہ ولاجدید لمن لاخلق لہ۔ جسے حیا نہیں اُس کا ایمان نہیں۔ جو اندازہ نہیں رکھتا غنی نہیں ہوتا۔ جو پرانا نہیں پہنتا اُسے نیا میسر نہیں ہوتا۔

تواضع اور انکسار

عزیزوں میں کسی کے لڑکے نے قضا کی۔ اُس کی ماتم پرسی میں تشریف لے گئے۔ راہ میں بند نعلین ٹوٹ گیا۔ نعلین کو اُٹھا کر ہاتھ میں لے لیا۔ اور روانہ ہوئے۔ اصحاب سے کسی نے بند نعل حاضر کیا۔ منظور نہ ہوا۔ ارشاد ہوا کہ صاحب مصیبت کو اسی پر صبر و قناعت کرنا اولیٰ ہے۔ اسی طرح برہنہ پا تشریف لے گئے اور ماتم پرسی فرمائی۔

عبادت

عادت کریمہ میں داخل تھا کہ جس وقت کوئی حاجت پیش آتی تو سہ پہر میں جاکر نماز قضائے الحاجۃ

کی درگاہ میں مناجات فرماتے تھے۔ آپکا قول تھا کہ جب میں تنگدست ہوتا ہوں تو خیرات دیکر حق تعالیٰ سے تجارت کرتا ہوں۔ یعنی تھوڑا دیکر زیادہ لیتا ہوں۔

ایک مرتبہ اپنے فرزند ارجمند محمد سے فرمایا کہ تمہارے پاس جو مال آیا تھا اُس میں سے کتنا باقی ہوگا؟ عرض کی چالیس دینار۔ فرمایا انہیں راہ خدا میں خیرات کر دو۔ عرض کی اس کے سوا روزمرہ کے خرچ کے لیے کچھ باقی نہیں ہے۔ فرمایا اسے راہِ خدا میں دے ڈالو۔ حق سبحانہ وتعالےٰ اس کے عوض بہت زیادہ دیگا۔ پھر فرمایا۔ اے فرزند تمہیں معلوم نہیں کہ ہر چیز کی ایک کُنجی ہوتی ہے اور رزق کی کُنجی تصدّق و خیرات ہے۔ محمد نے حسب الحکم وہ دینار راہِ خدا میں خیرات کر دیے۔ دس روز نہ گزرے تھے کہ حضرت کے پاس ایک جگہ سے چار ہزار دینار آ گئے۔ فرمایا۔ اے فرزند دیکھا تم نے چالیس دینار اُس کی راہ میں دیے۔ اُس جلّ جلالہ وعمّ نوالہ نے اُس کے عوض میں چار ہزار بھجوا دیے۔

عبادت کی یہ کیفیت تھی کہ دیکھنے والے آپ کی شان عبادت دیکھکر حیران رہجاتے تھے مالک ابن انس آپ کو قائم اللّیل و صائم النہار کہتے تھے۔ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی نے ایک بار آپ کی نماز دیکھی تو تعجب سے کہا ما اصبرک علی الصّلوٰۃ یا ابا عبد اللہ تمہاری نماز کس قدر سخت نماز ہوتی ہے۔ فرمایا اما سمعت ان الصّلوٰۃ قربان کلّ تقی۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ نماز تمام تقوے سے زیادہ تر قرب خدا کا باعث ہے۔

ذکر رکوع وسجود کو اتنا طول فرماتے تھے کہ ساٹھ ساٹھ بار بلکہ اس سے زیادہ ہو جاتے تھے۔ منصور صیقل گر کا بیان ہے کہ میں حج کو گیا تھا۔ اثنائے راہ میں مدینہ میں میرا گزر ہوا۔ روضۂ جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر گیا تو دیکھا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام سجدے میں پڑے ہیں۔ میں بیٹھ گیا کہ فارغ ہوں تو میں زیارت کا شرف حاصل کروں۔ اسی انتظار میں بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ بیٹھے بیٹھے اُکتا گیا۔ مگر حضرت سجدے سے نہ اُٹھے۔ تب میں نے سوچا کہ میں آگے جاکر سجدہ کروں اور ذکر تسبیح سجدہ کو چیخ چیخ کر پڑھوں۔ شاید میری آواز سنکر اپنا سجدہ تمام کریں۔ یہ سوچکر میں [illegible] میں جھک گیا۔ اور سبحان ربّی الاعلیٰ زور زور سے کہنا شروع کیا۔ تا اینکہ تین سو ساٹھ مرتبہ سے کچھ اوپر کہا۔ اُس وقت سر مبارک سجدے سے اُٹھایا۔ اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے چلا۔ اور عرض کی فدا ہوں آپ پر۔ جب آپ کی عبادت کی یہ کیفیت ہے تو ہم کو اس بارے میں کیا کچھ سعی نہ کرنی چاہیئے۔ فرمایا۔ ہمارے شیعوں سے قلیل وکثیر سب قبول ہیں۔

حفص ابن غیاث ناقل ہیں کہ ایک بار میں جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی رکاب میں

حاضر تھا کہ آپ باغہائے کوفہ میں جا رہے تھے۔ چلتے چلتے ایک خرمے کے درخت کے نیچے پہنچکر
وضو کیا اور مشغول نماز ہوئے۔ اُس میں ذکر و سجود کو اتنا طول دیا کہ میں نے پانچ سو مرتبہ
تسبیح سُنی۔ پھر درخت کے سہارے کھڑے ہو کر کچھ دعائیں پڑھتے رہے۔ بعد ازاں فرمایا
اے حفص یہ وہی درخت ہے جس سے حضرت مریم علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السلام کے لیے رطب تازہ
گرے تھے۔

عفو جرائم اور عام فروگزاشت

غلاموں پر نہایت مہربان تھے۔ اُن پر کمال ملاطفت فرماتے تھے اور اُنکی خطاؤں
اور لغزشوں سے درگزر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی غلام کو کسی کام کے لیے بھیجا تھا۔ دیر ہوئی اور
وہ واپس نہ آیا تو خود اُس کی تلاش کو چلے۔ دیکھا کہ ایک مقام پر سو رہا ہے۔ بجائے اسکے کہ اُس پر خفا
ہوں اور زجر و توبیخ فرمائیں اُسکے سرہانے بیٹھ گئے اور اُسے پنکھا جھلنے لگے حتےٰ کہ وہ خود خواب
سے بیدار ہوا۔ اُس وقت بکمال ملاطفت فرمایا۔ اے شخص تیری کیا عادت ہے کہ دن رات سوئے جاتا
ہے۔ رات سونے کے لیے ہے اور دن کام کرنے کے لیے۔

ایک غلام عجمی کو پیغام لیکر کسی کے پاس بھیجا۔ جواب لیکر آیا تو حضرت امام جعفر صادق
علیہ السلام پوچھنے لگے۔ وہ ایسا جواب دیتا تھا کہ آپ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ راوی کا بیان ہے
کہ آخر کار آپ نے اُس کی طرف تیز و تند نگاہ سے دیکھا۔ مجھے گمان ہوا کہ اب ضرور ہے کہ آپ
اُسے جھڑکیں۔ مگر بہت جلد وہ کیفیت جاتی رہی۔ فرمایا تو اتنا کہ تیری زبان تو کُند ہے مگر دل کھوٹا
نہیں ہے۔ کُندی زبان اگر حیا و عفّت کے ساتھ ہو تو علامت ایمان ہے جیسا کہ بدگوئی اور فحش اور
زبان درازی نفاق کی نشانیاں ہیں۔

ارشاد فرماتے تھے کہ جب ایک غلام سات برس تک خدمت کر چکے تو چاہیے کہ اُسے آزاد
کر دیں۔ علمائے کرام نے اس امر کو سنّت موکدہ پر حمل کیا ہے۔ اس سے وجوب مراد نہیں لیا۔

خیر التابعین سفیان ثوری ناقل ہیں کہ میں ایک مرتبہ جناب امام جعفر صادق
علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو رہا ہے۔
عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم یہ کیا حالت ہے۔ خیریت تو ہے؟
فرمایا۔ میں نے منع کیا تھا کہ کوئی بام خانہ پر نہ چڑھے۔ اس وقت جو گھر میں گیا تو دیکھا
کہ ایک کنیز جو ایک بچّہ کی پرورش پر مقرر تھی اُس کو گود میں لیے زینہ سے اوپر جا رہی ہے
مجھ کو دیکھا تو خوف و ہراس اُس پر طاری ہوا۔ اور اُسی بدحواسی میں بچّہ اُس کی گود
سے گر پڑا۔ اور جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ مجھ کو بچّے کے تلف ہو جانے کا اتنا خیال

نہیں جتنا کہ اس امر کا قلق ہے کہ کیوں ایسا رعب و ہراس کنیز پر ہوا۔ پس تین بار بآواز بلند فرمایا لا باس علیک۔ اے کنیز! ذرا اندیشہ نہ کر۔ میں نے تجھے رضائے الٰہی کے لیے آزاد کر دیا۔

مصیبت پر صبر

اعشی سے منقول ہے کہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آقا زادوں سے ایک مریض تھے۔ اُن کی عیادت منظور تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت حزین و ملول در دولت پر کھڑے ہیں۔ پس آپ اندر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر وہاں توقف ہوا ہوگا۔ پھر جو باہر تشریف لائے تو حالت بدل گئی۔ آثار حزن و ملال چہرۂ مبارک پر باقی نہ رہے۔ ہم کو گمان ہوا کہ اب صاحبزادے کو آرام ہے۔ عرض کی صاحبزادے کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا اُس نے تو قضا کی۔ عرض کی زندگی میں پریشان تھے۔ انتقال کے بعد چہرے پر انتشار و ملال نہیں۔ فرمایا ہم اہلبیت طاہرین علیہم السلام کا یہی قاعدہ ہے کہ نزول بلا سے پہلے مضطر و پریشان ہوتے ہیں۔ جب وہ نازل ہو جاتی ہے تو قضائے الٰہی پر راضی ہو جاتے ہیں۔ اور اُس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

ایک بچہ آپ کا کم سنی میں فوت ہو گیا۔ مستورات نالہ و فریاد کرنے لگیں۔ حضرت نے اُنہیں قسم دیکر منع کر دیا۔ جب اُسے دفن کرنے لے چلے تو فرمایا خدا کا شکر ہے کہ ہم ان مصائب پر شکر کرتے ہیں۔ اور ہماری خدا سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ دفن کرنے لگے تو فرمایا اے فرزند! خداوند تعالےٰ تمہاری لحد کو فراخ کرے۔ اور ہمارے جد امجد جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں باریاب فرمائے۔ اور حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ ہم اہلبیت علیہم السلام جس کے حق میں جو چاہتے ہیں دعا کرتے ہیں۔ خدائے جل شانہ وہ ہمیں عطا کرتا ہے۔ مگر جب وہ ہماری خواہش کے خلاف کام کرنا چاہتا ہے تو پھر ہم بھی اُسی پر راضی ہو جاتے ہیں۔

عاداتِ کریمہ

خوشبو و عطریات کا بہت استعمال فرماتے تھے اور صوم میں اسکی زیادتی کر دیتے تھے۔ اور ارشاد فرماتے تھے الطیب تحفۃ الصائم۔ خوشبو روزہ دار کا تحفہ ہے۔

کوئی پھول ملجاتا تو پہلے سونگھتے۔ اور پھر سونگھ کر اُسے آنکھوں سے لگاتے اور فرماتے

جو پھول سونگھ کر آنکھوں سے لگائے اور درود بھیجے محمد و آل محمد علیہم السلام پر اُس کے گناہ بخشدیے جاتے ہیں۔

بیشتر اوقات رو بقبلہ ہوتے۔ گھر پر زیادہ دروازے کے قریب قبلہ کی طرف مُنہ کر کے بیٹھتے تھے۔ ایک مرتبہ دہنے پاؤں کو بائیں ران پر رکھے بیٹھے تھے۔ کسی نے کہا یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم! لوگ ایسی نشست کو مکروہ بتلاتے ہیں۔ فرمایا مکروہ نہیں ہے۔ یہ مقولہ یہودیوں کا ہے۔ ہاں چار زانو بیٹھنے سے خصوصاً تنگ جگہ میں کراہت فرماتے تھے۔

حجرۂ مقدسہ کے دروازے کے اوپر اور اندر جانب قبلہ آیۃ الکرسی لکھی ہوئی تھی۔ سات ہاتھ سے زیادہ مکان اونچا کرنے کو منع فرماتے تھے۔

حمام میں غسل فرمانے کے لیے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو دیکھکر حمامی نے عرض کی کہ اگر ارشاد ہو تو آپ کے لیے حمام کو تمام لوگوں سے خالی کرا دوں۔ فرمایا کچھ ضرورت نہیں۔ مومن کے واسطے اتنا تکلف نہیں چاہیے۔ وہ ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔

عبداللہ سنان وغیرہ غسل کیے حمام سے آرہے تھے۔ راہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ یہ معلوم فرماکے کہ لوگ غسل کر کے واپس آرہے ہیں فرمایا انقی اللہ غسلکم۔ خدا تمہارے غسل کو پاک و پاکیزہ فرمائے۔ پھر خود حمام میں داخل ہوئے تو اُنہوں نے اُنہی لفظوں میں آپ کے لیے دعا کی۔ آپ نے اُن کو جواب دیا طہر کم اللہ۔ خدا تمہیں پاک و پاکیزہ فرمائے۔

فراست و قیافہ شناسی

زرارہ سے منقول ہے کہ میں اور عبدالواحد ابن مختار اور سعید ابن لقمان حاضر خدمت بابرکت تھے۔ عمر ابن شجرہ کندی بھی موجود تھا لیکن تھوڑی دیر میں اُٹھکر چلا گیا۔ ہم لوگ اُسکی مدح و ثنا کرنے لگے کہ وہ بڑا زاہد۔ پرہیزگار اور سخی ہے۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تم آدمیوں کے پہچاننے میں خطا کرتے ہو اور ہم ایک ہی نظر میں پہچان لیتے ہیں کہ کس قماش کا ہے۔ یہ شخص بہت بڑا خبیث ہے۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ پھر جو اس کی نسبت تحقیق کی گئی تو واقعی وہ بہت بڑا خبیث نکلا۔ اور ارتکاب محرمات میں بڑا بیباک تھا۔

منصور دوانقی کے حسب الطلب حیرہ میں تشریف رکھتے تھے۔ اُس کے امیروں میں سے کسی امیر کے لڑکے کا ختنہ تھا۔ دعوت میں اکثر عمائد شامل تھے۔ آپ بھی تشریف رکھتے تھے۔ کھانا چُنا گیا۔ حاضرین نے کھانا شروع کیا۔ ایک شخص نے پانی طلب کیا۔ پانی کی جگہ اُسکے لیے

شراب کا پیالہ لائے۔ جونہی اس مرد نے پیالہ ہاتھ میں لیکر چاہا کہ مُنہ کو لگائے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سبب دریافت کیا گیا تو ارشاد ہوا کہ ملعون ہے وہ شخص جو اس دعوت میں شریک ہو اور جس میں شراب کا استعمال کیا جائے۔

ایک بار آپ نے پانی طلب کیا۔ ایک پیالہ میں پانی لائے۔ جس میں چاندی کے پتر جڑے ہوئے تھے۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ آپ دندان مبارک سے اُن پتروں کو اُکھاڑے دیتے ہیں۔

احکام شریعت کی ترویج واشاعت

باوجود اس کے کہ سلطنت کی طرف سے آپ بالکل ان امور میں مجبور و معذور کر دیے گئے تھے اور آپکی تعلیم وہدایت بھی اصحاب مخصوصین تک محدود کر دی گئی تھی۔ مگر تاہم آپ اعلائے کلمۃ الحق اور اعلان علے المطلق کی کوششوں سے باز نہیں رہتے تھے۔

چنانچہ موسم حج میں مقام منےٰ میں تشریف رکھتے تھے۔ عقائد حقہ اور احکام واجبہ کا ایک دن یوں اعلان فرمایا اور خلائق کو طریقۂ حقہ کی طرف ان الفاظ میں دعوت فرمائی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

یا ایہا النّاس! جناب رسول خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمہارے امام حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔ پھر حضرت امام حسن علیہ السلام پھر حضرت امام حسین علیہ السلام۔ پھر امام زین العابدین علیہ السلام۔ پھر امام محمد باقر علیہ السلام۔ اُن حضرت کے بعد میں تم لوگوں کا امام ہوں۔ جو کچھ چاہو مجھ سے پوچھو اور دریافت کرو۔

رعب وجلالت

ابن ابی الاوجاء۔ ابو شاکر دیصانی۔ عبد الملک بصری۔ ابن المقنع۔ یہ چاروں زندیق موسم حج میں مسجد الحرام کے اندر جمع ہوئے اور دین اسلام پر طعن اور استہزاء کرنے لگے اور صلاح ٹھیرائی کہ اصل قرآن ہے۔ یہ باطل ہوا اور اسلام باطل ہوا۔ آؤ ہم میں سے ہر ایک ایک ربع اسکا بیکار کر دے۔ یعنی اس کے ایسا لکھکر (معاذ اللہ) اس کے معجزہ ہونے کی دلیل کاٹ دیں۔ سال آیندہ یہی مقام ہماری وعدہ گاہ ہے۔ اپنی اپنی تحریریں یہاں آکر دکھلائی جائیں۔ دوسرا سال بھی آگیا اور ابھی تک وہ سب کے سب ایک ہی آیت میں اُلجھے رہے۔ پس یہ لوگ حرم محترم میں بیٹھے ہوئے اپنی اپنی سرگزشت بیان کر رہے تھے کہ جناب امام جعفر صادق

علیہ السّلام تشریف لائے اور فرمایا قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یأتوا بمثل هٰذا القراٰن لا یاتون بمثله ۔(ترجمه) اے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہدو ان کا قول ہے کہ اگر جن وانس جمع ہوکر اس امر کی کوشش کریں کہ اس قرآن کے ایسا دوسرا بنائیں تو نہیں لا سکتے ہیں مثال میں اس کی۔

یہ آیت سُنکر ان چاروں کو سخت حیرت ہوئی۔ ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگا۔ پھر بولے کہ اگر دین اسلام برحق نہ ہوتا تو اُس کی امامت ایسے شخص تک نہ پہنچتی۔ تحقیق کہ جب ہم ان کو دیکھتے ہیں تو رعب وجلال ان کا ہم پر چھا جاتا ہے۔ اور مارے ہیبت کے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے عجز اور اسلام کی حقانیت کا اقرار کرتے ہوئے متفرق ہو گئے۔

محمد نفس زکیہ اور اُن کے بھائی قتل ہوئے تو منصور نے ایک مرد زشت خو شیبہ ابن غفال نامی کو امیر مدینہ مقرر کیا۔ جمعہ کا روز آیا تو وہ دریدہ دہن منبر پر گیا اور خطبہ میں جناب امیرالمومنین علی علیہ السّلام کی مذمت (معاذ اللہ) بیان کی۔ پھر سلسلۂ کلام میں کہا کہ اب اُن کی اولاد جابجا فتنہ و فساد کرتی پھرتی ہے۔ اور بلا استحقاق وقابلیت خلافت چاہتی ہے۔ لاجرم ہر طرف قتل و قمع ہوتی ہے۔ حاضرین کو اس کا کلام سخت ناگوار گزرا مگر کسی کو جواب کی جرأت تو نہ ہوئی۔

عبد اللہ ابن سلیمان تمیمی راوی حدیث بیان کرتا ہے کہ اُس وقت ایک مرد بلباس خشن و درشت اُٹھا اور حمد و صلوٰۃ کے بعد کہنے لگا۔ اے شخص جو کچھ تنقیص و تذلیل اس خاندان کی بیان کی تو اور تیرا باپ اُس کا سزاوار ہے۔ تحقیق کہ اس جگہ پر اس وقت تو بیٹھا ہوا ہے تو ہرگز اس کے شایاں نہیں ہے اور جو کام تیری لیاقت سے دور ہیں وہ تو نے اختیار کیے ہیں۔ پھر حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا۔ ایّھا النّاس! بروز قیامت جس کی میزان سب سے ہلکی اور جسے خسران ہوگا وہ وہی شخص ہے جو اوروں کی دنیا کے لیے اپنے دین کو فروخت کرتا ہے جیسا کہ اس فاسق نے کیا ہے۔

آپ کی اس تقریر پر کوئی شخص نہ بولا اور وہ عامل بھی پشیمان ہوکر منبر سے نیچے اُترا اور اپنی قیامگاہ کو سیدھا چلا گیا۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ مجھے پیچھے معلوم ہوا کہ یہ جواب دینے والے جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام ہیں۔

نجوم کے خلاف

خود نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرد نجومی سے مجھ سے تقسیم زمین پیش تھی جو میری اُسکی شراکت

میں تھی۔ وہ مرد نجومی ایسا وقت تلاش کرتا تھا جو میرے لیے نحس اور اُس کے لیے سزاوار ہو۔ آخر اُسی کی خواہش کے مطابق ایک وقت معین پر ہم وہاں جمع ہوئے۔ قرعہ ڈالا گیا تو اچھی زمین میری طرف آئی۔ نجومی نے سر پیٹ لیا کہ یہ کیا ہوا۔ نجوم کے قاعدہ کے مطابق وقت میرے لیے تو اچھا اور تمہارے لیے بُرا تھا۔ مگر نتیجہ برعکس نکلا۔ فرمایا مجھ کو جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص کسی دن کی نحوست کو اپنے سے دفع کرنا چاہے تو اُسے لازم ہے کہ اُس کی صبح کو خیرات دے۔ اور اگر رات کی نحوست دفع کرنی ہے تو سر شام تصدق کرے۔ آج میں نے اسی حدیث پر عمل کیا اور صبح کو صدقہ دیکر یہاں آیا۔ اور یہ تیرے نجوم سے بہتر ہے۔

اطاعتِ والدین کی تاکید

زکریا ابن ابراہیم نامی ایک نصرانی مسلمان ہوا۔ اور مکہ معظمہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا اور عرض کرنے لگا کہ میں اپنے دین عیسائی کو چھوڑ کر مسلمان ہوا ہوں۔ فرمایا اسلام میں تو نے کیا دیکھا۔ عرض کی کہ حق سبحانہ و تعالے کا یہ قول وما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورا نھدی من نشاء۔ یہ سُنکر آپ نے سمجھ لیا کہ وہ بہ بصارت و بینائی مسلمان ہوا ہے تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا خدا تجھے ہدایت دے۔ پھر تین بار فرمایا اللھم اھدہ۔ اس کے بعد ارشاد کیا اے فرزند! سوال کر جو تو چاہتا ہو۔ عرض کی کہ میرے ماں باپ اور تمام کُنبہ کے لوگ عیسائی ہیں۔ میری ماں نابینا ہے۔ میں اُنہی کے ساتھ رہتا ہوں اور اُنہی کے ظروف میں کھاتا ہوں۔ فرمایا وہ شراب اور خوک بھی کھاتے ہیں۔ کہا نہیں۔ ان چیزوں کے پاس بھی نہیں جاتے۔ فرمایا تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ اور تو اپنی مادر نابینا کے ساتھ ہمیشہ نیکی کرنا۔ وہ مرجائے تو اُن لوگوں کے حوالے نہ کرنا خود اُس کی تجہیز و تکفین بجالانا۔

زکریا کا بیان ہے کہ میں اس کے بعد کوفہ آیا اور اپنی ماں کی خدمت میں مصروف ہوا اپنے ہاتھ سے اُسے کھانا کھلاتا۔ اُس کے بدن اور کپڑوں سے جوئیں چُنتا اور اُسکی تمام خدمتیں خود انجام کرتا۔ اُس نے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ اے فرزند! پہلے تو تیری یہ حالت نہ تھی جب سے اس ملت سے نکل کر تو نے دین حنیف اختیار کیا ہے میری پرداخت زیادہ کرنے لگا ہے۔ یہ کیا بات ہے۔ کہا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے (علیہ السلام) نے مجھ کو تیری خدمت کے لیے بہت تاکید فرمائی ہے۔ اُس نے کہا کیا وہ خود بھی نبی ہے؟ میں نے کہا نہیں

اُن کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ الاّ وہ وصی نبی یعنی امام ہے۔ اُس نے کہا یہ دین تو بہت اچھا دین ہے۔ مجھے بھی اسے تلقین کر۔ زکریا نے اُسی وقت اپنی ماں کو عقائد حقّہ تعلیم کیے حتّےٰ کہ ظہر، عصر، مغرب اور عشا چار نمازیں اُس نے پڑھیں۔ رات کو بیمار پڑ کر جاں بحق ہوئی۔ صبح کو مسلمانوں نے اُسکی تجہیز و تکفین کی اور زکریا نے قبر میں اُتار کر ماں کو مدفون کیا۔

غلاموں کی آزادی

جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام جب کسی غلام کو آزاد کرتے تھے تو اُسکی آزادی کا سرخط ذیل کی عبارت میں تحریر فرماتے تھے۔

ھٰذا ما اعتق جعفر ابن محمد (علیہما السّلام) اعتق غلامًا فلان علی ان یشھد ان لا الٰہ الّا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ وانّ محمدًا عبدہٗ ورسولہ وانّ البعث حقّ وانّ الجنّۃ حقّ وانّ النّار حقّ وعلی انہ یوالی اولیآء اللہ ویتبرّآء اللہ ویحل حلال اللہ ویحرم حرام اللہ ویؤمن برسل اللہ ویقر بما جآء من عند اللہ اعتقہ لوجہ اللہ لا یرید منہ جزآءً ولا شکورًا ولیس لاحد علیہ سبیل الّا بخیر۔ شہد وا فلان وفلان۔

یعنی اس غلام کو جعفر ابن محمد علیہما السّلام نے ان شرائط پر آزاد کیا کہ وہ تمام عقائد حقّہ پر قائم رہے۔ اور حلال خدا کو حلال اور اُس کے حرام کو حرام سمجھے۔ اور انبیائے خدا علیٰ نبیّنا و آلہ و علیہم السّلام پر جو کچھ خدا کی طرف سے اترا اُس پر ایمان لائے اور اقرار کرے۔ اسکو میں نے محض خدا کی خوشنودی کے لیے آزاد کر دیا ہے۔ کسی بدلہ یا جزا کی امید رسے نہیں۔ اور کسی کو اس پر بجز نیکی کے دسترس نہیں۔ اسپر فلاں فلاں گواہ ہوئے۔

اور کبھی اس طرح تحریر فرماتے تھے۔

اعتق جعفر ابن محمد (علیہما السّلام) غلامہ فلان لوجہ اللہ لا یرید منہ جزآءً و شکورًا علی ان یقیم الصّلوٰۃ ویؤتی الزّکوٰۃ ویحج البیت ویصم شہر رمضان ویتولی اولیآء اللہ ویتبرآء من اعدآء اللہ۔ شہد فلان فلان۔

یعنی جعفر ابن محمد (علیہما السّلام) نے اس غلام کو محض خدا کی خوشنودی کے لیے آزاد کر دیا۔ نہ کسی بدلے یا شکر گزاری کی خواہش سے۔ یہ غلام اس شرط پر آزاد کیا گیا کہ نماز پڑھا کرے۔ زکوٰۃ دیا کرے۔ حج کیا کرے۔ اور ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھا کرے۔ دوستان خدا سے محبّت کرے اور دشمنان خدا سے بیزاری اختیار کرے۔ اس پر فلاں فلاں گواہ ہوئے۔

ذاتی وجاہت اور تاثیر جلالت

یہ تو اچھی طرح تمام دنیا کو معلوم ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال فرماتے ہی ان حضرات کے مدارج۔ مراتب۔ فضائل اور مناقب کے بھلا دینے اور اُن کو دنیا سے یک قلم اُٹھا دینے کی جی توڑ کوششیں ہونے لگیں۔ مگر باوجود ان شدید مخالفتوں کے بھی ان ذوات مقدسہ علیہم التحیۃ والثناء کی ذاتی وجاہت اور عظمت۔ اپنی تنگدستی اور عسرت کی موجودہ حالتوں میں بھی ایسی عظیم المنزلت اور رفیع المرتبت تھیں جو سلاطین روزگار اور متقدرین زمانہ کو اُن کے محل شاہی اور قصروں میں میسر نہیں ہو سکتی تھیں۔ ذیل میں چند واقعات ہم نمونہ کے طور پر قلمبند کرتے ہیں۔

محمد ابن سعید نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے درخواست کی کہ ایک رقعہ محمد ابن ثمالی کو لکھدیں کہ خراج لینے میں سختی نہ کیا کرے۔ فرمایا کہ محمد سے زبانی کہد ینا کہ جعفر ابن محمد (علیہما السلام) نے کہا ہے کہ جو ہمارے دوستوں کا اکرام کرتا ہے حق تعالے اُس کا اکرام کرتا ہے اور جو اُن کی اہانت کرتا ہے خدا اُس سے ناخوش ہوتا ہے۔ جس نے اُن پر احسان کیا ایسا ہے کہ گویا حضرت امیر المومنین علیہ السلام و جناب سید المرسلین صلوات اللہ علیہ وآلہ اجمعین پر بلکہ خود حضرت رب العالمین پر احسان کیا۔ اور وہ ہمارے ساتھ رتبہ اعلےٰ میں رفیق ہوگا۔

ابن سعید کا بیان ہے کہ میں نے یہ حدیث جس وقت محمد ابن ثمالی سے بیان کی وہ کہنے لگے سچ کہو تم نے یہ حدیث خاص آپ کی زبانی سُنی تھی۔ میں نے کہا ہاں واللہ میں نے یہ حدیث جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خاص زبانی سُنی ہے۔ کہا تو اچھا ذرا بیٹھ جاؤ اور اپنے غلام کو آواز دی اور پوچھا کہ محمد ابن سعید پر کتنا خراج باقی ہے۔ اُس نے کہا ساٹھ ہزار درہم۔ کہا اس کے نام سے محو کردو۔ اور پھر ایک کیسہ زر عطا کیا اور ایک گھوڑا سواری کا مع ساز وسامان اور ایک لونڈی خدمت کے لیے مجھے عطا کی۔

علی ابن ہبیرہ کہ جملہ حکام اور امرائے بنی عباس سے تھا اپنے غلام رفید نامی پر خفا ہوا تو وہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آکر پناہ گزیں ہوا۔ حضرت نے اُس سے فرمایا کہ اب اُس کے پاس جا اور میری جانب سے اُسے سلام کہہ اور بیان کر کہ میں نے تیرے غلام رفید کو پناہ دی۔ اب اُس کے ساتھ بدسلوکی نہ کرنا۔ غلام نے عرض کی۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں وہ شامی خبیث اس سے اور بھی چڑ جائے گا۔ فرمایا جو میں کہتا ہوں اُسے کر۔

الغرض رفید وہاں سے روانہ ہوا۔ راہ میں ایک اعرابی جو اُسکا شناسا تھا ملا۔ پوچھا کہاں جاتا ہے۔ قتل ہو جائے گا۔ پھر جو مضمون پیغام سُنا تو کہا جا تجھے کوئی اندیشہ نہیں۔ تیری پاس وہ پیغام ہے کہ اگر وہ کوہ ہائے سخت کو پہنچا دیا جائے تو وہ بھی مطیع و منقاد ہو جائیں۔ پس رفید ہبیرہ کے سامنے آیا تو اُسنے اُسکے قتل کا حکم دیا۔ رفید نے کہا کہ اے امیر! میں گرفتار ہو کر نہیں آیا ہوں بلکہ از خود حاضر ہوا ہوں۔ پہلے جو میں عرض کرتا ہوں وہ سُن لیا جائے پھر جو طبع میں آئے کیا جائے۔ کہا کیا کہنا چاہتا ہے۔ بیان کر۔ رفید نے کہا میرے اور تمہارے مولا جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے تمہیں سلام کہا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے رفید کو امان دی۔ تم اس کے ساتھ اب بدسلوکی نہ کرنا۔ ہبیرہ نے یہ سُنا تو اُس کی حالت بدل گئی۔ اور کہا کیا واللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ایسا کہا ہے۔ رفید کا بیان ہے کہ وہ مجھے قسمیں دیتا تھا اور بار بار یہی پوچھے جاتا تھا۔ حتّٰی کہ تین مرتبہ میں نے بہ قسمیہ بیان کیا کہ آپ نے یہی فرمایا ہے۔ ابن ہبیرہ نے میری مشکیں کھلوادیں اور کہا اب تو ویسے ہی میری مشکیں کسدے جیسی کہ تیری تھیں۔ میں نے کہا مجھ سے تو یہ نہ ہوگا۔ کہا تجھ کو کرنا ہوگا۔ ناچار رفید نے اُس کے ہاتھ باندھ دیے اور پھر فوراً ہی کھول ڈالے۔ اس کے بعد ابن ہبیرہ نے اپنی مُہر اُس کے حوالے کر دی اور کہا کہ میں نے آج سے تجھ کو اپنے تمامی امور میں سپید و سیاہ کا مالک کر دیا۔

یقطین۔ علی ابن یقطین کے پدر عالیمقدار ناقل ہیں کہ ایک سال خراج سلطانی مجھ سے ادا نہ ہو سکا۔ حاکم ہواز کی طرف سے جو بنی عباس کا عامل تھا مجھے سخت اندیشہ لگا تھا۔ ہر چند لوگ کہتے تھے کہ وہ مرد شیعہ مومن ہے اُس سے کوئی خوف نہیں۔ مگر مجھے اطمینان نہیں ہوتا تھا۔

آخر کار میں جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض حال کی۔ آپ نے ایک مختصر سا رقعہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ زیر عرش الٰہی ایک مقام ہے جہاں کوئی نہیں پہنچ سکتا الّا وہ شخص جس نے مظلوم کی داد دی ہو اور اُس کے غم و غصّہ کو برطرف کر دیا ہو۔ اور بہ دلجوئی و احسان اُس سے پیش آیا ہو۔ ہر چند کہ نصف دانۂ خرما ہی کیوں نہ ہو۔ حامل رقعۂ ہذا تیرا برادر مومن ہے۔ میں اسے تیرے حوالے کرتا ہوں۔ میں وہ خط لیکر اہواز میں گیا اور اطلاع کر دی کہ ایک قاصد حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کا دروازے پر حاضر ہے۔ حاکم یہ سُنتے ہی سر و پا برہنہ باہر نکل آیا اور میری پیشانی پر بوسہ دیکر کہا۔ اے میرے سیّد! تو ہی میرے مولا اور میرے امام حضرت جعفر صادق علیہ السّلام کا قاصد ہے۔ اگر یہ راست ہے تو تو میرے لیے باعث نجات آتش دوزخ ہے۔

اس کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر گھر میں لے گیا اور اپنی جگہ مسند پر بٹھلا دیا۔ خود بزانوئے ادب سامنے آبیٹھا اور کہا۔ اے سیّد میرے! میرے آقا کو کس حال میں چھوڑا۔ میں نے کہا وہ خیر و عافیت سے

ہیں۔ پس رقعہ کو لیکر مجھ سے پڑھا اور پھر اپنے سر اور آنکھوں سے لگایا اور منہ سے چوما اور کہا آج سے تو میرا بھائی ہے۔ جو خواہش رکھتا ہو بیان کر۔ میں نے کہا کہ کچھ روپیہ اموال دیوان سے میرے ذمہ باقی ہے کہ اُنکا ادا کرنا اس وقت میرے امکان سے باہر ہے اور وہ میری تباہی کا باعث ہے۔ فوراً حکم دیا کہ وہ رقم میرے نام سے محو کردیں۔ چنانچہ اُسی وقت اُس کی تعمیل کیگئی۔ پھر اپنے اموال کے صندوق منگائے اور تمام روپیہ نصفا نصف بانٹ دیا۔ بعدازاں اسپ و شتر و دیگر دواب وجملہ رخت واسباب خانہ حتےٰ کہ تمام غلام اور کنیزیں بالسویہ تقسیم کردیں اور کہا آیا تو خوش ہوا۔ میں نے کہا۔ اب اس سے زیادہ اور کیا خوش ہونگا۔

موسم حج آیا تو میں نے دل میں کہا کہ مقتضائے احسان امام زمان علیہ السلام یہ ہے کہ اُن حضرت کا شکریہ حضور میں حاضر ہو کر بالمشافہ بجالاؤں۔ اور اُس مرد مومن کا شکریہ بھی۔ اور خانۂ کعبہ میں اُسکے لیے دعائے خیر کروں۔ اور امام علیہ السلام سے ملتجی ہوں کہ اُس کے لیے آپ بھی دعا فرمائیں۔ میں یہ ارادہ کرکے حجاز کو روانہ ہوا۔ در دولت پر پہنچا تو مجھ کو آتا دیکھکر آثار مسرت و خوشحالی چہرۂ اقدس سے ظاہر ہوئے۔ نزدیک گیا تو پوچھا کہ فلاں شخص نے تیرے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ میں روداد بیان کرتا تھا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سُن سُن کر بشاش ہوتے جاتے تھے۔ پھر ارشاد کیا کہ مجھ کو اور میرے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین و جناب امیرالمومنین علیہ السلام و نیز حضرت ختم المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ حضرت رب العالمین کو اُسنے خوشنود اور رضامند کیا۔ جزاہ اللہ تعالےٰ احسن الجزا فی الدنیا والآخرۃ۔

کیفیت علوم جناب امام جعفر صادق علیہ السلام

قبل اس کے کہ ہم آپ کی جامعیت علوم اور کیفیت استعداد آپ کے اقوال وارشاد سے ثابت کریں مناسب ہے کہ اوپر کے لکھے ہوئے مضامین کی نسبت مختصر سی تفصیل ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

ان واقعات سے جو اوپر لکھے گئے ہیں آپکی جاہ وجلالت کے سوا ہمارے ابنائے زمانہ کا ہدایت بھی پورے طور سے ثابت ہوتی ہے۔ ہمارے بعض ذی وجاہت اور جلیل المراتب حضرات موجودہ زمانہ میں گورنمنٹ کے اعلےٰ اعلےٰ عہدوں پر سرفراز ہوتے ہیں وہ بالعکس اسکے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ ہم مذہبی۔ ہم قومی اور ہموطنی کی رعایتوں سے برفق و مدارا پیش آئیں اکثر اوقات اظہار کج خلقی کرتے ہیں۔ اور اُن سے ملنا جلنا اپنی موجودہ شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ وہ عبرت کی نگاہوں سے اپنے قدیم بزرگوں کے اخلاق واشفاق کو دیکھکر ہمدردی و رعایت اسلامی

اور اخوت ایمانی کا سبق حاصل فرمائیں تو انشاء اللہ تعالےٰ اُن کی صلاح دارین کا باعث ہوگا۔ واللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

استعداد و جامعیت

ہم اپنی کتاب کے تمام سلسلوں میں اوپر لکھ آئے ہیں کہ امام منصوص من اللہ کے لیے ظاہری تعلیم ضروری نہیں۔ اُن کی تحصیل و تکمیل کے لیے تمام ذرائع وہبی ہوتے ہیں نہ کسبی۔ وہ عام بچّوں کی طرح کسی خاص شخص سے کتاب کھول کر نہیں پڑھتے ہیں نہ اُنکو جزئیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نہ اُنکے لیے کوئی نصاب تعلیمی تیّار ہے۔ اُن کا معلم معلّم ازلی ہے۔ یا اُسکا رسول (علیہ السّلام) اور رسول کے بعد امام سابق امام لاحق کی تعلیم کا ذمّہ دار ہے۔ ان کے طبائع۔ انکے قلوب۔ انکے شعور۔ غرض تمام احساس و ادراک عام لوگوں کے طور پر نہیں ہوتے۔ تمام حقائق و معارف ان کے قلوب نورانی پر ذرا سی تحریک و تائید کے بعد قاطعاً منکشف اور کلیتاً منجلی ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السّلام امام کے علوم کی نسبت فرماتے ہیں علمنا غابر و مزبور و نکت فی القلوب و نقر فی الاسماع۔ خود ان کلمات کی تفسیر یوں ارشاد فرمائی جاتی ہے کہ علم غابر سے مراد علم آیندہ اور علم مزبور سے علم گزشتہ ہے۔ اور نکت فی القلوب سے دلوں میں جاگزیں ہونا یعنی خدا کی طرف سے الہام ہونا ہے۔ اور نقر فی الاسماع۔ یعنی ملائکہ کا کان میں کہنا۔ بحالیکہ اُن کے جسم دکھلائی نہ دیں۔

امام اور نبی میں فرق

امام اور نبی میں بہت بڑا فرق یہ بھی ہے کہ نبی کے سامنے فرشتہ ظاہر ہو کر پیغام زبانی پہنچاتا ہے اور امام کے کان میں وقت ضرورت ایک آواز آجاتی ہے۔ بغیر اس کے کہ کسی کہنے والے کو دیکھیں اسی لیے ان بزرگواروں کو محدّث بھی کہتے ہیں۔

پھر آپ ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں۔ عندنا جفر ابیض و جفر احمر۔ جفر کے لغوی معنی گوسفند۔ چار پایہ کے ہیں۔ جو اپنی ماں سے جدا ہوا ہو۔ اور مجازاً جلد گوسفند کو کہتے ہیں۔ اُس زمانہ میں قریب قریب تمام اشیاء پوست و استخوانہائے حیوانات پر لکھی جاتی تھیں۔ علمائے اہلسنّت کا عقیدہ ہے کہ جفر ایک کتاب ہے جس کو جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے جمع فرمایا تھا۔ اس میں وہ تمام علوم درج فرمائے گئے ہیں جس کی ضرورت قیامت تک انسان کو ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ صواعق محرقہ میں محی الدین عربی کی کتاب در مکنون کے

اسناد سے لکھا ہے۔

قال الامام جعفر صادق علیہ السلام علمنا غابر ومزبور وکتاب مسطور واو نکت فی القلوب ومفاتیح اسرار الغیوب ونقر فی الاسماع وعندنا الجفر الابیض والجفر الاحمر والجفر الاکبر والجفر الاصغر ومنا الفرس الغواص والفارس القناص فافهم هذا اللسان الغریب والبیان العجیب۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہمارے علوم غابر و مزبور ہیں اور خاص کتاب میں مسطور ہیں۔ وہ فرشتوں کے ذریعہ سے ہمارے قلب میں اُترتے ہیں اور کانوں میں بھی سنائی دیتے ہیں۔ ہمارے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ اور ہمارے پاس علم جفر ابیض۔ جفر احمر جفر اکبر اور جفر اصغر ہیں اور ہم ہی لوگوں میں فرس غواص اور فارس قناص ہیں۔ جو ان لسان غریب اور بیان عجیب کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ہم اس سلسلہ کی پہلی کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ علمائے اہلسنت کا یہ قول بھی ہے کہ علم جفر کی کتاب جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے جمع فرمائی ہے اور اس میں منصب عالی اور آپکے مفاخر ذکر ہیں۔ چنانچہ اُنہی امور کی طرف ابوالعلائے معرّی نے اشارہ کیا ہے۔

لقد عجبوا لآل البیت لمّا　　علمهم فی جلد جفر

ومرآة المنجّم وهی صغیری　　تریه کل عامرة وقفر

ہر آئینہ تعجب کرتے ہیں وہ درباره حضرات اہلبیت علیہم السلام کے جبکہ ظاہر ہوا علم اُن کا جلد جفر میں۔ حالانکہ منجموں کا آئینہ اس سے بھی چھوٹا ہوتا ہے لیکن وہ اس میں تمام آباد اور غیر آباد مقاموں کو دیکھ لیتا ہے۔ ابن قتیبہ اپنی کتاب ادب الکاتب میں اور امام شبلنجی معصری نور الابصار میں بھی ایسا ہی لکھتے ہیں۔

ملّا عبدالرحمن جامی شواہد النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ کتاب جفر مشہور ہے اور اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام علوم و اسرار درج ہیں۔ امام علی ابن موسے الرضا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں صریح طور پر اس کا ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ جب مامون الرشید نے انکو ولیعہد مقرر کیا تو اُسی وقت آپ نے ارشاد فرما دیا بالجعفر الجامعۃ یدلان علی خلاف ذالک جفر و جامعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عہد کبھی پورا نہ ہوگا۔

علّامہ شریف جرجانی شرح مواقف میں لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ دونوں کتابیں جناب امیر المومنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہیں اور ان میں سے دنیا کے واقعات روز قیامت تک استخراج کر سکتے ہیں۔ اور میں نے مصر میں اس کا ایک ورق

دیکھا تھا۔ جس میں اس ملک کے بادشاہوں کا حال لکھا تھا۔ قریب قریب یہی عبارت امام یافعی۔ امام مدینی۔ عبدالرحمٰن بسطامی۔ خواجہ محمد پارسا اور امام قندوزی نے بھی لکھی ہے۔ یہ روایتیں خاص سواد اعظم کے علمائے اعلم کی ہیں۔ علمائے اہلبیت علیہم السلام و رضوان اللہ علیہم کے نزدیک علم جفر اسرار امامت میں داخل ہیں۔ جس کا علم سوائے امام منصوص و منصوب منجانب اللہ اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مگر بُرا ہو تعصب اور نفسانیت کا کہ ان علوم مخصوصہ کو بھی عام کر دیا اور جسکو چاہا لکھدیا کہ وہ علم جفر میں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ چنانچہ تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے۔

کتاب علم جفر جو جناب امیر علیہ السلام کی جمع کی ہوئی ہے۔ وہ اولاد عبدالمومن ابن علی کو جو غالباً جناب اسمٰعیل ابن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد میں ہے وراثت میں پہنچی تھی۔ چنانچہ ابو محمد عبدالمومن ابن علی القیسی الکوفی نے محمد ابن تومرت معروف بہ مہدی کے مرنے پر اس کے افواج و سامان کے بدولت بلاد مغرب کی حکومت و فرمانروائی پائی۔ ابن تومرت مذکور کو کہیں سے کتاب جفر مل گئی تھی۔ اس میں اُسنے پڑھا تھا کہ عبدالمومن سلطنت بزرگ پر فائز ہوگا۔ بنابریں اُسکو تفحص کرکے نکالا اور ابھی وہ کمسن لڑکا ہی تھا کہ اُسکو اپنے ہمراہ لیا اور بہت عظمت و آداب کرتا تھا۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے بادشاہی حاصل کرے۔ مگر یہ امید اُس کی بر نہ آئی۔ اور وہ اُس وقت سے پہلے فوت ہوگیا۔ اس کے مرنے کے بعد عبدالمومن نے بہت سے ممالک مغربیہ فتح کیے تھے کہ ۵۳۳ھ ہجری میں اس کے حدود سلطنت ممالک افریقہ سے گزر کر حدود اسپین (اندلس) تک پہنچ گئے تھے۔ اُس وقت اُس نے اپنا نام امیر المومنین مقرر کیا۔

حقیقت امر تو یہ ہے کہ جفر و جامعہ وغیرہ۔ یہ تمام مقدس اشیاء کسی کو مل نہیں سکتے یہ تمام واقعات جو اس کی نسبت مشہور ہیں مصنوعی اور ساقط از اعتبار ہیں۔ یہ تبرکات مخصوصہ کسی کو مل نہیں سکتے۔ وہ ایک امام منصوص سے وراثتاً دوسرے امام کو پہنچتے ہیں۔ اور سب کے بعد حضرت صاحب الامر علیہ السلام عجل اللہ ظہورہ کی طرف منتقل ہوئے اور تا ایندم آپ ہی کے پاس مخزون ہیں۔

عبدالمومن کی سلطنت والی روایت کا جفر سے متخرج ہونا تسلیم کیا جا سکتا ہے مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ بلا وساطت امام علیہ السلام ابن تومرت کو پہنچ گئی۔ اور تمام کتاب کا اُس کے پاس کیا کسی کے پاس ہونا امکان سے باہر ہے۔ کاشف الحقائق۔

ہمارے فاضل معاصر اگر زیادہ تحقیق سے کام لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ سواد اعظم کا بھی ان علوم مخصوصہ کی نسبت یہی عقیدہ ہے۔ چنانچہ محمد محی الدین عربی لکھتے ہیں۔

ان الجفر یظہر اٰخر الزمان مع الامام المہدی علیہ السّلام ولا یعرف عن الحقیقتہ الا ھو۔ یعنی علم جفر آخر زمانہ دنیا میں جناب امام مہدی آخر الزمان علیہ السّلام عجل اللہ ظہورہ کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ اور سوائے آپ کے کوئی اس کی حقیقت سے آگاہ نہ ہوگا۔

علمائے شیعہ کے نزدیک علم جفر کی حقیقت

اب علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم کی تحقیق اس کی نسبت کیا ہے؟ کتاب مستطاب کافی میں مرقوم ہے کہ جفر ابیض ایک ظرف کا نام ہے جس میں توریت موسےٰ علیہ السّلام اور انجیل عیسےٰ علیہ السّلام اور زبور داؤد علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام۔ کتب سابقہ رہتی ہیں۔ اور اس میں تمام علوم انبیاء علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہم السّلام کے محفوظ ہیں۔

جفر احمر ایک ظرف چرمی ہے جس میں آنحضرت صلےٰ اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سلاح رکھے ہوئے ہیں۔ اس ظرف کو حضرت صاحب العصر امام مہدی علیہ السّلام کھولیں گے۔ اور اسی سے آراستہ و پیراستہ ہو کر کفّار و مشرکین سے جہاد فرمائیں گے۔ یہ وہی سلاح ہے جس کو ہشام ابن عبد الملک نے حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے طلب کیا تھا اور اُس کے لے لینے کی صدہا کوششیں کی تھیں مگر آپ نے نہ دی۔ نہ دی۔

صحیفۂ جامعہ ایک مکتوب کا نام ہے جو پوست گاؤ پر لکھا ہوا ہے۔ اُس مکتوب کا عرض و طول ستر ہاتھ ہے۔ اور جب یہ لپیٹا جاتا ہے تو ایک ران شتر کے برابر مدوّر ہو جاتا ہے۔ یہ علوم و اسرار کا وہ ذخیرہ ہے جسے جناب رسول خدا صلےٰ اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بتلایا اور حضرت امیر المومنین علی مرتضےٰ علیہ السّلام نے اپنے خاص دست مبارک سے لکھا۔ اس میں حلال و حرام کے احکام تمام درج ہیں جس کی ضرورت عام طور سے تمام خلقت کو ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک خراش تک کی پاداش اس میں مندرج ہے اور ایک تازیانہ و نصف تازیانہ تک کی تعزیر تحریر ہے۔

ابو بصیرؓ کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کے راویان مستند اور اصحاب معتمد سے ہیں نقل کرتے ہیں کہ ایک بار میں نے کچھ چیزوں کی علامتیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے پوچھیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابو محمد تم کوفہ واپس جاؤ گے تو تمہارے ایک فرزند ہوگا جس کا نام عیسےٰ ہوگا عیسےٰ کے بعد موسےٰ ہوگا۔ ان دونوں کے بعد دو لڑکیاں ہونگی۔ تمہارے ان دونوں بیٹوں کا نام ہمارے صحیفہ میں درج ہے۔ جہاں ہمارے شیعوں کے نام مع اُن کے والدین کے ہوں گے درج ہیں۔

انہی کتب مخصوصہ اور علوم محفوظہ کی طرح ایک اور کتاب مطہر ہے جسے صحیفۂ فاطمہ علیہا السلام کہتے ہیں۔ اُس کی ماہیت یوں ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جناب سیدۃ نساء العالمین بضعۃ حضرت ختم المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اپنے پدر عالیمقدار حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کل پچھتر روز دنیا میں زندہ رہیں۔ بہ سبب مفارقت جناب ختمی مرتبت سلام اللہ علیہ وآلہ والتحیۃ ہمیشہ ملول ومحزون رہا کرتی تھیں۔ لہٰذا حضرت جبرئیل امین منجانب رب العالمین آئے تھے اور اُن کی تعزیت وتسلی فرماتے تھے اور احوال جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مقام قیام آنحضرت کا بیان فرماتے تھے اور حالت آئندہ آپ کی اور آپ کی ذریات طاہرہ کی ودیگر واقعات وحادثات دنیاوی تایوم قیامت جناب سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی تشفی اور تسلی کے لیے نقل فرماتے تھے۔ جناب امیرالمومنین علیہ السلام ان جملہ کوائف اور وقائع کو قلمبند فرماتے تھے تا آنکہ رفتہ رفتہ وہ کتاب قرآن مجید سے بھی زیادہ ضخیم ہوگئی۔

جناب صادق آل محمد علیہ السلام اس صحیفۂ مقدس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس میں احکام حرام وحلال مطلق نہیں ہیں۔ صرف واقعات آئندہ تحریر ہیں۔ اور روز قیامت تک جس قدر بادشاہ روئے زمین پر ہونے والے ہیں سب کے نام اس میں درج ہیں۔ آپ کے اس قول کی تصدیق اس واقعہ سے پورے طور پر ہوتی ہے کہ جب محمد نفس زکیہ نے منصور پر فوج کشی کی تو حضرت نے انہیں منع فرمایا۔ اور ارشاد کیا کہ تمہارا نام ہماری کتاب (مصحف فاطمہ علیہا السلام) میں نہیں ہے۔

نیز ابو بصیر سے مروی ہے کہ حضرت داؤدؑ وارث علوم انبیاءؑ تھے۔ اور سلیمان علیہ السلام کو اُن سے میراث ملی اور جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے اور ہم (یعنی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام) وارثان جناب ختم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ہمارے پاس ہیں صحف ابراہیم علے نبینا وآلہ علیہ السلام۔ الواح موسےٰ علے نبینا وآلہ وعلیہ السلام۔ ابو بصیر نے کہا کہ ان ھذا لھو العلم بیشک جسے علم کہتے ہیں وہ یہی ہے۔

ابو بصیر کا یہ قول سُنکر آپ نے فرمایا۔ یہی علم نہیں ہے۔ اسکے سوا بھی ہم کو رات دن بلکہ ہر ساعت تازہ علوم اور جدید واقفیات برابر حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہمارے علوم تمام ہو جائیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اذا اراد الامام ان یعلم شیئاً اعلمہ اللہ ذٰلک۔ جب امام کسی امر کی حقیقت معلوم کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے تو حق سبحانہ وتعالےٰ اُس کو بتلا دیتا ہے۔

اسی طرح ابو حمزہ ثمالی سے فرمایا کہ الواح موسٰے علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام اور اُنکا عصا ہمارے پاس ہے اور ہم وارث ہیں جملہ انبیاء علیہم السّلام کے۔

امام اسلحۂ رسول صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا وارث ہے۔ کسی نے عرض کی کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شمشیر جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم عبد اللہ ابن حسن کے پاس ہے۔ فرمایا وہ غلط کہتے ہیں۔ عبد اللہ نے کبھی اُس شمشیر کو دیکھا بھی نہ ہوگا۔ مگر ہاں شاید امام زین العابدین علیہ السّلام کے پاس دور سے دکھائی دی ہو۔ اگر وہ راست گو ہیں تو بتائیں کہ اُسکا قبضہ کیسا ہی اور اُس کی دھار کے پاس کیسا نشان ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ تلوار میرے پاس ہے۔

اس کے علاوہ ایک علم (نشان) آنحضرت صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے جسے مغلبہ کہتے ہیں اور الواح موسے وعصائے موسٰے وخاتم سلیمان اور طشت موسٰے علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہم السّلام جس میں وہ قربانی کیا کرتے تھے۔ یہ سب چیزیں ہمارے پاس ہیں۔ نیز وہ اسم بھی ہمارے پاس ہے جس کو جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کفّار وسلمین کے درمیان رکھدیتے تھے تو مشرکین کا ایک تیر بھی مسلمانوں پر کارگر نہیں ہوتا تھا تحقیق کہ ہم لوگوں کی (ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین) اُس تابوت کی مثال ہے جسے ملائکہ طالوت کے لیے لائے تھے کیونکہ سلاح رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ہمارے نزدیک بھی وہی حکم ہے جو تابوت بنی اسرائیل کا۔ اور وہ یہ تھی کہ جس گھر میں تابوت ہوتا تھا اُسی گھر میں نبوّت ہوتی تھی۔ ایسا ہی ہمارے یہاں۔ جہاں سلاح رسول مقبول ہے وہیں امامت ہے۔

فرقۂ دہریہ یا منکران وجود باری تعالےٰ سے مناظرے

اب ہم اپنے آیندہ مضامین میں آپ کے علوم وجامعیّت کے متعلق وہ واقعات لکھتے ہیں جن سے آپ کے فضل وکمال کا پورا پتہ لگتا ہے اس میں شک نہیں کہ آپ کے علوم و معارف کی شہرت سنکر دور دور سے لوگ آپ کی زیارت کو آتے تھے۔ اُن لوگوں سے جو مکالمے اور مباحثے پیش آئے ہیں، خصوصًا منکرین وجود سے، وہ اس کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ اگر ہم اُن کو اپنے سلسلۂ بیان میں بالترتیب مندرج کریں تو غالبًا ہم کو علم کلام کا ایک کامل دفتر علیحدہ مرتب کرنا ہوگا۔

اس لیے ہم ان واقعات کی تفصیل سے قطع نظر کرکے صرف چند واقعات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

جعد ابن درہم نے جو اس وقت فرقہ دہریوں کا راس الرئیس تھا کچھ مٹی اور پانی ایک شیشہ

یں رکھ چھوڑے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اُس کے اندر کرم پیدا ہو گئے تو وہ دعوے کرنے لگا کہ میں نے اُن کو پیدا کیا ہے کیونکہ انکی علت اور خلقت کا باعث میں ہوا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے سُنا تو اُسے بُلایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تو ان کا خالق ہے تو بتلا دے کہ تیرے یہ بنائے ہوئے کیڑے تعداد میں کتنے ہیں۔ اور پھر اُن میں نر کتنے ہیں اور مادہ کتنے۔ پھر اُن میں سے ہر ایک کا کتنا وزن ہے۔ اور جو ان میں سے ایک سمت کو جا رہے ہیں اُسے امر کر دے کہ وہ دوسری جانب کو پلٹ جائے۔ آپ کے یہ کلام ہدایت التیام سُنکر اُسکے حواس جاتے رہے۔ کچھ جواب نہ چل سکا۔ آخر نادم ہو کر چلا گیا۔

ابو شاکر دیصانی جو منکر خدا اور دہریہ تھا۔ ایک مرتبہ ہشام سے کہنے لگا کہ قرآن مجید میں ایک آیہ ہے جو ہمارے عقیدے کے موافق اور تمہارے عقائد کے مخالف ہے۔ کہا وہ کونسی آیت ہے۔ وہ بولا وھو الذی فی السّمآء الہ و فی الارض الہ۔ یعنی خدا وہ ہے کہ آسمان میں خدا ہے اور زمین میں خدا ہے۔ ہشام نے اس آیہ کے معنی میں غور نہ کیا۔ خاموش ہو گئے۔ مدینہ میں آئے تو جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ ارشاد ہوا ایسا سوال کرنے والا بڑا خبیث ہے۔ اب تم سے ملے تو کہنا کہ تیرا نام کیا ہے؟ وہ بتلائے گا۔ پھر پوچھنا کہ بصرے میں تمہارا کیا نام ہے تو وہ وہی بتلائے گا۔ تم اُس وقت اُس سے کہدینا کہ ایسا ہی ہمارا بھی خدا ہے کہ آسمان پر بھی خدا ہے اور زمین پر بھی خدا ہے۔ اور خشکی و تری و دشت و جبل میں بھی وہی ایک خدا ہے۔ ہشام نے شاکر سے بجنسہ ایسے ہی سوال کیے تو وہ کہنے لگا ھذا اما نقلتہ الابل من الحجاز۔ یہ جواب حجاز سے اونٹوں پر لد کر آئے ہیں۔ تمہارے نہیں ہیں۔

ابو شاکر تائب ہوا

ایک مرتبہ یہی دیصانی صاحب جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کرنے لگے کہ مجھے عقائد حقہ بتلائیے اور چاہ ضلالت سے نکال کر راہ ہدایت پر لگائیے۔

آپ نے ارشاد فرمایا ذرا صبر کر اور بیٹھ جا۔ اتنے میں ایک لڑکا ایک مرغی کا انڈا ہاتھ میں لیے اُدھر سے نکلا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اُسے بُلایا اور وہ بیضہ مرغ اُس سے لے لیا۔ اور ہتھیلی پر رکھکر فرمایا کہ اے دیصانی دیکھ۔ یہ ایک قلعہ مستحکم اور استوار ہے کوئی دروازہ اس میں نہیں ہے۔ اس کے اوپر ایک جلد سخت اور پتھر کے ایسی ہے۔ اور

اُس کے نیچے ایک نرم اور باریک جھلی ہے۔ ان دونوں کے اندر ایک سفید و زرد شے مثل طلاء و نقرۂ مائعہ کے الگ تھلگ ہے۔ نہ زردی اُس کی سفیدی سے مخلوط ہوتی ہے نہ سفیدی زردی سے۔ یہ دونوں شے اس حالت پر ہیں۔ نہ کوئی اصلاح کرنے والا اور سنوارنے والا اس میں داخل ہوتا ہے۔ نہ بگاڑنے والا اس سے باہر نکلتا ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اس سے نر پیدا ہوگا کہ مادہ۔ مگر وہ دفعۃً شق ہوتا ہے اور ایک طائر خوشنما مثل طاؤس اُس سے باہر آتا ہے۔ آیا تیری عقل باور کرتی ہے کہ یہ سب کچھ بغیر صانع علیم و قدیر اور لطیف و خبیر کے آپ ہی آپ وجود میں آجاتا ہے۔

دیصانی نے یہ سُنکر اپنا سر جُھکا لیا اور پھر سر اُٹھا کر کہنے لگا اشہد ان لآ الٰہ الّا اللّٰہ گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی اور معبود نہیں ہے۔ اور جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے برحق رسول اور فرستادہ ہیں۔ اور تم حجّت خدا اور نائب رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہو۔ اب اس وقت سے میں اپنے عقائد باطلہ سے تائب ہوا۔

ایک مرتبہ ایک مصر کا رہنے والا دہریہ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ آپ اُن دنوں مکّہ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں تشریف رکھتے تھے۔ مجلس ہمایوں میں پہنچا تو آپ نے اُس سے اُس کا نام پوچھا۔ اُس نے کہا عبد الملک۔ اور کنیّت پوچھی تو کہا ابو عبد اللہ۔ یہ سُنکر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ملک تو جس کا عبد اور بندہ ہے آیا ملوک آسمان سے ہے یا ملوک زمین سے۔ اور وہ خدا جس کا تیرا بیٹا بندہ ہے خدائے آسمان ہے یا خدائے زمین؟ زندیق نے کچھ جواب نہ دیا۔ خاموش رہ گیا۔ پھر آپنے پوچھا تو کبھی زمین کے نیچے گیا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا جانتا ہے اس کے نیچے کیا ہے؟ کہا نہیں۔ مگر گمان ہے کہ کچھ نہ ہوگا۔ فرمایا گمان کا کام نہیں۔ یہاں یقین درکار ہے۔ پھر پوچھا کہ کبھی آسمان پر چڑھا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا جانتا ہے کہ وہاں کیا ہے؟ کہا نہیں۔ پھر پوچھا کہ مشرق و مغرب کی بھی سیر کی ہے اور اُن کے حدود کے آگے کا کچھ حال بھی تجھے معلوم ہے؟ کہا نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ تعجب ہے کہ جب تجھے زیر و بالائے زمین و آسمان اور پشت مشرق و مغرب کا حال نہیں معلوم ہے۔ باوجود اس جہالت کے وجود حضرت باری تعالےٰ سے انکار ہے۔ اے مرد جاہل نادان کو مرد دانا پر کوئی حجّت نہیں ہے۔ پھر فرمایا تو دیکھتا ہے کہ چاند۔ سورج۔ رات۔ دن۔ ایک طریقہ پر رواں ہیں۔ ضرور مضطر اور مجبور رہونگے۔ جو اس طریق سے تجاوز نہیں کرسکتے۔ اگر مقدور ہوتا تو ایک مرتبہ جاکر واپس نہ آتے۔ اگر وہ مجبور نہیں تو کس لیے رات کی جگہ دن اور دن کی جگہ رات نہیں ہوجاتی۔ تو اس آسمان بلند اور زمین پست پر غور نہیں کرتا کہ کیوں آسمان زمین پر آ نہیں رہتا۔ اور کس واسطے زمین اُسکے نیچے

دب نہیں جاتی۔ کس نے انہیں تھام رکھا ہے۔ جس نے انہیں تھام رکھا ہے وہی قادر مطلق ہے وہی ہمارا اور اُنکا خدا ہے۔ یہ سُنکر اُس دہریہ نے کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔

علمائے نصاریٰ کا ایک ڈپوٹیشن دو خدا مناظرے کے قصد سے جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضرات موسٰے۔ عیسٰے اور جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم رتبہ میں سب برابر ہیں کیونکہ ان تینوں بزرگواروں کو ایک ایک کتاب عطا ہوئی ہے۔ اور علیحدہ علیحدہ شریعتیں رکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم علم و فضیلت میں اُن حضرات سے بڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ حق سبحانہ وتعالےٰ نے جو علم انہیں دیا ہے وہ کسی کو نہیں۔

نصاریٰ نے عرض کی کہ کسی آیۂ قرآنی سے اس کا ثبوت دیجیے۔ آپ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ دیکھو حضرت موسٰے کے لیے فرمایا گیا ہے وکتبنا لہ فی الالواح من کل شیءٍ۔ میں نے تمام چیزوں سے تھوڑا تھوڑا اُس کے لیے تختیوں میں لکھدیا ہے۔ اور جناب عیسٰے کی طرف اشارہ ہے ولابیّن لکم بعض الذی تختلفون فیہ۔ جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو اُن میں سے بعض کو میں بیان کرونگا اور ہمارے حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حق میں ارشاد ہوتا ہے ونزّلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیءٍ۔ ہم نے تیرے لیے ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کی شرح اور بیان موجود ہے۔

معتزلہ کی تنبیہ

عمر ابن عبید معتزلی جو فرقۂ معتزلہ کا پیشوا اور امام وقت تھا اور جس کے چند مسائل کا جواب ہم جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی کتاب میں لکھ بھی چکے ہیں ایک مرتبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس آیۂ وافی ہدایہ کو تلاوت کیا۔ الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش۔ عرض کی کہ گناہان کبیرہ کو ازروئے نصوص قرآنی بیان فرمایئے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ شرک ہے جیسا کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے ومن یشرک باللہ فقد حرم علیہ الجنۃ۔ جس نے شرک ذات خدا میں کیا اُس پر بہشت حرام ہوگئی۔ خدا کی ذات اور رحمت سے مایوس ہونا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ ارشاد ہوا ہے ولا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔ نہیں مایوس ہوتے رحمت خدا سے مگر وہی لوگ جو کافر ہوتے ہیں۔ عقوق والدین بھی گناہ کبیرہ ہے۔ خدا فرماتا ہے وجباراً شقیاً۔ خون ناحق بھی گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے فجزآئہ جھنم خالداً فیھا۔ ہمیشہ جہنم میں رہنا اُسکا بدلہ ہے۔

زن شوہر دار کو زنا کی تہمت لگانا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ ارشاد فرماتا ہے لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب الیم۔ اُن پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہینگے۔ مال یتیم کھالینا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ فرماتا ہے انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا۔ بجز اسکے نہیں کہ وہ اپنے شکموں میں آگ کھاتے ہیں اور وہ عنقریب جہنم کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ معرکہ جہاد سے بھاگنا بھی گناہ کبیرہ ہے ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جہنم وبئس المصیر۔ جو ان کی جانب سے مُنہ پھیرے اُس روز سوائے اسکے کہ پھرے وہ لڑائی کی طرف یا واسطے جاگیر ہونے کے کسی گروہ کے درمیان پس پھرا وہ غضب خدا کی طرف اور اُس کی جگہ پناہ کی جہنم ہے۔ اور اُسکا بُرا ٹھکانا ہے۔ سود کھانا بھی گناہ کبیرہ ہے ارشاد ہوا ہے۔ الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس۔ جو لوگ کہ سود کھاتے ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں شیطان نے مس کرکے مخبوط بنا رکھا ہے۔ سحر کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ فرمایا گیا ہے ولقد علموا لمن اشتراہ مالہ فی الاخرۃ من خلاق۔ زنا کرنا بھی گناہ کبیرہ میں داخل ہے۔ فرماتا ہے من یفعل ذالک یلق اثاما ویخلد فیھا مھانا۔ جو ایسا کرتے ہیں وہ سخت گناہ سے دوچار ہوتے ہیں جھوٹی قسم کھانا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ حق سبحانہ وتعالے ارشاد فرماتا ہے یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا اولئک لاخلق لھم فی الاخلاق جو خدا کے وعدے اور اپنے معاہد کو تھوڑے داموں پر بیچ ڈالتے ہیں۔ اُنکی خلقت کو اخلاق سے واسطہ نہیں ہے۔ خرید و فروخت میں گھٹ بڑھ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ حق تعالے ارشاد فرماتا ہے ومن یغلل یات بما غل بہ یوم القیامۃ۔ جیسی گھٹ بڑھ کریگا اُسی کے ساتھ قیامت میں گرفتار اور مشغول الذمہ ہوگا۔ زکوۃ واجب کا نہ دینا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ حق تعالے فرماتا ہے فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم۔ یعنی چاندی اور سونے سے اُنکی پیشانیاں اُنکے پہلو اور اُن کی پیٹھ داغ دی جائے گی۔ کتمان شہادت بھی گناہ کبیرہ میں داخل ہے خالق عزوجل قران مجید میں ارشاد فرماتا ہے ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ۔ جو اسے چھپائے اُس کا دل گنہگار ہو جاتا ہے۔ شراب کا پینا بھی ویسا ہی منع ہے جیسا کہ بتوں کا پوجا کرنا اور عمداً نماز کا ترک کرنا بھی۔ ایسے آدمی کے حق میں جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے فقد برء ذمۃ اللہ ورسولہ منہ۔ خدا اور رسول کی ذمہ داری سے ایسا شخص نکل گیا۔ نکث عہد اور قطع رحم بھی اسی میں شامل ہے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے

لهم اللعنة ولهم سوء الدار۔ اُنپر لعنت ہے اور اُنکے لیے بُرا گھر ہے۔
جب عمر ابن عبید نے آپ کے یہ ارشاد سُنے تو بیساختہ رونے لگا۔ روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا ھلك من قال برآئة وتازعکم فی الفضل والعلم۔ جس نے اپنی رائے اور قیاس سے کام لیا اور تم سے علم وفضل میں مقابلہ کیا وہ ضرور ہلاک ہوا۔

ابوالعوجاء سے مناظرے

کچھ تو اعوجاج اسکی خلقت میں تھا ہی جس پر اس کا نام ہی دلالت کرتا ہے اور کچھ حسن بصری کے پاس رہکر اسکی تلون مزاجی اور رنگارنگ کی عقیدت کے سونے پر سہاگہ ہوگیا اور اُس کے قیاسی شیطان نے اُسکو ایسا بھڑکایا اور اسلام کی طرف سے اُسکو ایسا متنفر بنایا کہ پھر دین اسلام کی طرف رجوع نہ ہوا۔
یہ شخص دہریہ ہونے کے علاوہ مُنہ پھٹ۔ بدزبان بھی انتہا درجہ کا تھا۔ اس وجہ سے عرب میں کوئی شخص اس دریدہ دہن کے ساتھ بات کرنے کا روادار نہیں ہوتا تھا۔ اسی انکار اور تمرد کے جوش میں مکہ معظمہ میں آیا اور وہاں اپنے لوگوں کی ایسی جماعت کو ساتھ لیکر جناب صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے ابوعبداللہ (علیہ السلام) اگرچہ مجلس تعلیم وادب ولحاظ کے مقامات ہوتے ہیں مگر جس شخص کو کھانسی آئے وہ بغیر کھانسے نہیں رہ سکتا۔ پس آپ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ سے کچھ کلام کروں۔ آپنے ارشاد فرمایا ہاں۔ اجازت ہے۔ جو چاہو پوچھو۔ ابوالعوجاء نے مراسم حج اور حجاج کے متعلق استہزاء کرتے ہوئے اپنے سلسلۂ بیان کو یوں شروع کیا کہ یہ لوگ کب تک اس زمین کو پاؤں سے روندا کرینگے اور کہاں تک ان پتھروں کو اپنا ملجا وماوا بنائے رہیں گے۔ اور کتنے عرصہ تک پتھروں اور ڈھیلوں کی پرستش کیا کریں گے۔ اور شتران گرگیختہ کی طرح اس کے چاروں طرف گھومتے رہیں گے۔ اگر یہ لوگ تھوڑا غور کریں تو معلوم ہوجائیگا کہ یہ تمام جاہلوں اور نادانوں کے افعال ہیں۔ چونکہ آپ تمام مسلمانوں کے سید وسردار اور بانی اسلام علیہ وآلہ السلام کے لخت جگر اور یادگار ہیں اس لیے عرض ہے کہ ان امور کے متعلق کچھ ٹھکانے کی باتیں ارشاد فرمائی جائیں اور ان حرکات وسکنات کے اصلی اور حقیقی اغراض بیان ہوں۔
جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی چشم بصیرت جاتی رہتی اور جو آدمی کہ چاہ ضلالت میں گر پڑتا ہے تو اُس کے نزدیک پھر حق صریح بھی امر باطل قبیح معلوم ہوتا ہے۔ اور شیطان اُس کا رفیق وہمدم بنکر اُس کو گرداب غوایت اور ہلاکت ع

کسی طرح نہیں نکلنے دیتا۔ اور اُس میں ایسا دھکیل دیتا ہے کہ اُس سے پھر نکلنے کی کوئی امید نہیں کی جاتی۔

اب اپنے اعتراضات کا جواب بھی سُن لے۔ حقیقت میں حرم محترم خانۂ خدا ہے کہ وہ سبحانہ وتعالےٰ اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں کی بندگی کا امتحان لیتا ہے۔ اس لیے اُسکی تعظیم وحرمت کی تاکید اور اُس کی زیارت کی ترغیب فرمائی ہے اور اُسکو انبیاء علیہم السلام کا مقام عبادت اور دینداروں کا قبلہ قرار دیا ہے۔ یہ اُس کی رحمت ورضوان کا وسیلہ اور اُس کی بخشش وغفران کا ذریعہ ہے۔ جس کو اُس نے اپنی عظمت وجلال سے تمام دنیا کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل پیدا کیا ہے۔ ہماری عبودیت کی شان اور ہمارا فرض یہی ہے کہ ہم اپنے خدائے عزّوجل کے حکم کی پیروی کریں اور جس غرض سے اُس نے اسے پیدا کیا اور بنا فرمایا ہم ویسا ہی سمجھیں۔

یہ سنکر ابوالعوجاء کہنے لگا کہ آپ نے خدا کا ذکر کرکے ایک غائب شے سے اپنے کلام کی استدلال قائم کی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے۔ وہ تو ہر جگہ اور ہر وقت حاضر وناظر ہے۔ اور تیری شہ رگ سے قریب تر ہے۔ ونحن اقرب الیه من حبل الوریدؕ وہ ہماری باتوں کو سنتا۔ ہمارے اشخاص کو دیکھتا اور ہمارے دل کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔

ابوالعوجاء نے کہا کہ خدا کا ہر جگہ رہنا آپ کیسے ثابت کرسکتے ہیں۔ اگر وہ زمین پر ہے تو آسمان پر کیسے گیا اور اگر آسمان پر ہے تو زمین پر کیسے آیا۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر وہ ایک مکان میں ہو تو البتہ اُس سے دوسرا خالی ہوسکتا ہے۔ مگر یہ صفات مخلوق سے ہے۔ خدائے عظیم الشان اور جلیل البرہان اس سے بھی بزرگ تر ہے کہ کوئی مکان اسے احاطہ کرے یا ایک جگہ ہو تو اُس سے دوسرا مقام خالی ہو۔ وہ لطیف وخبیر ہر مقام میں موجود ہے اور ہر شے کے حال سے پورا واقف ہے۔ علامۂ طبرسی علیہ الرحمہ نے اس روایت کو یہیں تک لکھکر تمام کردیا ہے اور ارشاد شیخ مفید نور اللہ مرقدہ میں اتنا اور اضافہ فرمایا ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے یہ بھی فرمایا کہ بہت بڑی دلیل وجود حضرت باری تعالےٰ واقدس کی یہی ہے کہ اُس نے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسا برگزیدہ نبی کو اپنے بندوں پر مبعوث فرمایا۔ خدا کے وجود کے علاوہ اب اگر تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت میں بھی کچھ شبہہ رکھتا ہو تو بیان کر اُسکو بھی میں دلائل وبرہان سے تجھ پر واضح کردوں۔ حضرت یہ کلام فرماتے جاتے تھے اور ابوالعوجاء نقش بدیوار بنا خاموش بیٹھا تھا۔ آخر وہاں سے اُٹھا اور ابن طالوت۔ ابن اعمےٰ اور ابن مقنع

وغیرہ سے جن لوگوں نے اُسکو آپ سے مقابلہ و مباحثہ کرنے کے لیے اُبھارا تھا کہنے لگا کہ میں تو تمہاری فرمائش کو کھیل سمجھتا تھا مگر تم نے تو آتش سوزاں میں جھونک دیا۔ اُن لوگوں نے کہا خموش رہ۔ تیرے حیران اور لاجواب رہجانے نے ہم لوگوں کو رسوا اور ذلیل کر دیا۔ اُس نے کہا تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ مگر تم نہیں جانتے کہ یہ کون ہیں۔ اور کس کے فرزند ہیں۔ یہ اُسکے فرزند ہیں جس نے ان سب کے (حاضرین حجاج کی طرف اشارہ کرکے) سر مُنڈوائے ہیں یعنی آپ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے فرزند ہیں۔

دوسرا مناظرہ

ابن ابی العوجاء پھر ایک بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ ای ابو العوجاء تو مصنوع و مخلوق خدا ہے یا غیر مصنوع۔ کہا میں کسی کا مصنوع و مخلوق نہیں ہوں۔ آپنے اُس خود رو سے پوچھا کہ اگر تو غیر مصنوع ہے تو کیسے؟ ابو العوجاء اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

تیسرے سوال کا جواب

ایک مرتبہ اُس دریدہ دہن نے کہا کہ حشر۔ نشر۔ حساب۔ کتاب۔ بہشت اور دوزخ کچھ بھی نہیں۔ آپ نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ اگر یہ صحیح ہے جیسا تو کہتا ہے تو تو نے نجات پائی اور ہمارے لیے بھی کوئی وجہ اندیشہ نہیں۔ اور اگر تیرا قول غلط نکلا اور ہمارا عقیدہ انکی نسبت درست رہا تو پھر تیرے لیے نجات کی صورت نہیں۔

چوتھا مکالمہ

حفص ابن غیاث جو اعظم ترین تابعین اہلسنّت سے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ابن ابو العوجاء نے حاضر خدمت ہوکر عرض کی کہ آپ اس آیہ کے کیا معنی لگاتے ہیں۔ کلما نضجت جلودھم بدّلناھم جلودا غیرھا۔ یعنی جب ان کی (اہل جہنم کی) کھالیں جل جائینگی تو ہم اُن کو اور کھالیں بدلدینگے۔ جن جلدوں نے معصیت کی تھی جب وہ جل گئیں تو اب دوسری جلدوں کا کیا قصور۔ فرمایا یہ پہلی ہی کھالیں ہونگی۔ صرف صورت کی اُلٹا پلٹی ہے۔ جس طرح خشت خام کو کوئی توڑے تو وہ مٹی ہو جائے گی۔ پھر اُسکو تر کے سانچے میں ڈھالنے سے خشت ہو جائے گی۔ ایسا ہی جلدیں اہل دوزخ کی جلنے کے بعد خدائے قدیر کے حکم سے درست و تیار ہو جائیں گی۔

پھر اُس نے سوال کیا کہ آدمیوں کو مختلف طریقوں سے موت آتی ہے۔ کوئی مرض شکم سے مرتا ہے۔ کوئی سِل سے۔ کوئی دق سے۔ اگر ایک مرض موت کے لیے مقرر ہوتا تو کیا بُرا تھا؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایسا ہوتا تو خلائق مرض کے ہوتے تک حوادث موت سے بیخوف ہوجاتے اور جناب باری تعالٰی عز اسمہ موت سے کسی بندہ کا کسی وقت بیخوف ہوجانا پسند نہیں کرتا ہے۔

غافل ز احتیاط نفس یک نفس مباش ‌ ‌ ‌ شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود

تلاش معاش اور اعتدال اختیار کرنیکے لیے مفید ہدایتیں

سفیان ثوری سواد اعظم کے اکابر دین اور ائمۂ مجتہدین سے ہیں۔ اور آج تک خیر التابعین کے ممتاز لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ اوّل سر آمد علمائے اعلام حضرت عبداللہ ابن عباس۔ پھر عمر۔ پھر شعبی۔ پھر سفیان ثوری۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان)

بہر حال سفیان ثوری بھی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے خوان علم و معرفت کے زلّہ رباؤں اور آپ کے شاگردوں میں تھے۔ مگر طمع دنیاوی بہت بڑی شے ہے۔ یہ بھی رفتار زمانہ دیکھکر ابو حنیفہ کی طرح اپنا جُدا رنگ جمانا چاہتے تھے۔ اس لیے امام علیہ السلام کا فروغ ان سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مسجد الحرام میں تشریف رکھتے تھے اور لباس سفید و باریک آپ کے بدن پر تھا۔ سفیان نے اس لباس سے آپ کو دیکھکر اپنے اصحاب سے کہا کہ میں جاتا ہوں اور اس شخص کو کہ امام روافض ہے بند و لاجواب کرتا ہوں۔ یہ کہکر آپ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ایسے جامہائے بیش قیمت کبھی آپکے جدّ امجد سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ اجمعین بھی پہنا کرتے تھے؟

آپ نے اس اعتراض کا جواب معقول اس طرح دیا کہ اے سفیان! وہ زمانہ مسلمانوں کی ثروت اور فلاحت کا نہیں تھا۔ اس لیے جناب ختمی مرتبت علیہ وآلہ السلام والتحیۃ عامۃ المسلمین کی رعایت فرماتے تھے اور گرانبہا لباس نہیں پہنتے تھے۔ اب وہ بات نہیں تو ایسے لباس کے پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں رہا۔ اُس پر بھی یہ لباس میں نے اپنے واہب العطایا کے اظہار شکریہ کی غرض سے پہنا ہے۔ یہ کہکر اپنے دامن قبا کو اُٹھایا اور دکھلا کر ارشاد فرمایا کہ یہ پیرہن خشن (بالوں کا بُنا ہوا موٹا کپڑا) ہے۔ پھر دست مبارک بڑھا کر سفیان

کا دامن کہ موٹے کپڑے کا تھا اُٹھایا۔ اور فرمایا تو نے برخلاف میرے از روئے ریا خلقت خدا کو صرف دکھلانیکی غرض سے یہ موٹا لباس اوپر پہن لیا ہے اور اُس کے نیچے یہ لباس باریک و نرم اپنے جسم خاکی کی آسائش کے لیے پہن رکھا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سفیان بجائے اسکے کہ حضرت کو بند و لاجواب کریں خود بھرے مجمع میں ذلیل و رسوا ہو گئے۔ سچ ہے ع باآل نبی ہر کہ در افتاد بر افتاد۔

تابعین سفیان کے ساتھ پھر مکالمہ

اس واقعہ کے بعد (سفیان کی چشمک سے) مکہ میں زہاد ریائی کے کچھ لوگ جو ترک دنیا کے پردے میں دنیا کے طالب تھے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ سفیان تو آپکا جواب دے نہ سکا۔ ہم اُسکی طرف سے اور اپنی جانب سے آپ سے معارضہ کرنے آئے ہیں۔ کیا زہد اور ترک دنیا آپ کے نزدیک مذموم ہے۔ حالانکہ حق تعالٰے بعض اصحاب پیغمبر صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اس امر خاص کے لیے مدح و ثنا کرتا ہے وہ آیۂ وافی ہدایہ یہ ہے۔ ویوثرون علی انفسہم ولوکان بھم خصاصہ کہ وہ غیروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ گو وہ برہنگی اور گرسنگی کی حالتوں میں ہوتے ہیں۔ نیز فرماتا ہے یطعمون الطعام علیٰ حبہٖ مسکینا ویتیما واسیرا۔ کھلاتے ہیں خدا کی محبت میں مسکینوں کو۔ یتیموں کو اور اسیروں کو۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیتیں ہم اہلبیت علیہم السّلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور ہمارا ہی بیان حال اس سے مقصود ہے۔ تم لوگ ناسخ اور منسوخ قرآن کو نہیں جانتے۔ اسی لیے گمراہ ہوتے ہو۔ سُنو اور سمجھ لو کہ جن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئے اُن کو ایسا کرنا حلال و مباح تھا۔ اور وہ اس کے لیے مثاب و ماجور ہوئے۔ پھر حق سبحانہ و تعالےٰ نے مومنین کے حال پر رحم و شفقت فرما کر تاکہ اُن کو اور اُنکے اہل و عیال کو ضرر نہ پہنچے یہ حکم منسوخ فرما دیا۔ کیونکہ ان کے کم سِن بچے اور ضعیف و ناتوان بوڑھے اور عاجز عورتیں ہیں۔ ایک روٹی جس کے سوا ان کے پاس اور کچھ نہ ہو۔ اگر یہ اُسے بھی خیرات کر دیا کریں تو پھر ان کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔ اسی واسطے جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ جس کے پاس دانۂ خرما۔ یا پانچ درہم۔ یا پانچ روٹیاں ہوں اور وہ اُنہیں خرچ کرنا چاہے تو اُسے لازم ہے کہ اُن میں سے ایک اپنے والدین کو دے۔ دوسرے اپنے اور اپنے عیال کے اوپر انفاق کرے تیسرے اپنے محتاج اقربا اور رشتہ والوں کو دے۔ چوتھے کو اپنے پریشان ہمسایوں کو بخشے۔ پانچویں کو راہِ خدا میں خیرات کر دے۔ یہ پانچواں مقام اُن پہلے چاروں سے پست رتبہ اور کم ثواب ہوگا۔ چنانچہ ایک مرد انصاری کے پاس چار یا پانچ لونڈیاں اور غلام تھے۔ اُن کے سوا اُس کی ملکیت میں کچھ اور نہ تھا۔ اُس نے مرتے وقت ان سب کو آزاد کر دیا۔ اور اپنے صغیر السّن بچوں کے لیے

کچھ نہ چھوڑا۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سُنا تو فرمایا کہ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ گیا کہ بھیک مانگیں۔ اگر میں پہلے سے یہ جانتا تو اُس کو مسلمانوں کے قبرستان میں کبھی دفن ہونے کی اجازت نہ دیتا۔

نیز حق تعالےٰ فرماتا ہے الذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذٰلک قواما۔ ایسے لوگوں کی مدح فرماتا ہے جو انفاق میں اسراف کو راہ نہیں دیتے اور اعتدال کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اسی سے تم دیکھ لو کہ جس امر کی تم مدح کرتے ہو اور اُس کے ترک کو عیب اور قابل مذمت بتاتے ہو حق عز وجل نے اُسی کا نام اسراف رکھا ہے اور قرآن مجید میں چند مقام پر فرماتا ہے۔ ان اللہ لا یحب المسرفین۔ خدا فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اور جناب سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں چند ایسے اشخاص ہیں کہ جنکی دعائیں قبول نہیں ہوتیں ایک تو وہ جو اپنے والدین کو نفرین کرے اور بد دعا دے۔ یہ دعا قبول نہیں ہوتی دوسرا جو اپنا مال کسی کو قرض کے طور پر یا بطرز دیگر کہ ارادہ اُسکے واپس لینے کا رکھتا ہو دیوے اور وثیقہ نہ لکھوائے اور کسی کو گواہ نہ کرے اور پھر وہ گیرندہ مال اُس کو نہ دے اور یہ اُس کے لیے بد دعا کرے۔ تیسرے جو اپنی عورت کو لعن و نفرین کیا کرے۔ حالانکہ حق تعالےٰ سبحانہ نے اُسے طلاق دینے اور علیحدہ کرنے کا پورا اختیار دیا ہے۔ چوتھے جو گھر میں بیٹھ رہے اور تلاش معاش نہ کرے اور حق تعالےٰ سے رزق حلال طلب کرے تو جناب باری عز اسمہ اُس کے بارے میں فرماتا ہے کہ آیا میں نے تجھے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء و جوارح نہیں بخشے اور طلب معاش کی راہیں تیرے لیے نہیں کشادہ کر دیں۔ پانچویں جسکو خدائے تعالےٰ نے بہت سا مال عنایت کیا ہے۔ اور وہ بحساب بخشش میں کُٹا کر مفلس قلاّچ بنجائے۔ اور خدا سے دعا کرے کہ مجھے روزی عطا فرمائے تو خدائے تعالےٰ اُس کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے تجھے مال کثیر نہیں دیا تھا۔ باوجودیکہ منع کر دیا تھا مگر پھر بھی تو نے اسراف و فضول خرچی کی۔

ایسے ہی ایک مرتبہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کہیں سے طلا آیا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ صبح ہو تو اس میں سے قلیل و کثیر کچھ میرے پاس باقی نہ رہے۔ اس لیے تمام کو خیرات کر دیا۔ دوسرے روز ایک سائل آیا اور سوال کیا۔ کچھ پاس نہ تھا کہ اُس کو عنایت فرمائیں۔ سائل نے اصرار پر اصرار کیا۔ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت رقیق القلب اور رحیم تھے از حد ملول ہوئے۔ حق تعالےٰ نے یہ آیہ بھیجا۔ ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ اپنے ہاتھوں کو گردن میں باندھ لے کہ کسی کو کوڑی نہ دے اور نہ بالکل انکو کھولدے کہ ملول و مغموم بیٹھ رہے۔

سب کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ آیات و حدیث کہ ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتے ہیں۔ آیا ان افعال

کے ناسخ ہیں یا جن سے تم تمسّک کرتے ہو یا نہیں۔ اسکو بھی جانے دو۔ حضرت ابو بکر جنہیں تم صدیق کہتے ہو
باوجودیکہ حق تعالےٰ نے ثلث مال کا اختیار مرنے والے مریض کو دیا ہے مگر اُنہوں نے اپنے مال سے
ایک چہارم کی وصیت کی۔ اور کہا یہ بھی زیادہ ہے۔ اگر ثلث کو بہتر جانتے تو اُسی کی وصیت کرتے۔
بلکہ اگر تمام کا خیرات کردینا حق سبحانہ وتعالےٰ کے نزدیک اچھا ہوتا تو ثلث کی حد نہ لگائی جاتی اور زائد
از ثلث سے سلب اختیار نہ کیا جاتا۔

علےٰ ہذا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ باوجود اس فقر وقناعت کے جب انکا حصّہ عطایا سے برآمد ہوتا
تو پہلے اس میں سے قوت سالانہ کو نکال لیتے مابقی کو تصدق فرما دیتے۔ بعض کم خرد کوتہ اندیش معترض
ہوئے کہ اے ابوعبداللہ (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) آپ باوجود اس زہد وتقوےٰ کے کیا کرتے ہیں کیا آپکو
سال بھر اپنے زندہ رہنے کا یقین ہے۔ جو ایک سال کی خوراک پہلے سے مہیا رکھتے ہیں۔ اور باقی کو دے ڈالتے
ہیں۔ فرمایا تم میرے دوست ہو کر کس لیے میری حیات کی امید نہیں کرتے۔ اور کیوں میرے مرجانے کے
احتمال کو میرے جینے کے خیال پر ترجیح دیتے ہو۔ اے نادانو! تم نہیں جانتے کہ جب آدمی کے پاس
سال بھر کا گزارہ موجود رہتا ہے تو وہ دنیا وآخرت کے کام دلجمعی سے انجام دیتا ہے۔ اور خالی ہاتھ
آدمی ہمیشہ پریشان حال ہوتا ہے۔ کوئی دینی یا دنیوی کام اُس سے اچھی طرح نہیں ہوسکتے۔
پھر جناب امام جعفر صادق علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ جناب ابی ذر رضی اللہ عنہ کو دیکھو
کہ باوصف اُس فقیری اور گوشہ نشینی کے محض تہیدست رہنا گوارا نہ فرماتے تھے۔ چند شتر اور
گوسفند پال رکھے تھے۔ جن کو اپنے عیال اور ہمسایوں پر انفاق کیا کرتے تھے اور اعراب قرب
وجوار سے جس کو فقیر ومحتاج پاتے تھے اُس کے ساتھ مواسات فرماتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ شتر
یا گوسفند کو ذبح کیا ہے اور اُس کا گوشت تمام لوگوں پر تقسیم فرما دیا اور اپنے لیے بھی اُتنا ہی
حصّہ رہنے دیا۔

دیکھو یہ وہ لوگ ہیں جن کا زہد وتقوےٰ مسلّم ہے۔ کسی کو گنجائش شک وشبہہ کی نہیں
ہے اور جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انکے اوصاف جمیلہ کی تصدیق فرمائی ہے۔
اس پر کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ کچھ انکے پاس نہ رہتا ہو۔ یا جو کچھ آپ کے پاس ہو اُسے دیکر محض نادار
ہو جائیں۔ جیسا کہ تم تمام لوگوں کو بنانا چاہتے ہو۔

یہ امر بھی تم کو معلوم رہے کہ میں نے اپنے پدر بزرگوار علیہ السّلام سے سُنا ہے اور اُنہوں نے اپنے
آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین سے روایت فرمائی ہے کہ جناب رسالت مآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم
نے فرمایا کہ اگر مومن کا بدن مقراضوں سے ریزہ ریزہ کیا جائے تب بھی اُس کے لیے مصلحت ہے
اور اگر اُسے دنیا کی بادشاہی دیدی جائے تو بھی مصلحت ہے کیونکہ حق سبحانہ وتعالےٰ مومن کے لیے

جو اصلح جانتا ہے وہی عمل میں لاتا ہے۔ پھر امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ میں نے بیان کیا وہ تمہارے لیے کافی ہے یا کچھ اور کہوں سنو! حق تعالےٰ شانہ نے اوّل مومنوں پر فرض کیا کہ اپنے دس گُنا کفار سے جہاد کریں۔ پھر ان پر رحم فرمایا اور اس تعداد میں تخفیف کر دی یعنی دوگنا کے ساتھ جہاد کیا جائے۔ پس آخری تخفیف نے پہلے کلام کو منسوخ کر دیا تیسرا اگر کوئی عورت قاضی کے پاس استغاثہ پیش کرے کہ میرا شوہر مجھے نفقہ نہیں دیتا اور قاضی حکم کرے شوہر کو نفقہ دینے کا ہرچند وہ عذر کرے کہ میں زاہد ہوں۔ کوئی شئے مال دنیا سے میرے پاس نہیں ہے وہ اسکا عذر نہ سُنے اور وہ اُسکو مجبور کرے تو وہ قاضی تمہاری رائے میں ظالم و ستمگار ہوگا یا عادل و دیندار۔ اگر تم کہو کہ ظالم ہے تو مسلمان تم کو ظالم کہیں گے۔ اور جو عادل کہوگے تو یہ امر تمہاری رائے کے خلاف ہوگا۔

دیگر یہ کہ اگر تمام عالم زاہد تارک الدنیا ہو جائے اور کوئی دوسرے مال کی پروا نہ کرے تو یہ صدقات و خیرات کہ حق تعالےٰ نے فرض مقرر کیے ہیں اور اس قدر ثواب ہائے عظیم اُنپر مقرر فرمائے۔ اعنے زکوٰۃ کفارات۔ نذر۔ خیرات۔ سونا۔ چاندی۔ خُرما۔ مویز۔ گندم۔ شتر۔ گاؤ اور گوسفند وغیرہ کس کو دیں اور کہاں سے ان کے مستحق پیدا کریں۔ پس درحقیقت تم نے کتاب خدا و سُنّتِ رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کما حقہٗ نہیں سمجھا۔ اور اپنی کوتہ نظری کے باعث اُنکے کنہ حقیقت کو نہیں پہنچے۔ نہ اس کے ناسخ و منسوخ کو سمجھے اور نہ اس کے امر و نہی کو معلوم کیا۔ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ جناب سلیمان علے نبینا و آلہ و علیہ السلام پیغمبر خدا تھے۔ اُنھوں نے خدا تعالےٰ سے ایسی بادشاہی چاہی جو کسی کو نہ ملی ہو۔ اور خداوند عالم نے اُن کی دعا کو قبول فرمایا۔ اور ویسی ہی بادشاہی اُنہیں عنایت فرمائی۔ کسی نے اُن پر اعتراض نہیں کیا۔

ایسے ہی اُن کے پدر بزرگوار داؤد علیہ السلام بھی بادشاہ تھے۔ جناب یوسف۔ علے نبینا و آلہ و علیہ السلام نے بھی مصر میں یہ دعا فرمائی تھی رب اجعلنی علیٰ خزائن الارض۔ پروردگارا! خزانہائے روئے زمین پر مجھے متصرف کر دے۔ چنانچہ وہ عزیز مصر ہو گئے۔

ایسے ہی سکندر ذوالقرنین علیہ السلام بھی خدا کے پیارے بندے تھے۔ اور اسباب سلطنت ان کے لیے آمادہ حکومت مشرق و مغرب انکو عطا ہوئی۔ تاہم کسی نے انکو کوئی ملامت نہیں کی۔ پس اے لوگو! خدا سے ڈرو اور آداب الٰہی سے متادب ہو اور اُن کے اوامر و نواہی پر کاربند ہو۔ اور جس امر کو نہ جانو اور وہ تم پر مشتبہ ہو اُس کو اُس کے اہل کے لیے چھوڑ دو۔ تاکہ خدا تعالےٰ کے نزدیک معذور رہو۔ اور ناسخ و منسوخ و محکم و متشابہ کو نہیں پہچانتے ہو۔ اور اسی کے اوامر و مناہی کو نہیں جانتے ہو۔ تم کو لازم ہے کہ خدا کے حلال و حرام میں تمیز پیدا کرو کہ جاہل اہل علم سے ضرور کم رتبہ ہیں۔ وفوق کل ذی علم علیم۔

ایک دہریہ کے سوال کا جواب

ایک دہریہ نے جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں آکر بہت سے مختلف سوال کیے۔ آپ نے اُن سب کے جواب دیے۔ از آنجملہ اُس نے آپ سے پوچھا کہ شیطان تو عدو خدا ہے۔ سزاوار نہیں ہے کہ ایسا حکیم مطلق اور دانائے برحق اپنے دشمن کو اپنی مخلوق پر برانگیختہ کرے۔ حالانکہ بقول تمہارے خدائے تعالٰے نے شیطان کو پیدا کیا۔ اور اپنے بندوں پر پھر اُسی کو مسلط کیا۔ کہ اُنہیں اغوا کرے۔ اور اطاعت کے راستہ سے ہٹائے۔ اور عصیان کی راہ پر لگائے۔ اور انہیں وسوسوں میں ڈالے کہ وہ خدا کے منکر ہو کر دین و یقین اپنا بالکل کھو ڈالیں۔

آپ نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ سچ ہے کہ شیطان خدا کا دشمن ہے مگر ایسا نہیں کہ اُس کی دوستی سے اُس جل شانہ کو کوئی نفع یا اُس کی دشمنی سے اُسے کسی نوع کا نقصان پہنچے۔ خوف و اندیشہ اُس دشمن سے ہوتا ہے جس سے نفع یا ضرر کی امید قائم ہو۔ حق تعالٰے نے اُس کو مثل دیگر بندوں کے عبادت کے لیے پیدا کیا۔ ہر چند اس کا علم الٰہی میں مآل کار موجود تھا۔ پس وہ بشمول دیگر ملائکہ مشغول عبادت پروردگار رہا۔ حتےٰ کہ سجدۂ حضرت آدم علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السّلام کے معاملہ میں اس کا امتحان ہوا تو حسد و نفسانیت اس پر غالب آئی اور منشاء امر الٰہی سے انکار کر بیٹھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صفوف ملائکہ سے نکال کر پستی زمین کی طرف نکال دیا گیا۔ وہ اولاد حضرت آدمؑ کا دشمن تو ہے مگر صرف اس قدر کہ اُن کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرے اور بہکائے۔ اسکے سوا کسی طرح کا تسلط اور قدرت حاصل نہیں ہے۔

دہریہ نے عرض کی کہ خدائے سبحانہ و تعالٰے کے سوا اور کے لیے بھی سجدہ جائز ہے یا نہیں؟ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا۔ نہیں۔ اُسنے کہا۔ پھر حضرت آدم علیہ السّلام کو سجدہ کرنا کیسا؟ یہ سُنکر جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔ جو سجدہ حکم خدا سے ہو وہ خدا ہی کا سجدہ ہے۔ پھر اُسنے عرض کی کہ آیا جائز ہے کہ کوئی خدا کی صنعت میں عیب نکالے۔ یا جو جس طرح اُس نے پیدا کیا ہے۔ سب میں حکمت و مصلحت ہے۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ جو اُسنے پیدا کیا وہ عین مصلحت و حکمت ہے کسی کو اُس میں عیب لگانا جائز نہیں اُسنے کہا اسلام والے ختنہ کرکے پھر صنعت خدا کو کیوں بگاڑتے ہیں۔ فرمایا۔ یہ تیری غلط فہمی ہے۔ ختنہ کرنے سے خدا کی صنعت یا اُس کی خدائی میں کوئی عیب نکالا نہیں جاتا۔ ختنہ کرنا خود اُس سبحانہ و تعالےٰ کی سُنّت ہے جیسا کہ بچہ پیدا ہونے کے وقت بچہ کی ناف کو قطع کرنا۔ اور اگر اُس کو بحال خود

باقی رہنے دیں تو موجب فساد ہے اسی طرح ناخن اور بالوں کا لینا سنت ہے۔ اور اپنے حال پر انکو چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ حالانکہ اگر وہ چاہتا تو اس صورت پر اس کو پیدا کرتا کہ کبھی ضرورت قطع و برید ہی کی نہ پڑتی۔ اور یہ اپنی مقدار معین سے تجاوز نہ کرتے۔

علیٰ ہذا۔ بعض حیوانات ایسے ہیں کہ ان کا خصی کرنا ہی مصلحت اور ضروری ہے حالانکہ خداتعالیٰ نے انہیں اپنی حکمت سے نر پیدا کیا تھا۔ کیا وہ حق تعالیٰ ان کو پہلے خصی نہیں پیدا کر سکتا تھا۔

پھر اُس نے عرض کی غسل جنابت کس غرض سے فرض ہوا۔ جب آدمی نے ایک فعل حلال کیا جس کے لیے وہ ہمیشہ کے لیے ماذون ہے تو پھر اُس میں نجاست کیسی۔ فرمایا جنابت کی ناپاکی بھی حیض کی گندگی کے ایسی ہی ہے کیونکہ حقیقت میں منی خون ہے جو کامل طور پر پختہ نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ جماع میں سخت حرکت ہوتی ہے جس سے سانس چڑھ جاتی ہے۔ اور بعد فراغت جسم انسان سے ایک قسم کی بو آنے لگتی ہے اور یہ قاعدہ انسان سے لیکر حیوان تک قائم ہے۔ اس تعفن اور آلائشوں کے پاک کرنے کے لیے غُسل کی سخت ضرورت واقع ہوتی ہے۔

پھر اُس نے مجوسیوں کے اعتقاد سے بحث کی اور آپ سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک دین مجوس اسلام سے ملتا جُلتا ہے۔ یا اہل عرب کا قدیم مذہب۔ حضرت صادق آل محمد علیہ السّلام نے فرمایا عرب قدیم دین حنیف اسلام سے قریب تر تھے۔ مجوسی جملہ انبیا وآلہ وعلیہم السّلام کے صریح منکر ہیں۔ اُنکی حجتوں اور دلیلوں کو نہیں مانتے۔ کیخسرو انکے بادشاہ نے زمانہ جنین میں تین سو انبیاؑ کو قتل کیا۔ علاوہ اس کے مجوسی غسل جنابت نہیں کرتے تھے۔ اور عرب اسکو کرتے تھے۔ اور غسل جنابت خالص سُنت انبیاء ہے۔ مجوس ختنہ نہیں کرتے تھے۔ عرب کرتے تھے۔ اور سب سے پہلے جس نے ختنہ کی سنت قائم کی وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السّلام تھے۔ مجوس اپنے مُردوں کو غسل وکفن نہیں کرتے۔ جنگلوں میں پہاڑوں میں پھینک دیتے تھے۔ عرب ہمیشہ سے غسل وکفن کرتے تھے اور پھر زمین میں مدفون کرتے تھے۔ مُردوں کا گاڑنا حضرت آدم علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السّلام کے وقت سے رائج ہے۔ مجوس ماں بہنوں سے مقاربت کرتے تھے اور بیٹیوں تک کو چھوڑتے نہ تھے۔ عرب اسکو قطعی حرام جانتے تھے۔ مجوس منکر بیت اللہ تھے اور اسے (معاذ اللہ) شیطان کا گھر کہتے تھے۔ عرب اسکی تعظیم کرتے تھے اور خانۂ خدا بتلاتے تھے اور انجیل و توراۃ کا اقرار کرتے تھے اور کبھی کبھی اہل کتاب سے کوئی مسئلہ بھی پوچھ لیا کرتے تھے۔ ان وجہوں سے عرب قدیم دین حنیف اسلام سے اقرب تھے بہ نسبت مجوس کے۔

دہریہ نے کہا کہ مجوس بہنوں سے نکاح کرتے ہیں تو سنت آدم علیہ السلام کی حجت لاتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اور ماں بیٹیوں سے ازدواج پر کونسی حجت قائم کرتے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ شراب تو بڑے لطف کی شے تھی۔ شرع نے کیوں حرام کیا۔ آپ نے فرمایا سخت ام الخبائث ہے اور تمام برائیوں کی جڑ۔ شرابخوار کی عقل بالکل سلب ہو جاتی ہے۔ وہ خدا کو نہیں پہچانتا اور کسی قسم کا فسق و فجور اس سے چھوٹنے نہیں پاتا۔ اور کسی طرح کا پاس و لحاظ اسے باقی نہیں رہتا۔ اس کی ناک شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ جس طرح چاہے اس کو نچائے۔ اور اگر چاہے تو اس سے بتوں کا سجدہ کرائے۔

پھر اس نے پوچھا خون ذبیحہ کیوں حرام ہوا۔ فرمایا خون کا کھانا موجب قساوت قلبی و سنگدلی ہو۔ دل سے رحم کو دور کرتا ہے۔ بدن کو گندہ اور بدبودار اور رنگ کو بگاڑ دیتا ہے۔ جذام کی بیماری ہو جاتی ہے۔ پھر اس نے پوچھا ذبیحہ و میتہ میں کیا فرق ہے۔ کیوں اسے حلال اور اسے حرام فرمایا۔ جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا بڑا فرق ہے۔ وہ خدا کا نام لیکر حلال کیا جاتا ہے جو تمام ادیان و شرائع میں مقبول و مطبوع ہے۔ اور میتہ کا خون چونکہ نکلتا نہیں ہے۔ اسی میں جذب ہوتا ہے تو اس کا گوشت ثقیل اور غیر مطبوع ہوتا ہے۔ اس نے کہا مچھلی کو تو ذبح نہیں کرتے۔ وہ بھی تو میتہ ہے۔ فرمایا اس میں خون نہایت ہی کم ہے۔ اس کا ذبح کرنا یہی ہے کہ اسے زندہ پانی سے نکالیں اور رہنے دیں تا اینکہ وہ خود مرجائے۔ اسی طرح ٹڈی میں خون اتنا نہیں ہوتا اسی لیے اسے ذبح کرنے کی بھی ضرورت نہیں

اس نے پوچھا کہ بروز قیامت اعمال انسان میزان میں تولے جائیں گے۔ یہ کیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ عمل کوئی مجسم شے نہیں ہے کہ اسے وزن کریں۔ وہ صرف اوصاف و اغراض انسانی ہیں جو قابل وزن نہیں۔ وزن کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں چیزوں کا وزن مشتبہ ہو خدائے علیم و خبیر کو جو ہر شے کے وزن و مقدار سے آگاہ ہے تولے یا وزن کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ عرض کی پھر میزان کیا چیز ٹھیری؟ فرمایا وہ حق سبحانہ و تعالے کی عدالت ہے کہا پھر ثقلت موازینہ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا جس شخص کے اعمال راجح ہوں۔

پھر اس نے پوچھا اہل دوزخ کے لیے عذاب دوزخ ہی کافی تھا۔ سانپ بچھو کی کیا ضرورت تھی۔ ارشاد فرمایا یہ انکے لیے ہیں جو خدا کو تنہا انکا پیدا کرنیوالا نہیں سمجھتے۔ بلکہ اور لوگوں کو بھی اس میں اس کا شریک و سہیم جانتے ہیں۔ ان کو سانپ بچھو کاٹیں گے کہ اپنے اس عقیدے کا مزہ چکھیں۔ کہ کوئی شے اسنے اکیلی نہیں پیدا کی۔ پھر اس نے کہا اہل بہشت غذا کھائیں گے اور فضلہ ان

سے جدا نہ ہوگا۔ ارشاد فرمایا کہ اُن کی غذا ایسی ہی لطیف و رقیق ہوگی جس میں سفل کا نام بھی نہ ہوگا۔ ہلکا سا پسینہ آکر خالی شکم ہو جائیں گے اور بھوک لگ جائے گی۔ پھر پوچھا کہ حوریں ستر ستر حُلّے ایک پر ایک پہنیں گی اور تاہم مغز استخوان اُن کا دکھائی دیگا۔ فرمایا یہ اُن کے بدن اور لباس کی لطافت اور نفاست ہے۔ جیسا کہ صاف اور شفاف پانی میں کوئی شے گرا دی جائے اور وہ تہ کے نیچے سے نظر آئے۔ عرض کی بہشتیوں کے عیش و عشرت میں کیا مزہ آئیگا جب ان کے عزیز۔ قریب۔ دوست۔ آشنا خود وہاں نہ ہونگے۔ اُنہیں یاد آئیں گے اور وہ جانیں گے کہ وہ دوزخ میں ڈالدیے گئے۔ فرمایا حق سبحانہ و تعالےٰ اُن کی یاد اُنکے دلوں سے محو فرمادے گا۔

ایک جاہل عالم نما کی دلچسپ حکایت

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے جد بزرگوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اھدنا الصراط المستقیم کے معنی پوچھے گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مراد اس آیہ سے یہ ہے کہ ہم خدائے سبحانہ و تعالےٰ سے دعا کریں کہ پروردگارا راہ راست و درست ہمکو ہدایت فرما کہ تیری سچی اور واقعی متابعت کریں۔ اور پنجہ ہوا و ہوس میں نہ گرفتار ہوں۔ ایک ایسے شخص کی طرح جسکا واقعہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اُس کے افعال کا خود برای العین مشاہدہ کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک بار میں نے ایک شخص کو سنا کہ عوام اُس کی بڑی توقیر کرتے ہیں۔ پس ہم نے چاہا کہ ہم اُس کو اس طرح دیکھیں کہ وہ ہم کو نہ دیکھنے پائے۔ تاکہ ہم اُس کے علم و عمل کا اندازہ کر سکیں اور تحقیق کامل ہو جائے۔ اتفاقاً وہ شخص ایک دن ہمیں مل گیا۔ عوام کالانعام کی ایک جمع غفیر اُس کے ساتھ تھی۔ ہم اُس سے ذرا علٰحدہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور اپنا چہرہ اپنی ردا سے ڈھانپ لیا۔ اور آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ پھر دیکھا کہ وہ مریدوں سے خلاف کرتا ہے اور نزاع و تکرار اُن کے فیمابین ہو رہی ہے۔ وہ آخر کار ان لوگوں سے جدا ہو کر ایک طرف کو چلدیا اور وہ مجمع منتفرق ہو گیا۔

غرضکہ میں اُسی کے پیچھے پیچھے چلا تاکہ دیکھوں کہ یہ کہاں جاتا ہے۔ اور کیا کرتا ہے تھوڑی دور جاکر ایک نانبائی کی دوکان پر ٹھیرا اور اُسے غافل پاکر دو روٹیاں وہاں سے اڑا لیں اور اُنہیں بغل میں داب کر آگے بڑھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید اس نانبائی سے

اور اس سے کوئی معاملہ ہے کہ جسکی خبر ہمیں نہیں۔
آگے جاکر ایک کنجڑے کی دوکان پر ٹھیر گیا۔ اُس نے ذراسی پیٹھ پھیری کہ اُس نے دو انار اُچک لیے اور آگے بڑھ گیا۔ اب تو مجھے گمان غالب کیا یقین ہوگیا کہ یہ شخص دزد عیار پیشہ ہے۔ نہیں تو اس طرح عام دوکان داروں کی آنکھیں چُراکر چیزیں اُٹھانے اور اُچک لیجانے کے کیا معنی۔
القصہ میں نے اس پر بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور ساتھ ساتھ چلا گیا ۔ یہ ایک شخص بیمار کے پاس ٹھیرا اور وہ دونوں انار و روٹیاں اُس کو دیدیں اور آگے چلا۔ چلتے چلتے ایک مقام پر پہنچکر پھر ٹھیر گیا۔ اُس وقت میں نے نزدیک جاکر کہا۔ مرد خدا! میں نے تیری بڑی تعریف سُنی تھی۔ اس لیے تیرے دیکھنے کا از حد مشتاق تھا۔ بارے آج دیکھا تو امر عجیب تجھ سے مشاہدہ کیا۔ جسنے مجھے سخت حیرت میں ڈال رکھا ہے۔
اُس نے کہا کہ قبل اس کے کہ میں تمہیں تمہاری باتوں کا جواب دوں تم مجھے بتلادو کہ تم کون ہو۔ میں نے کہا کہ میں امت مرحومہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرد ہوں۔ اُسنے کہا تم کس قبیلہ کے آدمی ہو۔ میں نے کہا قبیلۂ اہلبیت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ پھر اُس نے پوچھا کس شہر کے رہنے والے ہو۔ میں نے کہا اُسی شہر مدینہ کا رہنے والا ہوں۔ اُس نے کہا۔ غالباً جناب امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام تم ہی ہو۔ میں نے کہا۔ ہاں۔
تب اُس نے کہا کہ تمہاری یہ شرافت حسبی و نسبی اللہ اکبر کس کام کی ہے جب تم اپنے آباؤ اجداد (سلام اللہ علیہم) کے علوم سے بھی واقفیت نہیں۔ میں نے کہا وہ کون سے علوم ہیں؟ وہ بولا قرآن مجید۔ جو تمہارے جد امجد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا ہے۔ میں نے کہا کیونکر۔ اُس نے کہا آج تک تم کو آیہ من جآء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا ومن جآء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلہا کے مفہوم تو معلوم ہی نہیں جس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جو ایک نیکی کریگا اُسے دہ گونہ ثواب ملیگا۔ اور جس سے ایک گناہ صادر ہوگا تو وہ ایک ہی بدلہ پائیگا۔ دیکھو میں نے دو روٹیاں چُرائیں تو دو گناہ کیے اور دو انار اُٹھانے تو دو اور ہوئے۔ مجموع چار گناہ مجھ سے سرزد ہوئے۔ اور جب ان چاروں کو خدا کی راہ میں خیرات کردیا تو آیۂ بالا کی رو سے چالیس حسنات حاصل ہوئے۔ تو ایسی حالت میں میرے چار گناہ مجرا ہوکر چھتیس نیکیاں میرے لیے باقی رہیں۔
جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا بیان ہے کہ میں نے جب اُس کے یہ کلام سنے تو اُس کی

فقہ و بصیرت پر کمال تعجب ہوا۔ اور میں نے اُس کے جواب میں کہا تکلتک امک (تیری ماں تیرا ماتم کرے) حقیقت میں تو ہی قرآن مجید سے جاہل مطلق ہے۔ کیا تو نے اُسی قرآن میں خدائے سبحانہ و تعالےٰ کا یہ قول نہیں دیکھا ہے انما یتقبل اللّٰہ من المتقین۔ یعنی خدائے تعالےٰ اُنہی لوگوں کی نیکیاں قبول کرتا ہے جو پرہیزگار اور صاحب احتیاط ہوتے ہیں۔ جب تو نے دو روٹیاں چرائیں دو گناہ کیے۔ پھر دو انار چرائے۔ دو گناہ اور صادر ہوئے۔ اور جب ان کو خیرات کیا تو چوری کے مال کو خیرات کرنے کی چار اور معصیتیں تجھ سے سرزد ہوئیں تو مجموع اور پے در پے آٹھ معصیتیں ایسی حالت میں تجھ سے عمل میں آئیں اور اس وقت تک ایک نیکی نہیں کی۔ اتنا سُننا تھا کہ وہ سناٹے میں آ گیا اور میں لاحول پڑھتا ہوا گھر واپس آیا۔

ایک طب کے عالم سے مکالمہ

ایک مرتبہ منصور کے پاس تشریف رکھتے تھے۔ اُس وقت ایک طبیب منصور کو کسی کتاب سے بعض مضامین سُنا رہا تھا۔ فارغ ہوا تو آپ سے پوچھا کہ اس علم کی آپ کو بھی ضرورت ہے۔ فرمایا کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ تو جانتا ہے ہم اُس سے بہتر جانتے ہیں۔ اُس نے کہا۔ کیسے؟ فرمایا کہ سردی کی وجہ سے جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اُنکی اصلاح گرم دواؤں سے کرتے ہیں۔ اور گرم بیماریوں کی سرد سے۔ اسی طرح خشکی سے پیدا ہوئے امراض کا تر دواؤں سے علاج کرتے ہیں اور تر کا خشک سے۔ اور پھر ان جملہ امور میں ہمارا پورا اعتماد اور کامل اعتقاد خدا پر رہتا ہے۔ نیز ہمارا عمل اپنے جدِ بزرگوار جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول پر بھی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مضر اشیاء سے پرہیز کرنا اصل دوا ہے۔ ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے لیے وہی غذا اختیار کرے جس کی اُسے عادت پڑی ہو۔ یہ سُنکر اُس طبیب نے کہا کہ ہماری طب بھی تو یہی ہے۔

بنفشہ کا مزاج

عبدالرحمن ابن کثیر ناقل ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ مہزم آیا۔ آپ نے کنیز کو آواز دی۔ وہ ایک شیشہ روغن بنفشہ سے بھرا ہوا لائی۔ حضرت نے مہزم کی طرف بکف دست پر تھوڑا سا ڈال دیا۔ مہزم نے عرض کی میں آپ پر فدا ہوں یہ روغن بنفشہ ہے حرارت ہے ارشاد فرمایا ہاں۔ اُس نے عرض کی یہ سردی اور بنفشہ ہمارے کوفہ کے طبیب تو اسے سرد بتلاتے ہیں۔

فرمایا۔ سرد ہے مگر تابستان میں۔ اور آج کل زمستان میں مائل بہ گرمی ہو جاتا ہے۔

ایک طبیب عامّہ سے مکالمہ

ایک طبیب عامہ سے کبھی کبھی حضور میں حاضر ہو جایا کرتا تھا۔ اُسکا بیان ہے کہ میں نے کبھی ایسی عالیجاہ مجلس اپنی عمر بھر نہیں دیکھی تھی۔ ایک مرتبہ عطسہ (چھینک) کا ذکر آیا۔ فرمایا۔ ہر چند بظاہر یہ ناک سے نکلتی ہے مگر حقیقۃً یہ تمام بدن سے نکلتی ہے کیا تم نے خیال نہیں کیا ہے کہ چھینکنے میں تمام بدن میں حرکت ہو جاتی ہے۔ بتحقیق چھینکنے والا سات روز تک موت سے امان میں ہے۔

آنکھوں کے درد کا علاج

بکیر ابن امین اصحاب مخصوصین سے تھے۔ بیان فرماتے ہیں کہ میری آنکھیں دُکھتی تھیں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کی کہ کون سی دوا کروں کہ میری آنکھیں نہ دکھا کریں۔ ارشاد فرمایا کھانا کھا کر ہاتھ دھو۔ اور وہی ہاتھ اپنی آنکھوں پر پھیر لیا کرو۔ بکیر کہتے ہیں کہ میں نے اُسی وقت سے یہ معمول کر لیا۔ اس کے بعد کبھی میری آنکھیں نہ دکھیں۔

طعام برنج کے اوصاف

طعام برنج کی مدح فرماتے تھے اور ارشاد کرتے تھے کہ اعضاء کو فراخ کرتا ہے اور بواسیر کو نافع ہے حقیقت میں ہم کو عراقیوں کی دو چیزوں پر رشک آتا ہے۔ ایک طعام برنج پر۔ دوسرے غورہ خرما پر۔ اور یہ دونوں چیزیں امعاء کو فراخ کرنیوالی اور مادہ بواسیر کو دفع کرنیوالی ہیں۔
انگور رجبی بغایت مطبوع تھا۔ فرمایا جب جناب نوح علیٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام کشتی سے اُترے تو مُردوں کے استخوان دیکھکر غم و الم لاحق ہوا حق سبحانہ وتعالےٰ نے اُن پر وحی کی کہ انگور سیاہ تناول کرو۔ اور سویۂ تمالص کی تعریف میں فرمایا کہ بدن کے پٹھوں کو مضبوط کرتا ہے اور ماندگی اور سُستی چشم کو دور کرتا ہے اور آدمی کو خوشحال رکھتا ہے
کسی شخص نے آپ سے شکایت کی کہ میں نے دودھ پیا تھا اُس سے تکلیف ہوئی۔ ارشاد فرمایا دودھ تو تکلیف نہیں دیتا کوئی اور شے اُسکے ساتھ کھائی ہوگی سو پھر ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں کہ انسان کے بدن کو خراب کرتی ہیں بلکہ اکثر اوقات آدمی کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ گوشت قدید (خشک گوشت) بدبودار کھانا۔ پیٹ بھرے حمام میں جانا۔ اور بوڑھی عورت کے ساتھ ہم بستر ہونا۔

لطائف جوابات

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ایک صحبت میں تشریف رکھتے تھے جہاں بہت سے اشخاص اہلبیت علیہم السلام سے حاضر تھے۔ ایک مرد نے کہا اے اولاد علی و فاطمہ علیہما السلام تمکو کونسی فخر و فضیلت ہے جو اوروں کو نہیں ہے۔ کسی نے اس کا جواب نہیں دیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب دیا۔ وہ فخر یہی ہے کہ جو مسلمان ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ ہم میں شامل ہو جائے بخلاف ہمارے کہ ہم کو کسی کے محامد و اوصاف میں داخل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

کسی نے عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنے والدین کے شرائط خدمت بجالایا تااینکہ وہ پیر و ناتوان ہو گئے۔ اُس وقت بھی میں اُنکی ایسی خدمت کرتا تھا جیسا کہ ماں باپ اپنی صغیر السن بچوں کی پرداخت کرتے ہیں۔ آیا اب بھی مجھ سے اُن کے حقوق ادا ہوئے یا نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں۔ اُنہوں نے جو پالا اور پرورش کی اور خدمت کرتے رہے تو اُس کے ساتھ تیری طول عمر کی بھی دعا کرتے رہے۔ اور ہر گھڑی اور ہر آن تجھ پر فدا اور قربان ہوتے رہے۔ بخلاف تیرے کہ تیری یہ حالت اور خواہش نہیں۔ بلکہ عجب نہیں کہ تو اُن کی طول عمر سے عاجز آکر اُنکی خدمت سے کراہت اور اُن کی ہلاکت کا انتظار کرتا ہو۔

ایک مرتبہ منصور نے حضرتؑ سے کہا کہ اوروں کی طرح آپ میرے پاس نہیں آتے۔ اس کی وجہ بیان فرمایئے۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تیرے پاس امور عقبٰا سے کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ میں اُس سے خائف ہوں اور نہ کوئی نعمت نعمائے دنیا سے تیرے پاس ایسی کہ میں اُس کی مبارکباد دینے کو تیرے پاس آیا کروں۔ اُس نے عرض کی۔ آپ تشریف لاتے تو کچھ نصیحت و موعظت ہی فرماتے۔ ارشاد ہوا کہ جو دنیا کا طالب ہوگا وہ کبھی تجھ کو نصیحت نہ کرے گا اور جو دین کا طالب ہوگا وہ ہرگز تیرے پاس نہ آئیگا۔ اور تجھ سے صحبت نہ رکھے گا۔ منصور یہ سنکر لاجواب ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ خدا کی قسم اہل دین و دنیا کے مدارج آپ نے بیان فرما دیے۔ اور بخدا سوگند کہ آپ دیندار وں سے ہیں نہ اہل دنیا سے۔

کچھ لوگ اہل مکہ اور مدینہ سے منصور کے دروازے پر حاضر تھے اور اندر جانے کی اجازت چاہتے تھے۔ ربیع حاجب نے مکہ والوں کو اجازت دی۔ بعد ازاں مدینہ والوں کو۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تو نے اہل مکہ کو کیوں ترجیح دی۔ عرض کی المکۃ ھی العش۔ بلکہ اصل آشیانہ ہی فرمایا۔ آشیانہ ہے مگر الا طارت خیارھا و بقیت شرارھا۔ اچھے طائر اس آشیانہ سے اڑ گئے اور برے باقی رہ گئے۔

کسی نے عرض کی حق تعالیٰ اہل بہشت و دوزخ کو ابدالآباد بہشت و دوزخ میں رکھے گا۔ حالانکہ دنیا میں اُن کی عمریں کوتاہ تھیں۔ پس جو اطاعت و غیر اطاعت خدا اُن سے ظہور میں آئیں وہ بھی تھوڑے ہی عرصہ تک رہیں۔ پھر اس قدر جزاؤ سزا دینا تو قرین انصاف نہیں معلوم ہوتا۔ فرمایا اہل بہشت اطاعت خدا پر عازم تھے۔ اگر انکو ابدالآباد دنیا میں رہنے دیا جاتا تو بجز طاعت و بندگی خدا دوسرا کام نہ کرتے۔ علیٰ ہذا دوزخی تمرد و نافرمانی کا شیوا ہرگز چھوڑنے والے نہیں تھے۔ اُنکی یہ زندگانی چند روزہ مشتے نمونہ از خروارے سمجھی گئی اور جزاؤ سزائے استمرار اس پر مترتب کی گئی۔

کسی دریدہ دہن نے براہ طنز آپ کی خدمت میں شکایت کی کہ آپ کے شیعہ نماز روزہ اس سرگرمی سے نہیں بجالاتے جیسے کہ مخالفین جس کو آپ بھی اچھا نہیں سمجھتے ہوں گے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ شیطان مخالفین کے اصول کو بگاڑ چکا ہے اس لیے اُن کے فروعات سے زیادہ پرخاش نہیں کرتا۔ ہمارے شیعوں کے اصول الطاف الٰہی سے درست ہیں۔ اس لیے اُنکے فروع کے خراب کرنے میں از حد ساعی ہے۔

جس زمانہ میں منصور کے حسب الطلب حیرہ میں فروکش تھے ایک دن منصور نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ اے ابوعبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! تمہارے شیعوں کے پیٹ میں بات نہیں تھمتی جو دل میں ہوتا ہے اُسے بے اختیار کہہ ڈالتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہر ایک کو اُن کا مذہب معلوم ہو جاتا ہے فرمایا اس کا باعث اُن کی جلائے ایمانی کا کمال ہے۔ کہ اُن کے کام جان سے شیریں ہوتے ہیں پس وہ شیرینی بے اختیار اُن کے لبوں تک آجاتی ہے۔

شیعوں سے ایک شخص آکر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں فقر و فاقہ کی شکایت کرنے لگا۔ فرمایا تعجب ہے کہ تو اپنے آپ کو ایسا فقیر بتلاتا ہے۔ حالانکہ ایک بہت بڑا خزانہ تیرے پاس ہے۔ اُس نے عرض کی کہ میرے پاس تو کوئی دولت نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اگر تمام دنیا کا سونا چاندی تجھے دیدیں اور اسکے عوض میں تجھے ہماری محبت سے پھیرنا چاہیں تو کیا تو اپنے دین سے پھر جائیگا اُس کامل الایمان نے عرض کی کہ اگر مجھے دنیا و مافیہا تمام دے ڈالیں تب بھی میں آپکی محبت کو نہ چھوڑونگا فرمایا جب ایسی نعمت الٰہی تیرے پاس موجود ہے تو تو اپنے آپ کو فقیر کیوں کہتا ہے۔ پھر آپنے اپنی جیب خاص سے مال وافر اُسے عنایت فرمایا۔

ایک باہر کا رہنے والا دہقان جناب صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک بار نہ آیا تو آپ اُس کا حال پوچھنے لگے۔ ایک شخص نے حقارت کی نظر سے کہا۔ وہی دیہاتی نہ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی اصل عقل و دانائی ہے۔ اور اُسکی دینداری کے اندازے پر اُسکی پرہیزگاری ہے بعد ازاں تمام بنی آدم علیہ السلام اطراف عالم میں مساوی ہیں۔

ایک اصحاب خاص نے خدمت میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی عرض کی کہ کوئی فضیلت ایسی ارشاد ہو جس میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کی ایسی خصوصیت پائی جائے کہ پھر اُس میں کوئی دوسرا آپکا شریک و سہیم نہ ٹھہرے۔ فرمایا۔ آپ کو اقربا پر تو اس لیے فضیلت حاصل تھی کہ آپ سب سے پہلے اسلام لائے اور غیر لوگوں پر قربت جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وجہ سے شرافت و فضیلت حاصل تھی۔

کسی نے عرض کی کہ جب سے منصور نے خلافت پائی ہے مال کے جمع کرنے پر اتنا حریص ہوگیا ہے کہ اچھا کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ موٹے جھوٹے کپڑے پہنتا ہے اور کھانا بھی محض معمولی کھاتا ہے۔ فرمایا الحمد للہ الذی حرمہ من دنیاہ مالہ ترك دینہ خدا کا شکر ہے کہ اُسی نے اُس کو دنیا سے بھی ویسا ہی کر دیا۔ جس کے لیے اُس نے دین کو چھوڑ دیا تھا۔

زید شحام نے عرض کی کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا نیۃ المؤمن خیر من عملہ۔ مومن کی نیّت اُس کے عمل سے بہتر ہے۔ یہ کیونکر؟ فرمایا عمل میں بعض وقت ریا داخل ہو جانے سے آدمی دکھانے کے لیے کوئی کام کرتا ہے۔ مگر نیّت میں یہ بات نہیں ہوتی وہ خالص حضرت ربّ العالمین کے لیے ہوتی ہے۔

توام بچّوں کے بڑے چھوٹے ہونے میں کلام تھا۔ پہلے پیدا ہونے والے کو بڑا کہتے تھے۔ آپنے فرمایا نہیں۔ بڑا وہ ہے جو پیچھے پیدا ہوا کیونکہ اُس کا حمل پہلے رہا۔

منصور کے پاس بیٹھے تھے۔ ایک مکھی اس کے بدن پر بیٹھی۔ اُس نے اُسے اُڑا دیا۔ پھر آئی پھر اُڑا دی۔ غرضکہ متواتر ایسا ہی کرتا رہا۔ زچ ہو گیا تو جھنجھلا کر کہنے لگا اے ابو عبداللہ (علیہ السلام)! مکھی کو تو حق تعالے نے ناحق پیدا کیا۔ بھلا اس کی خلقت سے کیا فائدہ ہے۔ فرمایا لیذل بہ الجبادین۔ اس کی خلقت سے یہی مقصود ہے کہ اُس سے جبارین زمانہ ذلیل و خوار ہوں۔

یہ واقعہ مستند بین الفریقین ہے۔ شیعوں نے منصور ربیع سے اور سُنیّوں نے احمد ابن عمر ابن مقدام رازی سے نقل کیا ہے۔

قاضی ابن خلکان وفیات الاعیان میں لکھتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک بار ابو حنیفہ سے پوچھا کہ تم اُس مجرم کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے ہرن کا رباعیہ (دانتوں کا چوکا) توڑ ڈالا ہو۔ کہا یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم مجھ کو تو معلوم نہیں کہ اسکا کیا کفارہ ہے۔ یہ سُنکر حضرت متبسّم ہوئے اور فرمانے لگے کہ تم تو اپنے آپ کو بڑا عالم جانتے ہو

مگر ابھی تک تم کو یہ تو معلوم ہی نہیں کہ ہرن کے چار دانت اکھٹا ہوتے ہی نہیں۔ اس کے ہمیشہ دو دانت ہوتے ہیں۔

فیصلے اور محاکے

زمانہ کے تعصب اس وقت ایسے کہاں تھے کہ وہ اپنے معارضات و منازعات میں آپ کے فیصلوں اور محاکموں پر عمل کریں۔ جو بالکل عدالت الٰہی اور شریعت حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پورے پورے مطابق تھے۔ اپنے اسی سلسلہ میں بھی ہم پہلے کئی مقاموں پر لکھ آئے ہیں کہ ان ذوات مقدسہ کو ملکی کاروبار اور احکام سیاست سے کسی قسم کا کوئی تعلق باقی نہیں تھا۔ مگر ہاں جب کسی پیچیدہ مسئلہ سے سامنا ہوجاتا تھا اور سلطنت کے تمام قاضی مفتی، علماء فضلا اور حکماء کی عقلیں ان کے جواب سے عاجز رہجاتی تھیں تو پھر انھی الراسخون فی العلم کی خدمات میں رجوع کیا جاتا تھا۔

یہ واقعات کچھ اسی سلطنت میں پائے نہیں جاتے۔ بلکہ اس سے قبل بھی تمام سلطنتوں کا یہی دستور قائم رہا ہے۔ چنانچہ جناب رسالتمآب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت اولےٰ کے وقت سے لیکر اس وقت تک ہم نے اپنے سلسلوں میں اس مضمون کو کافی وضاحت کے ساتھ دکھلاتے چلے آرہے ہیں۔

بہرحال۔ جناب صادق آل محمد علیہ السلام سے استمداد و استعانت کی ضرورت اس سلطنت کو بھی واقع ہوئی۔ ان میں سے چند ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

ایک عورت نے قضا کی اور وصیت کرگئی کہ میرے مال سے ثلث خیرات کیا جائے۔ دو ثلث باقی میں سے ایک سے حج کرا دیا جائے اور ایک سے ایک غلام لیکر آزاد کردیا جائے۔ مگر اس کا مال اتنا نہ تھا جو ان تمام مصارف کے لیے کافی ہوسکتا۔ ابوحنیفہ کوفی اور سفیان ثوری سے اس کا حکم پوچھا گیا۔ دونوں صاحبوں نے کہا کہ ایک ایسا شخص تلاش کیا جائے جو حج کو گیا ہو اور راستے میں اسے رہزنوں نے لوٹ لیا ہو پس اس کو تھوڑا سا مال اس میں سے دیکر حج کرا دیں پھر ایسا غلام تلاش کریں جو اپنی آزادی کی کوشش کرتا ہو۔ بلکہ اپنی قیمت سے کچھ ادا بھی کرچکا ہو۔ اور کچھ باقی ہو۔ وہ جزو ترکۂ عورت سے دیکر اسے آزاد کرادیں۔ اور باقی کو اسکی جانب سے خیرات کردیں۔

معاویہ ابن عمار جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب سے تھے۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں اس تمام قضیہ کا ذکر کیا۔ آپ سے اس کا حکم دریافت کیا تو ارشاد فرمایا گیا کہ حج

واجب ہے۔ اوّل وہ کرا یا جائے۔ جو کچھ بچے اُسے خیرات میں صرف کریں۔ ابوحنیفہ نے جب سُنا تو کہا یہی درست ہے۔ اسی کو نافذ کیا اور اپنا استفادہ واپس لیا۔

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوحنیفہ نے بردہ آزاد کرنے کو حج کرنے سے مقدّم بتلایا تھا۔ حضرت نے سُنا تو فرمایا کہ ایک حج دس بردے آزاد کرنے سے زیادہ ہے اُس نے یہ خیال نہ کیا کہ غلام کے آزاد کرنے میں طواف کعبہ۔ سعی مابین صفا و مروہ۔ وقوف عرفہ۔ حلق راس و رمی الجمرات کہاں۔ خانہ کعبہ صرف حج کرنے کے لیے وضع ہوا ہے اگر ایسا ہو جیسا کہ وہ کہتا ہے تو حج بند ہو جائے۔

منصور دوانقی طواف کعبہ میں مشغول تھا۔ ربیع حاجب آیا اور کہا اے امیرالمومنین تمہارا فلاں غلام مر گیا اُس کے بعد فلاں شخص نے اُس کا سر کاٹ لیا۔ منصور کو یہ سُنکر سخت طیش آیا ابن شبرمہ اور قاضی ابولیلی وغیرہ چند فقہائے زمانہ بیٹھے تھے۔ منصور نے اُن سے پوچھا کہ اُس مرد کی کیا سزا ہے جس نے مُردے کا سر کاٹا۔ اُنھوں نے کہا مرنیکے بعد سر کاٹنے کی ہمارے نزدیک تو کوئی سزا نہیں ہے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسّلام اُس وقت صفا و مروہ کے درمیان سعی فرما رہے تھے۔ منصور نے اشارہ کیا کہ حضرت سے اس مسئلہ کا حکم دریافت کیا جائے۔ ربیع نے حاضر ہو کر پوچھا تو فرمایا گیا کہ سر کاٹنے والا ایک سو دینار اُس کی دیت ادا کرے۔ ربیع نے عرض کی کہ اس کی علت بھی ارشاد ہو۔ فرمایا کہ نطفہ کی دیت بیس دینار مقرر ہیں۔ علیٰ ہذا مضغہ۔ علقہ۔ استخوان اور گوشت کے بیس بیس دینار مقرر ہیں۔ اور یہ سب قبل اس کے کہ نفخ روح ہو۔ چونکہ میت بھی روح کے نکلجانے کے بعد ویسی ہی بیجان ہے جیسی کہ قبل نفخ روح تھی۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کا یہ حکم محکم ربیع نے آکر منصور سے کہا تو جملہ حضار سُنکر بہت مسرور و محظوظ ہوئے۔ پھر منصور نے ربیع کو بھیجکر دریافت کرایا کہ یہ مال دیت کسکو دیا جائے۔ وارثان سر بُریدہ کو یا کسی اور کو۔ اس کے جواب میں جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ ورثہ کو اُس میں سے کچھ نہ دیا جائیگا کیونکہ متوفی بعد موت کے اس مال کا مستحق ہوا ہے۔ اس مال سے اُس کے لیے ایک حج کرایا جائے اور دیگر امور خیرات میں صرف کیا جائے۔

حجّام ایک طفل کا ختنہ کرتا تھا۔ اتفاقاً اُسکا عضو کلیۃً قطع ہو گیا۔ یہ قصّہ آپ کی خدمت میں فیصلہ کی غرض سے پیش کیا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ اگر لڑکا اس کے صدمے سے مرجائے تو حجّام پر اسکی نصف دیت واجب ہو جائے گی اور نصف حق تعالےٰ پر کیونکہ موت میں وہ اُسکا شریک تھا۔

اور اگر زندہ رہا تو تمام خونبہا حجام کو دینا ہوگا کیونکہ قطع نسل کا باعث ہوا ہے۔
ایک مرتبہ ایک مرد نے ایک عورت سے عقد کیا۔ رات کو قبل اس کے کہ اُسکا شوہر اُس کے پاس خلوت میں جائے منکوحہ نے اپنے پہلے آشنا کو بُلا کر اپنے حجلہ میں اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا۔ شوہر آیا تو وہ اُٹھا اور دونوں میں لڑائی ہونے لگی۔ آخرش شوہر نے اپنے رقیب کو قتل کر لیا عورت نے یہ دیکھا تو پیچھے سے آ کر شوہر کو ایسی ضربت لگائی کہ اُس کا کام بھی تمام ہو گیا۔ یہ مقدمہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں فیصلہ کے لیے لایا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ عورت کو اپنے آشنا کا خونبہا ادا کرنا ہوگا کہ اُس کے قتل کا باعث وہی ہوئی ہے۔ اور شوہر کے قصاص میں خود قتل کی جائے گی کہ بلا واسطہ اپنے شوہر کی قاتل ہوئی۔
ایک شخص رات کے وقت ایک عورت کے گھر میں گھُسا کہ اُسکا مال و متاع چرالے۔ اسباب کا گٹھڑ باندھ لیا تھا کہ اُسکا دل اُس عورت کی طرف مائل ہوا اور اُس کی نیت بد ہوئی۔ اور وہ اُسی حالت میں اُس عورت پر جا پڑا۔ اس حرکت سے اُس کا بچہ جو اُس کے پیٹ پر لیٹا تھا جاگ اُٹھا۔ چور نے ایک خنجر مار کر بچہ کا کام تمام کر دیا۔ پھر اپنے کام میں مشغول ہوا۔ جب فارغ ہوا تو اسباب کا گٹھڑ اُٹھا چلتا ہوا۔ عورت نے وہی خنجر اُس کا لیکر پیچھے سے اُسے مارا اور اُسے قتل کیا۔ صبح کو چور کے عزیزوں نے جمع ہو کر اُس عورت پر خون کا دعوے کیا۔ مفتی شہر نے یہ قضیہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حکم کے لیے بھیجدیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اہالیان سارق بچہ کے خون کے ذمہ دار ہیں۔ اور چور کے ترکہ سے چار ہزار درہم زنا بالجبر کی غرامت میں عورت کو دلوائے۔ اور عورت کو قتل سارق کے جرم سے بری کیا چونکہ وہ چوری کرنے آیا تھا۔
ایک شخص منصور دوانقی کے پاس دعویدار ہوا کہ یہ دو شخص میرے بھائی کو رات کے وقت گھر سے بُلا کر لے گئے۔ پھر واپس نہیں کیا۔ نہیں معلوم انہوں نے اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کہاں اُسکو کھو دیا۔ مدعاعلیہم کہتے تھے کہ ہم نے صرف چند باتیں اُس سے کیں۔ پھر وہ اپنے گھر کو واپس گیا۔ منصور نے اُس کو حضرت کے پاس بھیجدیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات کو کسی کو گھر سے لیجائے وہ اُس وقت تک اُسکا ضامن ہے جب تک کہ وہ اُس کی نسبت با دائے شہادتین یہ ثبوت نہ پہنچا لے کہ اُس نے اُسے گھر واپس پہنچا دیا۔
دو شخصوں میں سے ایک کی نسبت آپ نے حکم دیا کہ یہ اُس کے قصاص میں قتل کیا جائے وہ چلایا یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم۔ میں نے تو اُس کو نہیں مارا۔ میں آپ سے راست راست

بے کم و کاست بیان کرتا ہوں۔ میں تو صرف اُس کو پکڑے ہوئے تھا۔ اس دوسرے نے مارا ہے۔ دوسرا بولا کہ میں نے صرف ایک ضرب لگائی تھی کہ وہ مر گیا۔ یہ سُنکر آپنے حکم دیا کہ قاتل مقتول کے قصاص میں قتل کیا جائے اور دوسرا اُس کی تائید کے جُرم میں حبس دوام کی سزا پائے۔

عباد مکی نے ایک مرتبہ ایک مریض کا حکم دریافت کیا جس نے زنا کی تھی۔ اگر اُس پر اقامت حد کیجاتی تو اُس کے مر جانے کا احتمال تھا۔ آپ نے دریافت کنندہ سے پوچھا کہ یہ مسئلہ تو اپنے لیے پوچھتا ہے یا کسی دوسرے نے تیرے ذریعہ اور معرفت سے دریافت کرایا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ سفیان ثوری نے میری معرفت دریافت کیا ہے۔ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ جبان کو لائے کہ عارضۂ استسقاء میں مبتلا تھا حتےٰ کہ لاغری کی وجہ سے اُس کی رانوں کی رگیں نمودار تھیں۔ اُسنے ایک مریضہ عورت کے ساتھ زنا کی تھی۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شاخ خرما کہ سَو پتی اُس میں تھی منگائی اور ایک ایک بار اُن دونوں کے مار کر اُن کو رہا کر دیا۔ چنانچہ حق سبحانہ وتعالےٰ اسکی خبر دیتا ہے وخذ بیدك ضغثا فاضرب به۔ اپنے ہاتھ میں دستہ گیاہ (عام اس سے کہ خشک ہو یا تر یا شاخ) لو اور اُس کو مارو۔

ابو ولاد خیاط ناقل ہیں کہ مجھے ایک قرضدار کی تلاش میں قصر ابن ہبیرہ تک جانا تھا۔ کوفہ سے وہاں تک ایک خچر آمد و رفت کے لیے کرایہ کیا۔ کوفہ کے پل پر پہنچا تھا کہ وہ قرضدار نیل کو چلا گیا۔ جب وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ بغداد کو چلا گیا۔ پھر بغداد جا کر اُس سے ملا اور اپنا معاملہ طے کر کے کوفہ واپس آیا۔ اس دوا دوش میں پندرہ روز لگ گئے۔ مالک اشتر کو پندرہ درم دیے مگر وہ راضی نہ ہوا۔ آخر ش ہم دونوں ابوحنیفہ کے پاس گئے اور حال بیان کیا۔ ابوحنیفہ نے اشتر کے مالک سے پوچھا کہ تیرا خچر تجھے مل گیا۔ اُسنے کہا ہاں مل تو گیا مگر پندرہ روز کے بعد مجھے اتنے دنوں کا کرایہ ملنا چاہیے۔ ابوحنیفہ نے کہا قصر ہبیرہ تک صرف کرایہ کیا گیا تھا جب وہاں سے آگے بڑھ گیا تو قیمت خچر کا وہ ضامن دار ہوا اور کرایہ اُس سے ساقط ہوا۔ اب جو خچر صحیح و سالم لا کر تجھے واپس دیدیا تو اُس پر تجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ الغرض ابوحنیفہ کا یہ عجیب و غریب حکم سُنکر اُس نے کہا کہ یہ شخص جو مجھے پہلے رقم دیتا تھا وہ بھی آپ ہی کی نذر ہے۔ یہ کہا اور وہاں سے روانہ ہوا۔ راستہ میں کہتا جاتا تھا کہ ایسے ہی حکام وقت ہیں تب ہی آسمان سے بارش نہیں ہوتی اور زمین سے روئیدگی کی قوت زائل ہوگئی۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ مجھے اُس کے حال زار پر رحم آیا اور وہ پندرہ درم اُسکے حوالے کر دیے۔ جب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ ماجرا بیان کیا اور حکم صحیح کا خواستگار ہوا تو آپنے فرمایا کہ

کوفہ سے پل تک۔ وہاں سے بغداد اور بغداد سے پھر کوفہ تک خچر کا کرایہ تجھے واجب الادا تھا۔ عرض کی کہ دانہ گھاس جو میں نے دیا۔ فرمایا وہ حساب میں نہیں۔ کیونکہ تو اُسکا غاصب تھا۔ پھر کہا وہ تو مجھے بحل کر چکا ہے۔ فرمایا ابو حنیفہ کے حکم جور سے۔ اب اس فیصلہ کے بیان کرنے کے بعد وہ تجھے معاف کر دے تو البتہ معافی کی سند ہو سکتی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے واپس آکر اُس مرد سے قصہ بیان کیا اور کہا اب جو تو کہے تجھے دیا جائے۔ اُسنے کہا کہ تو نے اُس جناب علیہ السلام کی محبت اور فضیلت کو میرے دل میں مستقل اور مستحکم کر دی۔ میں اب تجھ سے کچھ نہیں چاہتا۔ بلکہ اگر کہو تو وہ پندرہ درہم بھی واپس کر دوں فقط

تمت بالخیر و العافیۃ

الحمد للہ و المنۃ کہ بتاریخ دوازدہم ماہ محرم الحرام روز سہ شنبہ ۱۳۲۸ ہجری نبوی علیہ السلام
از نقل این کتاب علی صاحبہا من اللہ صلوات بغیر حساب فراغت ساختم
و از خود عقبے بگزاشتم و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین
و الصلوٰۃ و السلام علی سیدنا محمد و آل المعصومین
المنتجبین الی یوم الدین
آمین

المولف
سید اولاد حیدر فوق بلگرامی
غفرلہ و لوالدیہ